گمشدہ قافلے



نسیم حجازی

گمشدہ قافلے

نسیم حجازی

جہانگیر بک ڈپو

• لاہور • راولپنڈی • ملتان • حیدرآباد • کراچی

زندگی اور راحتیں

اب زندگی یوسف کے لئے اَن گنت امیدوں اور بے حساب خوشیوں کا نام تھا وہ بی اے کے امتحان کے مہینے اور ہفتے گنا کرتا تھا، کبھی کبھی فہمیدہ کی والدہ یا والد کو بھی خط لکھ دیا کرتا تھا۔ اور ہر خط میں چند الفاظ ایسے ہوتے تھے جن کا مفہوم صرف فہمیدہ ہی سمجھ سکتی تھی جوں جوں امتحان کے دن قریب آرہے تھے اس کا بیشتر وقت امتحان کی تیاری میں گزرتا تھا۔

امتحان کا آخری پرچہ دینے کے بعد وہ اپنے گھر جانے کی بجائے سیدھا بلقیس کے پاس پہنچا اور اسے السلام علیکم کہتے ہوئے بولا: "چچی جان میرا آخری پرچہ بھی بہت اچھا ہو گیا ہے، مجھ سے تھوڑی سی حماقت ضرور ہوئی ہے کہ میں نے دو مہینے پہلے محنت شروع نہیں کر دی ورنہ فرسٹ ڈویژن ضرور آتی۔ اب انشاء اللہ ہائی سیکنڈ ڈویژن تو کہیں نہیں گئی۔ ویسے میری صحیح تعلیم کالج کا نصاب ختم کرنے کے بعد شروع ہو گی۔ چچی جان مجھے سندھ سے احمد خان صاحب کا تار ملا ہے۔ انہوں نے فوراً وہاں آنے کی تاکید کی ہے۔ پروگرام یہ بنایا ہے کہ سندھ میں شکار کھیلنے کے علاوہ کراچی کی سیر کریں گے اور پھر بلوچستان میں مارخور کے شکار کے لئے بھی جائیں گے۔"

"بیٹے! مارخور واقعی کوئی سانپ کھانے والا جانور ہوتا ہے؟"

"چچی جان! اس مارخور کا سانپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک لمبے سینگوں والے پہاڑی بکرے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور کافی بلندی پر سرد مقامات

ہیں رہتا ہے۔ جہاں سردی کے باعث سانپ ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح
سبزی خور ہے اور اسے مارنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ بہرحال ورزش خوب ہو جاتی ہے۔
چچی جان! میں کسی ڈاک خانے کے قریب ہوا کروں گا تو آپ کو میرے خط مل جایا کریں
گے۔ لیکن کبھی کبھی جب میں شکار پہ ہوا کروں گا تو خط لکھنا بہت مشکل ہو گا۔ آپ میرے
لئے دعا ضرور کیا کریں —— اب مجھے اجازت دیجئے، کل صبح میں سندھ کی طرف روانہ
ہو جاؤں گا۔"

"بیٹا بیٹھ جاؤ! تم کھانا نہیں کھاؤ گے اور فہمیدہ سے ٹیلی فون پر بات کر کے جاؤ۔
ان کا ٹیلیفون کسی وقت بھی مل سکتا ہے۔ میں نے انہیں کل کہہ دیا تھا کہ یوسف پرچہ دیتے ہی سیدھا
میرے پاس آئے گا۔ میں نے بھی احتیاطاً تھوڑی دیر پہلے اس طرف سے کال بک کرا دی
ہے۔ اب میں کھانا رکھواتی ہوں۔"

بلقیس نے باہر نکل کر نوکر کو آواز دی اور تھوڑی دیر بعد وہ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے
تھے۔ بلقیس نے مسکراتے ہوئے پوچھا:
"بیٹا تمہارے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اس وقت تمہارے چچا، فہمیدہ اور نسرین
کو بھی یہاں ہونا چاہیے تھا؟"
"چچی جان آپ ہمیشہ بہت اچھی باتیں سوچتی ہیں۔ لیکن انسان کی ہر خواہش تو پوری
نہیں ہو سکتی۔ ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔"
"بیٹا میں سمجھ سکتی ہوں کہ تم فہمیدہ کے لئے کتنی دعائیں کرتے ہو گے۔"
"نہیں چچی جان! معاف کیجئے یہ بات کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ آپ کو یقین نہیں آئے
گا کہ میں امتحان کا پرچہ دیتے وقت بھی اُن کے متعلق سوچ رہا تھا۔"
ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور بلقیس نے ٹیلی فون اٹھاتے ہوئے کہا: "بیٹی! یوسف
بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے پرچے بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی مجھے وہ یہ کہہ رہا تھا

کہ امتحان کے پرچے لکھتے وقت بھی وہ تمہیں یاد کیا کرتا تھا۔ میں مذاق نہیں کر رہی، بیٹی وہ
بہت سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ اچھا خود ہی اس سے بات کر لو۔ یوسف بیٹا ادھر آؤ۔"
یوسف نے اٹھ کر رسیور پکڑ لیا اور کان سے لگانے کے بعد کہا: "یہ مذاق نہیں
جی یہ بات میں نے پوری سنجیدگی سے کہی تھی۔ اور صرف آپ کی چچی سے یہ بات کہی
ہے جن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے آپ کو یاد کرتی
رہتی ہیں۔ میں کل احمد خان کی دعوت پہ سندھ جا رہا ہوں۔ گھر بیٹھ کر امتحان کے نتیجے
کا انتظار کرنے کی بجائے سیر و شکار میں مصروف رہنا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ جی
مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ سندھ کے راستے میں جالندھر نہیں آتا۔ ورنہ خالہ جان
کو سلام کرنے کے کئی بہانے مل سکتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ اچھا خدا حافظ۔"

اگلے دن یوسف اور منظور لاہور کے ویٹنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔
"منظور بھائی! جو باتیں میں تم سے کئی بار کر چکا ہوں۔ اس میں ذرا
کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے اور اگر تم صورتِ حال کو میرے ناموافق
دیکھو تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ میں امتحان کا نتیجہ نکلنے
کے بعد بھی چند ہفتے اور سیر و سیاحت اور شکار میں مصروف رہوں گا۔ خان صاحب نے
لکھا ہے کہ زیادہ وقت وہ بلوچستان میں گزاریں گے یا مسوری چلے جائیں گے اور میں
تعطیلات کے دوران ان کے بیٹے خان محمد کی تعلیم کے سلسلہ میں ان کے ساتھ رہوں گا۔
بہرحال میں جس جگہ بھی ہوا آپ کو میرے خط ملتے رہیں گے۔ میں اس بات سے بہت پریشان
ہوں کہ اباجی میرے رشتے کے لئے عبدالکریم صاحب کی بیٹی کی طرف بہت مائل نظر
آتے ہیں۔ انہوں نے کبھی مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ میں نے انہیں اس کا موقع
دیا ہے۔ تاہم اندر ہی اندر ایک مہم چل رہی ہے۔ جس سے میں پریشان ہوں۔ اس سلسلہ

میں جب آپ میرے اباجی سے ملیں گے تو میرے مستقبل کا ذکر ضرور آئے گا۔ بھائی! اگر آپ ذرا عقل سے کام لیں تو انہیں یہ سمجھانا مشکل نہیں کہ آئندہ کئی سال تک میرے پروگرام میں شادی کا مسئلہ نہیں آئے گا۔ اگر وہ یہ بات نہ سمجھ سکیں تو عبدالکریم صاحب کو زیادہ آسانی سے سمجھایا جا سکے گا۔ امینہ ایک سمجھدار لڑکی ہے۔ لیکن میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اور اسے کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے بھی کہ نہیں، بہرحال مجھے اس سے یہ امید ضرور ہے کہ وہ میرے معاملات میں میری طرفدار ہوگی۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ یہ معاملہ اس حد تک آگے جائے۔ منظور صاحب! آپ کے لئے اباجان سے یہ کہنا مشکل نہیں ہوگا کہ میری شادی کا مسئلہ میری ذات اور میرے پروگرام سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی کو بھی اس کے لئے پریشان نہیں ہونا چاہیئے خصوصاً اس صورت میں کہ میرے خاندان کا کوئی آدمی مجھے بے وقوف نہیں سمجھتا۔"

منظور نے کہا۔ "یوسف صاحب! میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے اور آپ کی خاطر اپنا سارا علم کام میں لانے کی کوشش کروں گا۔ اور انشاء اللہ آپ کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اب چلیے پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہیں۔"

منظور نے یوسف کا بیگ پکڑ لیا اور وہ باہر نکل آئے۔ جب تک گاڑی کھڑی رہی وہ باتیں کرتے رہے۔ جب انجن نے سیٹی بجائی تو یوسف ایک ڈبے میں بیٹھ گیا اور دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہنے لگے۔

یوسف چند ہفتے احمد خان کے مہمان کی حیثیت سے سندھ میں شکار کھیلنے میں مصروف رہا۔ پھر دو ہفتے کراچی کی سیر کی اس کے بعد وہ بلوچستان چلے گئے۔

کوئٹہ میں یوسف، احمد خان کے ساتھ اسی بنگلے میں ٹھہرا جہاں وہ اس سے پہلے قیام کر چکا تھا۔ اور چوتھے روز وہ تین مقامی شکاریوں اور ایک نوکر کے ساتھ

پہاڑوں کی طرف شکار کے لئے نکل گئے۔ اور پانچویں روز یوسف کوئٹہ واپس آکر منظور کو یہ خط لکھ رہا تھا۔ "میرے بھائی! السلام علیکم۔

ہم نے کوئٹہ اور زیارت کے درمیان نو ہزار فٹ کی بلندی پر دو مارخور مارے تھے۔ ایک تو ایسے گہرے کھڈ میں گرا تھا جسے ابھی تک تلاش نہیں کیا جا سکا۔ دوسرا جس کا خوش قسمتی سے میں نے کل صبح شکار کیا تھا۔ آج بڑی مشکل سے ہمارے ساتھ کوئٹہ پہنچا ہے۔ چونکہ اس کے خراب ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے فوراً کچھ خان صاحب کے دوستوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور باقی کی دعوت کر دی گئی ہے۔ بھئی اس دعوت میں تم بہت یاد آئے۔"

دو ہفتے بعد یوسف کو منظور کا خط ملا۔ "بھائی! نتیجہ نکل آیا ہے اور تم میری توقع کے خلاف فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے ہو! وہ مارخور جو تم نے شکار کیا تھا یقیناً ایک اچھا شگون تھا۔ بھئی ایسا نظر آتا ہے کہ یہاں کوئی کھچڑی پک رہی ہے شاید آپ کو جلدی گھر آنا پڑے۔ میں آپ کو تار دے دوں گا۔ بھائی جان، مجھے آپ کے اباجی سے گفتگو کے لئے دو بار موقع ملا ہے۔ لیکن میرا علم کسی کام نہیں آیا۔ پہلی بار تو میں ابھی تمہید باندھ رہا تھا کہ پانچ منٹ میں بات ختم ہو گئی —— دوسری ملاقات میں تو ایک لطیفہ ہو گیا۔ آؤ گے تو سناؤں گا۔"

ایک ہفتہ بعد یوسف کو پہلے منظور کا خط اور اس کے بعد اپنے باپ کا تار ملا۔ "جلدی گھر پہنچ جاؤ۔" منظور نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

"بھائی صاحب! مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ پانی سر سے گزر رہا ہے۔ آپ گھر آ جاتے تو بہتر ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ امینہ بھی میٹرک میں پاس ہو چکی ہے اور عبدالکریم صاحب آپ دونوں کی ایک بہت بڑی دعوت کرنے کے لئے کسی موقع کے

انتظار میں تھے۔ آپ کے خلاف ایک سازش ہو رہی ہے جسے روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس دعوت میں کسی تاخیر کے بغیر لڑکی اور لڑکے کے والد کی رضامندی سے یہ اعلان کر دیا جائے گا کہ آپ کی اور امینہ کی منگنی ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ اس کھیل میں امینہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ واقعی ایک سمجھ دار لڑکی ہے اور آپ کو کسی مصیبت میں نہیں ڈالے گی۔ لیکن ان بزرگوں کو آپ ہی سمجھا سکتے ہیں۔ آپ جتنی جلدی آجائیں اسی قدر اچھا ہو گا —— ہاں بھائی وہ لطیفہ بھی سن لو۔ جو میں ملاقات پر سنانا چاہتا تھا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کچھ اس طرح گفتگو شروع کی :
چچا جان! ایک ہونہار اور ذہین آدمی کی شادی کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔ آپ کو کئی پہلوؤں سے اس پر غور کرنا پڑے گا۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔
"بیٹا مجھے معلوم ہے کہ یوسف جوان ہو چکا ہے۔ انشاءاللہ اب اس کی شادی کی مبارک رسم میں تاخیر نہیں ہو گی۔ لڑکی بھی پاس ہو گئی ہے اور اس کا باپ ایک شاندار دعوت کا انتظام کر رہا ہے اور کئی رشتہ داروں کو خط لکھے ہیں کہ جلدی گھر پہنچ جائیں۔" مجھے اتوار کا دن کوئی خطرناک دن محسوس ہوتا ہے۔"

یوسف نے یہ حالات بیان کئے تو احمد خان نے مشورہ دیا: "میرے بھائی! تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور اتوار سے پہلے پہنچ جاؤ گے، مجھے اپنے حالات سے باخبر رکھو۔
تمہاری وجہ سے میں نے اپنا سارا پروگرام بدل دیا ہے۔ میں خان محمد کی خاطر دہرہ دون کے پاس مسوری میں قیام کروں گا اور میری کوشش یہ ہو گی کہ جب تک گھر میں تمہارے حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے تم میرے ساتھ رہو۔ خان محمد کو ایک اچھے استاد کی ضرورت ہے اور تم سے بہتر اس کے لئے کوئی اور استاد نہیں ہو سکتا۔ مجھے تم لاہور میں جس کے ہاں ٹھہرا کرتے ہو اس کا ٹیلی فون نمبر لکھ دو۔ میں تم سے بات کر لیا کروں گا۔ میں نوکر کو بھیج کر تمہارے لئے جمعہ کی سیٹ ریزرو کروا لیتا ہوں۔"

"خان صاحب! میرے لئے انٹر کلاس ٹھیک رہے گا اور کرایہ میرے پاس ہے۔"
"میرے بھائی آج سے تم میرے بیٹے خان محمد کے اتالیق ہو اور جب تک تم کہیں اور مصروف نہیں ہو جاتے تمہیں باقی اخراجات کے علاوہ چار سو روپے تنخواہ ملتی رہے گی اور میں یہ سودا بہت سستا سمجھوں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم میری درخواست رد نہیں کرو گے۔ ورنہ مجھے بہت صدمہ ہو گا کہ میں اپنے بیٹے کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری نہ کر سکا۔"
"خان صاحب! میں شکریہ کے ساتھ آپ کی دعوت قبول کرتا ہوں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے میری کتنی الجھنیں دور کر دی ہیں۔"
"بھائی! الجھنیں تو میری دور ہوئی ہیں۔ جسے اس بات کا خدشہ تھا کہ تم میری پیش کش قبول نہیں کرو گے۔ میں اپنے بیٹے کو خوش قسمت سمجھتا ہوں۔"
یوسف نے جواب دیا۔ "خان صاحب! اللہ مجھے آپ کی نیک توقعات پوری کرنے کے قابل بنائے۔"
تھوڑی دیر بعد یوسف منظور کو اپنے پروگرام کے متعلق ٹیلی گرام دے رہا تھا —— اور جمعہ کے روز احمد خان اسے دہلی ریلوے اسٹیشن پر رخصت کر رہا تھا۔

کوکے شاہ کا زہر

گاڑی آٹھ بجے شام کے قریب لاہور اسٹیشن پر رُکی۔ یوسف نیچے اترا اور اپنا سوٹ کیس پلیٹ فارم پر رکھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دو منٹ بعد منظور بھاگتا ہُوا ہجوم سے نکلا اور اس سے لپٹ گیا۔ اور اُس نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

"تمہیں اپنے اباجی کا تار مل گیا تھا؟"

"ہاں تم نے کسی کو یہ تو نہیں بتایا کہ مَیں اس گاڑی پر آرہا ہُوں"۔

"نہیں بالکل نہیں۔ کل شام ان کا نوکر اور آج دوپہر میاں عبدالکریم تمہارے پروگرام کے متعلق پوچھنے آئے تھے۔ لیکن مَیں نے انہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ میں آپ کو فوراً یہاں پہنچنے کے لئے خط لکھ چکا ہُوں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی آپ کو تار دیئے ہوں گے"۔

"اُن کی طرف سے مجھے امتحان میں پاس ہونے پر مبارک باد کا تار مِلا تھا۔ لیکن اگر تم خط نہ لکھتے تو مجھے یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ اباجی کا تار مجھے تمہارے خط کے ساتھ مِلا تھا۔ اور اس وقت سے میرا سر چکرا رہا ہے۔ خان صاحب کو میری پریشانی کا علم ہُوا تو وہ اُسی وقت مجھے اپنی کار میں بٹھا کر اسٹیشن کی طرف چل پڑے ہم گاڑی کی روانگی سے صرف پانچ منٹ قبل روہڑی پہنچے تھے۔ اب میں تم سے کوئی نئی خبر سننا چاہتا ہُوں"۔

"مجھے صرف اِتنا علم ہے کہ پرسوں دوپہر کے لئے دعوت کی تیاریاں زوروں پر

ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے تمہارے اباجی کو سلام کرنے گیا تھا۔ وہ اس بات پر پریشان تھے کہ تم نے ان کے تار کا جواب نہیں دیا۔ مَیں نے یہ کہہ کر ان کی تسلی کر دی تھی کہ شاید آپ شکار پر گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خان صاحب آپ کو کوئٹہ یا کراچی سیر کے لئے لے گئے ہوں۔ پھر باتیں کرتے کرتے وہ اچانک عبدالکریم پر برس پڑے۔ کہتے تھے: "کہ یہ کتنا بے وقوف ہے۔ جس نے یوسف کی طرف سے کسی اطلاع کے بغیر دعوت کی تاریخ بھی مقرر کر دی اور مہمانوں کو بھی بلا لیا۔" میں نے کہا تھا۔ "جناب آپ اتنی فکر کیوں کرتے ہیں۔ یوسف کی دعوت بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔ ابھی تو میرا خیال ہے کہ عبدالکریم صاحب اپنی بیٹی کے میٹرک میں پاس ہو جانے پر خوشیاں منا رہے ہیں"۔ اور تمہارے اباجان کہنے لگے۔ "بیٹا وہ بڑا بے وقوف ہے۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ جب دولت زیادہ آتی ہے تو عقل رخصت ہو جاتی ہے۔ حماقت کی انتہا یہ ہے کہ صرف ہمیں نہیں بلکہ ہمارے رشتہ داروں کو بھی دعوت نامے بھیج دیئے۔ اور دعوت کا مقصد جو مجھے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مہمانوں کے سامنے یوسف اور امینہ کی منگنی کا اعلان کر دیا جائے گا"۔ ــــــ مَیں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔ میاں جی آپ نے یوسف کی مرضی معلوم کر لی ہے۔ وہ کہنے لگے۔ "یہی تو مجھے پریشانی ہے۔ یوسف نے اپنے کسی خط یا گفتگو میں یہ اشارہ تک نہیں کیا کہ وہ اُسے پسند کرتا ہے"۔ مجھے انہوں نے کہا تھا۔ "دیکھو بیٹا! وہ تمہارا دوست ہے۔ جب وہ یہاں آئے تو اُسے اپنا نفع و نقصان سمجھا دینا، میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے سامنے شرمندہ ہونا پسند نہیں کروں گا"۔

یوسف نے کہا: "منظور! تم میرا سوٹ کیس لے جاؤ۔ میں یہ طوفان گزر جانے تک تمہارے پاس ٹھہروں گا۔ لیکن کسی کو یہ نہ بتا دینا کہ میں لاہور پہنچ گیا ہوں"۔

منظور نے کہا: "یار کہیں جانے سے پہلے میرے ساتھ کھانا تو کھا لو"۔

یوسف بولا: "منظور! میں کسی تاخیر کے بغیر اپنے ہمدردوں سے ملنا چاہتا ہوں اگر انہوں نے روک نہ لیا تو میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔ ورنہ ان حالات میں میرے لئے اُن کا گھر ایک محفوظ قلعہ ہو گا۔"

منظور نے سوٹ کیس اٹھا لیا اور وہ اسٹیشن سے باہر نکل کر تانگوں پر سوار ہو کر مختلف سمتوں کی طرف چل دیئے۔

کوئی نصف گھنٹے بعد یوسف، عبدالعزیز کے مکان پہ دستک دے رہا تھا۔ نوکر نے دروازہ کھول کر اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

"آپ تھوڑی دیر اندر بیٹھیں۔ بی بی جی ابھی ابھی کار پہ باہر گئی ہیں۔ وہ مجھے کہہ گئی تھیں کہ میں واپس آکر کھانا کھاؤں گی۔"

یوسف صحن عبور کر کے برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوکر نے اسے لیموں کے شربت کا ایک گلاس پیش کرتے ہوئے کہا:

"جناب دو تین دن سے آپ کا عبدالکریم کے گھر سخت انتظار ہو رہا ہے۔ آج دوپہر تک میاں صاحب کی بیوی اور بیٹی کا تیسرا پھیرا تھا۔ عبدالکریم صاحب بھی بار بار فون کرتے ہیں۔ آپ کے ابا جی کا نوکر بھی کل شام اور آج صبح آیا تھا۔ وہ شاید اسی لئے پریشان تھے کہ آپ نے سندھ جا کر اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ آپ کب یہاں پہنچے ہیں؟"

"دوست محمد! میں سیر و شکار میں بہت مصروف رہا ہوں۔ اب تم اس بات کا خیال رکھو۔ کہ کوئی فون پر یا خود آکر پوچھے تو اسے یہ نہ بتاؤ کہ میں یہاں ہوں یا یہاں آیا ہوں۔ میں ایک ضروری کام میں مصروف ہوں۔ اس لئے کچھ عرصہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ میں کہاں ہوں۔"

دوست محمد نے کہا: "صاحب جی! اب میں سمجھ گیا۔ کہ آپ کسی بڑے ڈاکو کا پیچھا کر رہے ہوں گے۔"

"دوست محمد تم سمجھ دار آدمی ہو۔ ابھی میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن یہاں چچی جان کے سوا ابھی کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ میں کہاں ہوں۔"

یوسف کی زبان سے سمجھ دار کہلوا لینا دوست محمد کے لئے بہت بڑا انعام تھا۔ اس نے کہا:

"جناب آپ مطمئن رہیں۔ جو بھی اس طرف آئے گا۔ میں اسے باہر سے ہی رخصت کر دوں گا۔"

"وہ خواہ عبدالکریم ہو یا کوئی اور ہو۔"

"جناب! آپ فکر نہ کریں۔ میں کسی کو مکان کے اندر لانے سے پہلے آپ کو کسی جگہ چھپا دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالکریم کے گھر والوں کی کسی بات پر ہماری بی بی جی بھی خوش نہیں ہیں۔ دوپہر کے وقت انہوں نے آتے ہی پہلے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ اور پھر وہ میرے منع کرنے کے باوجود بی بی جی کے کمرے میں گھس گئی تھیں۔ بی بی جی گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھیں اور ان پر برس پڑیں: "کہ تم بار بار یہاں آکر یوسف کے متعلق کیوں پوچھتی ہو؟ اگر وہ سندھ سے نہیں آیا ہے تو تم وہاں جاؤ۔ اگر سندھ سے آچکا ہے تو تم اس کے گھر کی تلاشی لو یا اس کے دوستوں سے پتہ کرو۔" پھر کوئی دعوت کی بات چھڑی تھی۔ تو بی بی جی نے یہ جواب دیا تھا: "اگر میرے میاں گھر میں نہ ہوں تو میں کسی دعوت پر نہیں جایا کرتی۔ اور تمہاری دعوت میں تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" عبدالکریم کی بیوی یہ کہہ بیٹھی بی بی جی آپ کو منانے کے لئے ہم یوسف کو بھیج دیں گے۔ بی بی جی نے کہا: "میں کہہ چکی ہوں کہ میں کسی صورت دعوت میں نہیں جاؤں گی۔" عبدالکریم کی بیوی اور صاحبزادی چلی گئیں تو عصر کے بعد راولپنڈی سے

انسپکٹر صاحب کا فون آیا مجھے معلوم نہیں کہ بی بی جی کے ساتھ انہوں نے کیا باتیں کی ہیں۔ میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ عبدالکریم کے گھر والوں پر اُن کا غصہ کم نہیں ہوا۔"

یوسف نے کہا: "دوست محمد! میں بیٹھک میں جاکر نماز پڑھتا ہوں۔ اگر چچی جان مجھ سے بھی خفا نہ ہوگئی ہوں۔ تو یہ کہہ دینا کہ یوسف سلام کے لئے حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

دوست محمد نے کہا: "صاحب آپ نماز یہیں پڑھ لیں۔ آپ کو دیکھ کر بی بی جی بہت خوش ہوں گی۔"

"بہت اچھا!"

یوسف اٹھ کر وضو کے لئے غسل خانے چلا گیا۔ وضو کے بعد وہ اس بڑے کمرے میں نماز کے لئے کھڑا ہوگیا۔ جہاں اُس نے اپنی ماں کے ساتھ فہمیدہ اور اس کے عزیزوں کو پہلی بار دیکھا تھا، نماز کے بعد دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔

باہر سے موٹر کی گڑگڑاہٹ اور اس کے چند ثانیے بعد بلقیس کی آواز سنائی دی۔ اور وہ دعا ختم کر کے برآمدے میں نکل آیا۔ بلقیس برآمدے سے کچھ دور اُسے دیکھ کر ٹھٹکی۔ اور پھر سر اونچا کر کے پوری تمکنت کے ساتھ آگے بڑھی۔

"چچی جان السلام علیکم" یوسف نے کہا۔

بلقیس نے مسکرانے یا بولنے کی بجائے اپنے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر اچانک اُس پر قہر آلود نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا:

"یوسف مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنے بے حس ہو جاؤ گے کہ اُن کی سفارش لے کر میرے پاس آؤ گے۔ میں کئی بار یہ کہہ چکی ہوں۔ کہ میں ان کی دعوت پر نہیں جاؤنگی۔ مجھے اس بات سے بہت تکلیف ہوئی ہے کہ اب تم ان کے وکیل بن کر یہاں پہنچ گئے ہو۔"

یوسف چند ثانیے ایک سکتہ کی حالت میں بلقیس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اُس نے کہا:

"چچی جان آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آپ مجھے کس جرم کی سزا دے رہی ہیں۔"

"اچھا! تو تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ تم ساری دنیا کو بے وقوف سمجھتے ہو۔ میں نے دوپہر کے وقت انہیں کہہ دیا تھا کہ یوسف کو سفارش کے لئے یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں میں کسی صورت وہاں نہیں جاؤں گی۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے پہلے میرے میاں سے فون کروایا۔ اور اس کے بعد تمہیں یہاں بھیج دیا۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"چچی جان میں سیدھا یہاں آیا ہوں۔"

"سیدھے یہاں آئے ہو تو سیدھے اپنے گھر جاؤ! اگر کوئی سمجھانے والی بات ہے تو اپنے باپ کو سمجھاؤ۔ یا پھر عبدالکریم اور اس کی بیوی کو سمجھاؤ۔ دیکھو! میری زندگی میں کوئی اُن پھولوں کو نہیں مسل سکتا۔ جو مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔"

یوسف جس قدر بلقیس کے طرزِ عمل پر حیران تھا۔ اسی قدر اس بات پر آزردہ تھا کہ وہ اُس جرأت سے یکایک کیوں محروم ہو گیا ہے۔ جس کی بدولت وہ بدترین حالات کو بھی سازگار بنا لیا کرتا تھا۔ وہ بڑی کوشش کے بعد صرف اتنا کہہ سکا:

"چچی جان! آپ نے بہت تکلیف دہ باتیں کہی ہیں۔ لیکن جب یہ باتیں آپ کو یاد آیا کریں گی۔ تو آپ کو زیادہ تکلیف ہوا کرے گی۔ آپ کے سامنے میں پہلے بھی ایک بچہ تھا اور اب بھی ایک بچہ ہوں اور ایک بچے کے پاس ماں کے غصے کا آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ لیکن میں آپ کو اپنے آنسو نہیں دکھاؤں گا۔ جب میں چلا جاؤں گا تو مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہے گی ———— خدا حافظ چچی جان۔"

یوسف وہاں سے چل دیا اور مڑ کر دیکھے بغیر مکان سے باہر نکل گیا پھر ہر قدم
پر اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

بلقیس کچھ دیر دل گرفتہ سی ہو کر صحن کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ یوسف کو آواز دینا چاہتی
تھی لیکن اس کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔ وہ آٹھ یا دس قدم آگے بڑھی ـــــ رُکی
اور پھر نڈھال سی ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی: "میرے اللہ مجھے کیا ہو گیا تھا ـــــ میں
کیا کر بیٹھی ہوں۔ اگر میں نے یوسف کا دل دکھایا ہے تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں
کروں گی۔ اور وہ بھی مجھے دوبارہ دیکھنا پسند نہیں کرے گا ـــــ نہیں وہ ایسا نہیں
ـــــ اُس نے یہ کہا تھا۔ کہ ایک بچے کے پاس ماں کے غصے کا آنسوؤں کے
سوا کوئی جواب نہیں ہوتا ـــــ میرے اللہ! مجھے معاف فرما۔ کاش اس کے ساتھ میری
گفتگو ایک خواب ہوتی۔ میرے اللہ! اگر قدسیہ کے بیٹے کو میری دعاؤں کی ضرورت
ہے تو میں مرتے دم تک اس کے لئے دعائیں کرتی رہوں گی ـــــ اس نے کتنے وثوق
سے کہا تھا کہ جب مجھے یہ باتیں یاد آیا کریں گی تو زیادہ تکلیف ہوگی ـــــ کاش میں
اس کو روک لیتی اور اطمینان سے اس کی باتیں سن سکتی۔ ممکن ہے کہ میری سوچ بالکل
غلط ہو۔ اور وہ آج بھی اتنا ہی معصوم ہو۔ جتنا کہ پہلے نظر آیا کرتا تھا۔"

بلقیس نے کرب کی حالت میں اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو
بہہ نکلے۔

دوست محمد نے جھجکتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا:

"بی بی جی! یوسف صاحب سیدھے یہاں آئے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ
لاہور میں میرے متعلق چچی جان کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیئے۔"

"یہ کہا تھا اُس نے؟"

"جی ہاں، اُن کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی وجہ سے چھپ کر رہنا چاہتے

ہیں۔"

"دیکھو دوست محمد! تمہیں اس کے دوست منظور کا گھر معلوم (ہے نا)؟"

"جی اگر آپ حکم دیں تو میں ڈھونڈ لوں گا۔ اُن کے اباجی کے نوکر اور عبدالکریم کے
گھر والوں کو بھی یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔"

"دوست محمد! میں نے اسے بہت بُرے موڈ میں یہاں سے روانہ کیا تھا۔ اسی
وقت اس کا پیچھا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ اگر وہ صبح مل جائے تو صرف اتنا کہہ دینا کہ تم
نے اُس کی چچی کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور وہ بہت پشیمان ہے۔"

"بی بی جی! اگر آپ حکم دیں تو میں انہیں یہاں لے آؤں گا۔ وہ بہت نیک ہیں۔
انہوں نے آتے ہی کہا تھا کہ میں بیٹھک میں نماز پڑھتا ہوں اگر چچی جی اجازت دیں
تو انہیں کہہ دینا کہ میں سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ شاید انہیں یہ ڈر تھا کہ آپ کسی بات
پر خفا ہیں ـــــ کھانا لاؤں بی بی جی؟"

"نہیں ابھی نہیں، نماز کے بعد اگر میرے دل کا بوجھ اُتر گیا تو شاید میں دو نوالے
کھا لوں۔ میرے دل پر یہ کتنا بڑا زخم ہے کہ قدسیہ کا بیٹا میرے گھر سے بھوکا گیا ہے۔"

یوسف، منظور کی قیام گاہ کے قریب پہنچا۔ تو اُسے دروازے سے باہر اچانک
عبدالغفور، منظور احمد سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ دونوں نے اسے دیکھ کر بیک وقت
کہا: "لو جی وہ آ گئے۔"

منظور نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا "آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے عبدالغفور
کو سمجھا دیا ہے۔ جب تک آپ اجازت نہیں دیں گے۔ یہ کسی کو نہیں بتائے گا کہ
آپ میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ویسے آپ کے گھر میں بڑی شدت سے آپ کا
انتظار ہو رہا ہے۔"

عبدالغفور نے آگے بڑھ کر کہا: "صاحب جی! آج بی بی جی نے بڑے شوق سے آپ کے لئے کھانے پکائے ہیں۔ صبح اُن کی والدہ، عبدالکریم صاحب کی بیگم کے ساتھ آپ کا پتہ کرنے آئی تھیں۔ عبدالکریم کی بیگم صاحبہ جلدی میں تھیں۔ اس لئے آپ کے متعلق پوچھ کر چلی گئیں۔ لیکن بی بی جی کی ماں کو ابھی تانگے پر سوار کرا کے آیا ہوں۔ اگر آپ کا انتظار نہ ہوتا۔ تو بی بی جی بھی ان کے ساتھ چلی جاتیں۔ وہاں بہت سے مہمان جمع ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے پوچھا: "اباجی گھر پر ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا تم گھر جاؤ اور انہیں یہ کہہ دو کہ میں کچھ دیر تک آجاؤں گا۔ اور کھانا وہیں کھاؤں گا۔"

منظور احمد نے پوچھا: "آپ واقعی گھر جائیں گے؟"

"ہاں منظور۔ میں نے سوچا ہے کہ مجھے حالات سے بھاگنے کی بجائے اُن کا سامنا کرنا چاہیئے۔"

عبدالغفور نے کہا: "بی بی جی نے آپ کے لئے پلاؤ پکایا ہے۔ وہ کہتی تھیں کہ آپ کو پلاؤ بہت پسند ہے۔ میں آپ کے لئے بڑا اچھا گوشت لایا تھا۔ اگر آپ کو دیر ہو گئی تو بھی میں آپ کا انتظار کروں گا۔ میں آپ کی سائیکل یہیں چھوڑ جاتا ہوں اور آپ کا سامان تانگے پر لے جاتا ہوں۔"

یوسف نے کہا: "نہیں ابھی میرا سامان یہیں رہے گا۔"

"صاحب پھر بھی آپ کو سائیکل کی ضرورت ہو گی۔ اس لئے میں تانگے پر یا پیدل چلا جاؤں گا۔"

یوسف نے اسے ایک روپیہ نکال کر دیتے ہوئے کہا: "اچھا تم جاؤ اور میرا

انتظار کرنے کی بجائے کھانا ہاٹ کیس میں رکھ دینا۔ ہو سکتا ہے کہ منظور صاحب کے ساتھ باتوں میں کچھ دیر لگ جائے۔ اور پھر میں انہیں بھی ساتھ لیتا آؤں۔ اباجی اور امی کو میرا اسلام کہہ دینا۔"

منظور نے کہا: "یوسف صاحب مجھے یقین تھا۔ کہ آپ وہاں سے کھانا کھائے بغیر نہیں آئیں گے۔ اس لئے میں نے یہاں آتے ہی کھا لیا تھا۔"

عبدالغفور نے کہا: "جناب میاں جی تو شاید سو گئے ہوں گے لیکن بی بی جی آپ کا ضرور انتظار کر رہی ہوں گی۔ منظور صاحب آپ نے کھانا کھا لیا ہے۔ تو بھی یوسف صاحب کے ساتھ آجائیں۔ وہاں آپ کو بڑے لذیذ کباب ملیں گے۔"

"یار عبدالغفور کباب تمہارے بنائے ہوئے بہت لذیذ ہوتے ہیں، لیکن آج میرے نوکر دین محمد نے بھی کچھ کاریگری دکھائی تھی۔ خیال تھا کہ شاید یوسف صاحب یہاں سے کھانا کھا کر اس کی تعریف کریں گے۔ اس لئے میں نے خوب کھایا ہے۔ اب میں یوسف صاحب کو دروازے پر چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔ مجھے واقعی افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے پیٹ میں کچھ خالی جگہ کیوں نہیں رکھی۔"

عبدالغفور کو رخصت کرنے کے بعد یوسف اور منظور کوئی نصف گھنٹہ باتیں کرتے رہے۔ یوسف بظاہر ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ لیکن منظور کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ کہ اُس کے دل پر کچھ بوجھ ہے۔ اُس نے کہا:

"یوسف صاحب مجھے بتائیے تو سہی کہ وہاں کیا بات ہوئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ سخت لڑائی کے موڈ میں ہیں۔"

"منظور! مجھے معلوم نہیں کہ میں کیسے موڈ میں ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے چاہنے والوں نے ہنسی مذاق میں میری گردن پر چھری رکھ دی ہے۔"

"ارے یار! یوں کیوں نہیں کہتے کہ سقراط کو زہر کا پیالہ پیش کیا جا رہا ہے۔"

"یار اس میں زہر والی کوئی بات نہیں۔ یہ حکیم اللہ رکھا کا وہ جوشاندہ ہے جسے دیکھتے ہی مجھے متلی آجایا کرتی تھی۔ گھر کے بزرگ اور اباجی خاص طور پر میرے منہ میں اونڈیلنے کی کوشش کیا کرتے تھے ——— میں آنکھیں بند کرتا تھا۔ مٹھیاں بھینچ لیتا تھا اور بڑی ہمت سے منہ کھول کر ایک گھونٹ اپنے حلق سے اُتار لیا کرتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے قے آجایا کرتی تھی۔ ان باتوں کو کچھ برس ہو گئے ہیں، لیکن میں اب بھی جب اس جوشاندے کا تصور کرتا ہوں تو مجھے اس کی قے آور بو محسوس ہونے لگتی ہے۔"

منظور نے کہا: "یار اس لحاظ سے سقراط بدقسمت تھا کہ اس کے زمانے میں حکیم اللہ رکھا جیسے زہر فروش نہ تھے، لیکن خدا نہ کرے کہ تمہیں زہر پلانے والے کو خوش کرنے اور اس کے ساتھ ہی زندہ رہنے کا تجربہ کرنا پڑے۔"

یوسف نے کہا: "چھوڑو یار بار بار سقراط کا نام لے کر مجھ پر اپنی قابلیت کا رعب نہ ڈالو۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔"

"بھائی جان! معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بہت سنجیدہ ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ خدا نے آپ کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ چکنا چور کرنے کی قوت دے رکھی ہے اور اگر کسی آہنی پیالہ میں چھید کرنے کے لئے میری مدد کی ضرورت پڑی تو میں ہر وقت موجود ہوں گا۔ آپ مجھے زندگی کے اندھیروں اور اجالوں میں ہر قدم پر اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ اگر کوئی نازک مرحلہ آگیا ہے تو میں آپ کے اباجان، عبدالکریم صاحب۔ عبدالعزیز صاحب اور بیگم بلقیس سے بات کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان سب کی خوش فہمیاں اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔"

"مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شبہ نہیں منظور۔ لیکن ابھی دُور کے بادل صرف گرج رہے ہیں اور میں اس امکان سے مایوس نہیں ہوں کہ یہ برسے بغیر گزر جائیں گے۔ میں اباجی کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ خطرہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہم دونوں

بے لچک ثابت ہوں گے، لیکن پھر مجھے یہ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ جب میں سنجیدہ ہو جایا کرتا ہوں تو وہ میری بات اطمینان سے سُنا کرتے ہیں۔"

منظور نے کہا: "یوسف صاحب میں آپ کے گھریلو معاملات میں دخل دینے سے بہت جھجکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اپنی سوتیلی والدہ کے تعاون سے یہ الجھن بآسانی دُور کر سکتے ہیں۔ میں آپ کے بھائی صدیق سے ملتا رہتا ہوں۔ اور اس نے سوتیلی والدہ کے طرزِ عمل کے متعلق کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ ایک دن آپ کے چچا لاہور آئے تھے۔ اور آپ کا بھائی انہیں میرے پاس لے آیا تھا۔ بڑے خوش طبع آدمی ہیں۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی سوتیلی والدہ بچوں سے بہت پیار کرتی ہیں اور آپ کے خاندان میں اُن کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ لیکن آپ کا بھائی سگی ماں سے بہت خائف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب وہ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر صدقے جاؤں واری جاؤں کہنا شروع کرتی ہے تو وہ سہم جاتا ہے ——— ——— یار وہ سائیں بیر کوکے شاہ کون ہے؟"

"بھئی میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ قائم دین اور اس کی بیوی اُس کے مرید ہیں۔"

"تمہارا چچا کہتا تھا۔ کہ وہ امرتسر کے آس پاس کہیں رہتا ہے۔ دوائیاں اور کشتے بھی بناتا ہے۔ اور قائم دین اور اس کی بیوی اسے ولی سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسے سادہ دل لوگوں کو اپنا طرف دار بنا لینا تمہارے لئے مشکل نہیں ہوگا۔"

"منظور تم مجھے بالکل اُلّو سمجھنے لگ گئے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ مجھے ان لوگوں کو بھی سہارا سمجھ لینا چاہیئے جو نیک و بد کی تمیز نہیں رکھتے۔ اگر مجھے کسی کے تعاون کی ضرورت پیش آئی تو میرے لئے امینہ اور اس کے والدین کو راہِ راست پر لانا زیادہ آسان ہوگا ——— اب چلو۔"

وہ سائیکل پکڑ کر باہر نکلے تو یوسف نے کہا: "یار اگر تم پیدل چل سکو تو میری تھکاوٹ

دور ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے" منظور نے جواب دیا اور وہ سڑک کے کنارے باتیں کرتے ہوئے چل پڑے۔

گھر کے قریب پہنچ کر یوسف نے منظور کو رخصت کیا۔ اور آگے بڑھ کر ڈیوڑھی کے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹانے ہی لگا تھا کہ اندر سے کنڈی کھلنے کی آہٹ سنائی دی ——— دروازہ کھلا۔ اور وہ بجلی کی روشنی میں چراغ بی بی کو دیکھ رہا تھا۔ یوسف السلام علیکم کہہ کر ڈیوڑھی میں داخل ہوا اور چراغ بی بی نے اسے دعائیں دیتے ہوئے کہا:

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم آ گئے۔ تمہارے ابا جان بہت پریشان تھے۔ وہ ابھی ابھی سوتے ہیں۔ صدیق بھی سو گیا ہے۔ لیکن اُس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جب تم آؤ گے تو میں اُسے جگا دوں گی۔"

"اُسے جگانے کی ضرورت نہیں۔ اور آپ بھی آرام کریں۔ میرا خیال تھا کہ عبدالغفور کنڈا کھلا رکھے گا اور میں دبے پاؤں اُوپر جا کر چند نوالے کھانے کے بعد سو جاؤں گا۔"

"یوسف! تم یہ کیسے سوچ سکتے ہو۔ کہ میں تمہیں کھانا کھلائے بغیر سو سکتی ہوں۔"

"آپ کا بہت شکریہ، لیکن اب آپ آرام کریں ——— میرا بستر چھت پر ہے نا؟"

"ہاں۔ ابھی گرمی تو اتنی نہیں آئی۔ لیکن میں نے تمہارا بستر اُوپر لگوا دیا تھا۔"

"بہت اچھا۔ میں ہاٹ کیس وہیں لے جاؤں گا۔"

"میں نے کباب بھی پلاؤ کے ساتھ ہاٹ کیس میں رکھ دیئے ہیں۔ امید ہے کہ تم دونوں چیزیں پسند کرو گے۔ اور میں اس بات پر بہت خوش ہوں کہ تم کہیں باہر سے کھانا نہیں کھا آئے۔ ورنہ مجھے بہت افسوس ہوتا۔"

چند منٹ بعد یوسف اپنے بستر پر بیٹھ کر ہاٹ کیس کھول رہا تھا۔ پلاؤ کے دو لقمے کھانے کے بعد اسے فوری طور پر پانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ نیچے اترا۔ اور اس نے دوسری چھت کے زینے کے قریب مٹی کی صراحی سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس بھر کر منہ کو لگا لیا۔ اور پھر صراحی اور گلاس اٹھا کر اوپر چلا گیا۔ لیکن زینہ عبور کرتے ہی اسے تلخی محسوس ہوئی اور اس نے یکے بعد دیگرے پانی کے دو اور گلاس بھر کر پی لئے۔ پھر وہ ایک کباب نکال کر چکھنے لگا۔ تو اسے محسوس ہوا کہ اسے مزید پانی کی ضرورت ہے۔ اُس نے کباب رکھ دیا۔ اور گلاس بھرنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے صراحی اٹھا کر منہ کو لگا دی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے اندر کوئی آگ ہے۔ جو ٹھنڈے پانی سے بجھ نہیں رہی۔ اُس نے صراحی حلق میں انڈیل لی۔ اور پھر اچانک اسے زور سے قے آئی۔ وہ نقاہت کے باعث لیٹ جانا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک اسے خیال آیا کہ وہ کسی زہر کے اثر سے مر رہا ہے اور زہر اس کے کھانے میں تھا۔

زیادہ پانی پینے اور فوراً قے کرنے کے باعث وہ بچ گیا۔ لیکن زہر کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا۔ اگر وہ چند نوالے اور کھا لیتا تو اب تک وہ ختم ہو گیا ہوتا۔ موت کے خوف سے اس پر کپکپاہٹ سی طاری ہو گئی۔ ابھی تک پیاس سے اس کا سینہ جل رہا تھا۔ وہ اٹھا اور نیچے اتر کر زینے کے اس کونے تک جا پہنچا۔ جہاں پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے مٹی کا ایک بڑا پیالہ اٹھایا جو گھڑے کے لئے ڈھکنے کا کام دیتا تھا۔ اور پھر بھر کر پینا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر اسے متلی محسوس ہوئی۔ وہ اٹھ کر بیت الخلاء کی طرف بھاگا۔ لیکن پیٹ میں شدید ابال کی وجہ سے اس نے بیت الخلاء کے باہر ہی قے کر دی۔ قے سے فارغ ہو کر وہ لڑکھڑاتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے وہ کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے دائیں ہاتھ وہ کمرہ تھا۔ جہاں اس کا بھائی صدیق سو رہا تھا۔ اور اس کے

ساتھ اس کے والد اور سوتیلی ماں کا کمرہ تھا۔ نیچے جانے والے زینے کے قریب دیوار کے ساتھ دو چار پائیاں کھڑی تھیں۔ وہ ایک بار پھر پانی پینے کے بعد اٹھا اور ایک چارپائی بچھا کر لیٹ گیا: "کیا میں زندہ ہوں" ـــــ "کیا میں زندہ رہوں گا؟" وہ اپنے دل سے بار بار پوچھ رہا تھا۔ آسمان پہ وہی ستارے جگمگا رہے تھے۔ جنہیں وہ رات کے وقت چھت پر لیٹ کر دیکھا کرتا تھا۔ ایک ستارہ ٹوٹا اور ایک ثانیہ کے لئے روشنی بکھیرنے کے بعد فضا میں تحلیل ہو گیا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے اپنے دل میں کہا۔ "یہ ستارے اگر رات بھر ٹوٹتے رہیں تو بھی آسمان پر کوئی کمی محسوس نہیں ہوگی۔" پچھلے پہر کے چاند کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی دوسری چھت کے زینے پر چڑھ رہا ہے۔ پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے جسم کی نقاہت آنکھوں تک جا چکی ہے۔ لیکن چھت کے قریب پہنچ کر چڑھنے والا متحرک سایہ اُسے صاف طور پر نظر آنے لگا۔ وہ اٹھا اور درمیانے جنگلے کے ساتھ ساتھ چلتا ہُوا بالائی منزل کی سیڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ پھر جب وہ جنگلے کا سہارا لے کر اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا تو اس کی سوتیلی ماں ایک ہاتھ میں ہاٹ کیس اور دوسرے ہاتھ میں وہ ڈبہ اٹھائے نیچے آ رہی تھی۔ جس میں سے اس نے پلاؤ کے دو لقمے کھائے تھے۔ وہ اچانک یوسف کو سامنے دیکھ کر ٹھٹکی لیکن یوسف نے آگے بڑھ کر کہا:

"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ مَیں نے ابھی کھانا ختم نہیں کیا تھا۔ وہ تو پیاس لگ گئی تھی۔ صراحی میں پانی شاید کم تھا۔ اس لئے مجھے نیچے آنا پڑا۔ لائیے میں اپنا کھانا اطمینان سے ختم کروں گا۔"

پیشتر اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ اس نے اس کے ہاتھوں سے ہاٹ کیس اور ڈبہ جس میں سے اس نے پلاؤ کھایا تھا۔ پکڑ لیا۔

"یوسف ـــــ!" اس نے ڈوبتی ہُوئی آواز میں کہا۔ "تم ٹھیک ہو نا؟"

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھ سے یہ غلطی ہُوئی ہے کہ مَیں نے اپنی پیاس بجھانے کی بجائے کھانا شروع کر دیا تھا۔ یہ پلاؤ اتنا لذیذ ہے کہ میں اس کا ایک دانہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا ـــــ آپ آرام کریں۔ اب خنکی بھی ہو گئی ہے۔ میں نیچے جا کر کھانا کھانے کے بعد آرام سے سو جاؤں گا۔"

"یوسف! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"جب میں پیٹ بھر کر کھاؤں گا تو میری طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ جائیں جا کر آرام کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ سب جاگ جائیں گے اور میرے حصّے کا کھانا چھین لیں گے۔"

یوسف اُسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر مڑا اور چند قدم دُور نیچے جانے والے زینے میں غائب ہو گیا۔

چراغ بی بی خوف سے لرزتی ہُوئی جنگلے سے نیچے دیکھنے لگی۔ اسے پہلے ہینڈ پمپ چلنے کی آواز آئی۔ پھر اُسے یہ محسوس ہوا کہ یوسف قے کر رہا ہے۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی ـــــ خاموشی کے یہ دو تین منٹ اسے انتہائی خوفناک محسوس ہوئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور زینے کے ساتھ بجلی کا بٹن دبا کر نیچے اترنے لگی ـــــ نیچے پہنچ کر اس نے دوسرا بٹن دبایا اور بجلی کی روشنی ڈیوڑھی سے صحن تک پھیل گئی ـــــ یوسف اپنی سائیکل پکڑ کر ڈیوڑھی سے باہر نکل رہا تھا۔

"یوسف!" اس نے ڈوبتی ہُوئی آواز میں کہا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟"

یوسف نے مڑے بغیر جواب دیا۔ "آپ کا لذیذ پلاؤ چکھتے ہی مجھے جو پیاس محسوس ہُوئی ہے۔ وہ گھر کے پانی سے نہیں بجھ سکی۔ اِس لئے دریا کے کنارے کھلی ہوا میں یہ کھانا اطمینان سے ختم کروں گا۔"

"یوسف! تم بیمار ہو۔ تم قے کر رہے تھے ـــــ ٹھہرو۔"

یوسف نے جواب دیا "نہیں جب بیماری کے ساتھ قے شروع ہو جائے تو
مریض کو گھر سے باہر رہنا چاہیئے۔ آپ کو اوپر کی چھت اور درمیانی چھت پر گھڑے
رکھنے والی جگہ اور یہاں نلکے کے آس پاس اچھی طرح صفائی کروانی چاہیئے۔ اور وہ
برتن بھی اچھی طرح صاف کر لیجیئے جن میں میرے لئے لذیذ کھانے تیار کئے گئے تھے
تاکہ بیماری کا اثر کسی اور تک نہ پہنچے۔ اگر میں گھر نہ آ سکا۔ تو یہ یا اس سے بہتر ٹاکیں
یہاں پہنچ جائے گا۔"

چراغ بی بی کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اُس کی ٹانگیں اس کا بوجھ نہیں سہار سکتیں۔
وہ نڈھال سی ہو کر سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ اور یوسف سائیکل لے کر باہر نکل گیا۔ وہ اٹھی
لرزتی اور لڑکھڑاتی ہوئی ڈیوڑھی کے دروازے کی طرف بڑھی۔ یوسف گلی سے غائب
ہو چکا تھا۔ صحن کی پچھلی کوٹھڑی سے عبدالغفور نمودار ہوا۔

"بی بی جی! کیا ہوا؟ میں پمپ چلنے کی آواز سے بیدار ہوا تھا۔ اور پھر مجھے ایسا لگا
جیسے کوئی قے کر رہا ہے۔ جب میں پوری طرح بیدار ہوا تو مجھے آپ کی اور یوسف صاحب
کی آوازیں سنائی دیں ——— اُن کی سائیکل یہاں نہیں ہے؟ کہیں میاں صاحب
تو اُن سے ناراض نہیں ہوئے۔"

چراغ بی بی نے بڑی مشکل سے جواب دیا "میں بھی نلکہ چلنے اور قے کی آواز سُن
کر آئی تھی، لیکن شاید یوسف یہ سمجھتا تھا۔ کہ اسے ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس لئے گھر
نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ وہ اتنی جلدی باہر نکل گیا تھا کہ میں اُسے روک بھی نہ سکی۔"

"بی بی جی، آپ آرام کریں شاید وہ ڈاکٹر کے پاس گئے ہوں۔"

"دیکھو عبدالغفور! اگر یوسف کے اباجی کو یہ پتہ چلا کہ میں نے اسے بیماری کی
حالت میں نکلتے ہوئے دیکھا تھا اور تم بھی جاگ اٹھے تھے تو وہ بہت ناراض ہوں
گے۔ میں کیا جواب دوں گی کہ میں اُسے بھاگ کر روک بھی نہ سکی ——— میں نے شور

بھی نہ مچایا۔ میں نے اس کے بھائی کو بھی نہ جگایا۔"

"بی بی جی! خدا خیر کرے گا۔ آپ اوپر جا کر اُن کے لئے دُعا کریں۔ یہاں کئی ڈاکٹر
انہیں جانتے ہیں۔ انشاء اللہ وہ کل مسکراتے ہوئے گھر آئیں گے۔"

چراغ بی بی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "دیکھو عبدالغفور! تم نے مجھے یوسف
کے اباجی کے غصّے سے بچا لیا تو میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"بی بی جی! آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

چراغ بی بی آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگی۔ اور نچلی چھت کے اوپر پہنچ کر سر پکڑ کر اسی
چارپائی پر بیٹھ گئی۔ جہاں کچھ دیر پہلے یوسف بیٹھا تھا۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہی
تھی۔ "یا اللہ میں کیا کر بیٹھی ہوں ——— اب کیا ہوگا ——— وہ یہ سمجھ گیا ہے کہ اُسے
زہر دیا گیا ہے۔ اور وہ باقی کھانا اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس نے ایک مشہور
ڈاکو کو گرفتار کیا تھا۔ میں اس سے کیسے بچ سکتی ہوں۔ اگر وہ چاہتا تو ایک ہاتھ سے
میرا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ لیکن اس نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا؟ کیا یہ اس لئے تھا کہ
وہ اپنے باپ سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور مجھے اس کی بیوی سمجھ کر معاف کر گیا ہے
——— کاش! میری ماں مجھے جنم نہ دیتی ——— کاش! میں اس کے مشورے نہ سنتی۔
اگر یہ معاملہ آگے بڑھا۔ تو میں، میری ماں، میرا باپ اور وہ کالے منہ والا پیر کوکے شاہ سب
پکڑے جائیں گے۔ یا اللہ میرے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا تھا۔ کہ اگر امینہ اس گھر میں
بہو بن کر آ گئی تو میں بہت حقیر ہو جاؤں گی ——— کاش میں اپنی ماں کے مشوروں سے
کان بند کر لیتی۔ اب یوسف کالے پیر کا زہر کھا کر بھی زندہ ہے۔ اور میں اور میری
ماں جو اس گھر پر حکومت کرنا چاہتی تھیں۔ اتنی ذلیل ہو جائیں گی۔ کہ کوئی ہمیں منہ لگانا پسند
نہیں کرے گا۔ یہ معاملہ امینہ کے گھر تک پہنچے گا تو دنیا میں ہمارے لئے سر چھپانے
کے لئے جگہ نہیں رہے گی جو تھوڑی سی جائیداد میرے باپ نے خریدی ہے۔ اس کے باوجود

ہیں کسی جگہ قابلِ عزت نہیں سمجھا جائے گا۔ مجھے اپنی جان بچانے کے لئے بھی امینہ اور اس کی ماں کے پاؤں پڑ گرنا پڑے گا ـــــ وہ کتنی پریشان تھیں کہ یوسف گھر نہیں پہنچا۔ کاش میں یوسف کو زہر والے کھانے کھلانے کی بجائے اسے ساتھ لے کر امینہ کے گھر چلی جاتی اور پھر اس کے ساتھ خوشی خوشی واپس آتی۔ اور یوسف کے ابا کو جگا کر یہ کہتی کہ آپ گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لئے میں یوسف کو لے کر لڑکی والوں کے گھر چلی گئی تھی۔ تاکہ انہیں تسلی دے سکوں۔ آپ بلاوجہ پریشان تھے کہ یوسف یہ رشتہ پسند نہیں کرے گا۔ لیکن وہ بہت خوش تھا۔ امینہ ہمیں اپنی کار پر چھوڑ کر گئی ہے۔ پیر کوکے شاہ تیرا بیڑہ غرق ہو۔ تو نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اگر اس وقت تو میرے سامنے آجائے تو میں تیرا منہ نوچ لوں گی۔

کمرے سے عبدالرحیم اسے آواز دیتا ہوا باہر نکلا۔ اور اس نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"جی! میں یہاں ہوں"۔

"یوسف نہیں آیا؟" اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"جی وہ آیا تھا۔ آپ سو رہے تھے اس لئے وہ کہیں چلا گیا ہے"۔

"کہاں چلا گیا ہے؟"

"جی مجھے معلوم نہیں۔ اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اسے قے آنا شروع ہو گئی تھی۔ اور وہ یہ سمجھ کر سائیکل پر باہر نکل گیا تھا کہ شاید اسے ہیضہ ہو گیا ہے"۔

عبدالرحیم نے گرج کر کہا: "وہ ہیضہ کی حالت میں باہر نکل گیا ہے اور تم نے مجھے اطلاع تک نہ دی۔ تمہارے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی"۔

"جی اس نے مجھے کسی کو جگانے سے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنی سائیکل پر گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سیدھا ڈاکٹر کے پاس جائے گا ـــــ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ

میاں عبدالکریم کے گھر چلا گیا ہو"۔

"تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں! وہ مجھے ملے بغیر کہیں نہیں جا سکتا تھا"۔

"جی مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں آتے ہی اس کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ اور وہ اس طرح اچانک چلا جائے گا"۔

"اگر وہ کریم کے گھر گیا ہو تو مجھے اس بات سے خوشی ہو گی۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا۔ کہ وہ رشتے کے متعلق ہمارے فیصلے سے بغاوت نہ کر دے"۔

"آپ کا مطلب ہے کہ امینہ اسے پسند نہیں تھی؟"

"مجھے معلوم نہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ کیوں کہ جب بھی میں اس کی منگنی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ تو وہ ٹال دیتا تھا"۔

"جی وہ شرماتا ہو گا۔ یہ بات تو آپ کے گاؤں کے سب لوگ اور اس محلے والے بھی جانتے ہیں کہ یوسف کیا چاہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ امینہ اپنے ساتھ کیا کچھ لائے گی۔ عبدالکریم کی بیوی نے یہ بات تو میرے سامنے کہی تھی۔ کہ دوسری کوٹھی وہ امینہ کے لئے بنوائیں گے"۔

"میرا بیٹا ایسی باتیں نہیں سوچتا۔ وہ جہیز کے لالچ میں شادی نہیں کرے گا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لڑکی قدسیہ مرحومہ کو بھی پسند نہ تھی۔ ورنہ یہ منگنی اس کی زندگی میں ہی ہو گئی ہوتی۔ اگر عبدالکریم فوراً منگنی کے اعلان پر ضد نہ کرتا تو میں یوسف کے دل کی بات پوچھنے کی ذمہ داری تمہیں سونپ دیتا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو کر اس لڑکی کو پسند کرے گا۔ جو بلقیس بیگم کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھی۔ تم نے اس کی ماں اور نانی کو بھی دیکھا ہو گا۔ وہ لڑکی بڑی خوب صورت ہے۔ اگر یوسف کے دل میں اس کے ساتھ شادی کرنے کا خیال پیدا ہو گیا، تو یہ معاملہ بہت خراب ہو جائے گا"۔

"نہیں جی! یوسف وہی کرے گا جو آپ چاہتے ہیں۔"

"اگر وہ لڑکی تم نے غور سے دیکھی ہوتی تو تم فوراً یہ سمجھ جاتیں کہ جب یوسف نے ایک بار اُس خاندان سے تعلق جوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو ہم بے بس ہو جاتیں گے وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو کچھ حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ ترک کر دیا کرتے ہیں۔"

"یہی تو میں کہتی ہوں کہ وہ امینہ کا گھر ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے جان پر کھیلنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ وہ بہت دُور کی سوچتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ امینہ کی وجہ سے دونوں گھروں پر اس کی حکومت ہو گی۔ اور امینہ کا باپ بھی یہ سمجھتا ہے کہ اس کی بیٹی دونوں خاندانوں پر راج کرے گی۔"

چراغ بی بی کو اِس گفتگو کے دوران یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ یوسف کے والد کو قائل کرنے کی بجائے اپنے دل کو تسلی دے رہی ہے اور اس کا دِل ملامت کے احساس سے پسا جا رہا تھا۔

عبدالرحیم نے کہا: "میں مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ اگر یوسف آ جائے، تو اُسے روک لینا۔ اگر اُس کے دِل پر کوئی بوجھ ہے، تو میں چند منٹ میں دور کر دونگا۔"

چراغ بی بی نے اُٹھ کر کہا: "اگر اُس کے دل پر اس وجہ سے بوجھ ہے کہ اِس دعوت میں اس کی منگنی کا اعلان ہو گا، تو آپ کیسے دُور کر سکیں گے؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا: "خدا میرے بیٹے کو صحت دے۔ اگر وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو سکا، تو چند دن بعد میاں عبدالکریم کو ایک اور دعوت کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اور اس میں منگنی کے اعلان کی بجائے نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

عبدالرحیم یہ کہہ کر نیچے اُتر گیا، اور چراغ بی بی اپنے دل کو پھر یہ تسلی دے رہی تھی کہ اس سے جو جرم سرزد ہوا ہے وہ بلا وجہ تھا ــــ پھر وہ کمرے کے اندر بستر

پر لیٹی اپنے دِل میں کہہ رہی تھی: کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ امینہ کو اس گھر سے دُور رکھنے کے اور بھی طریقے ہیں۔ لیکن مَیں بیوقوف تھی۔ میں نے فہمیدہ کے متعلق کیوں نہیں سوچا تھا۔ میں امینہ کے حسد سے کیوں اندھی ہو گئی تھی۔ ایک احمق ماں اور بے وقوف باپ کی بیٹی نے کیوں یہ سمجھ لیا تھا کہ اُس سے کوئی عقل کی بات بھی ہو سکتی ہے۔ مَیں نے امینہ کے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کی بجائے اپنے پاؤں کاٹ لئے ہیں، کاش میں اس کے ساتھ فہمیدہ کے متعلق باتیں کیا کرتی۔ اور اس کے خیالات معلوم کرنے کے بعد پُوری قوت کے ساتھ جالندھر والوں کے گھر میں یوسف کی منگنی کی حمایت کرتی۔ پھر وہ عمر بھر کے لئے میرا احسان مند ہو جاتا ــــ میری کسی نیکی کے بغیر بھی تو وہ دِل سے میری عزت کرتا تھا، لیکن اب کیا ہو گا۔" اس کے پاس اضطراب کی حالت میں مٹھیاں بھینچنے، آہیں بھرنے، سسکیاں لینے اور آنسو بہانے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

یوسف منظور کے مکان کے قریب پہنچ کر نڈھال سا ہو چکا تھا۔ اس نے سائیکل ایک دیوار کے ساتھ کھڑی کی اور لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دینے کے بعد دہلیز پر بیٹھ گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ پھر دروازے پر ہاتھ مارنے لگا۔

اندر سے کنڈی کھلی اور دین محمد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا:

"صاحب کیا ہُوا آپ کو؟ آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟"

"دین محمد میری طبیعت ٹھیک نہیں!"

منظور بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور اس نے یوسف کا بازو پکڑ کر اٹھنے کے لئے سہارا دیتے ہوئے کہا:

"یوسف بھائی کیا ہوا؟"

"تم مجھے کسی نچلے کمرے میں ہی لٹادو۔ اور جلدی سے ڈاکٹر کو بلا لاؤ اور دیکھو اس ہاٹ کیس کی پوری طرح نگرانی کرو۔ اس کے اندر جو کھانا ہے۔ اسے چھونا بھی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اسے الماری میں بند کرکے تالا لگادو۔ تم ڈاکٹر کو یہ بتا سکتے ہو کہ مریض نے کوئی زہریلی چیز کھالی ہے اور تین مرتبہ پیٹ بھر کر پانی پینے سے کھل کر قے آئی ہے۔ اب قے رُک گئی ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ انتڑیاں اندر سے ٹوٹ رہی ہیں۔ اگر تم ڈاکٹر ٹھاکر کے گھر پہنچ سکو۔ تو وہ میرا نام سنتے ہی تمہارے ساتھ چل پڑیں گے۔ تم میرے ساتھ ان کا مکان اور دکان بھی دیکھ چکے ہو۔ اگر وہ نہ ملے تو ڈاکٹر نورالٰہی کے گھر چلے جاؤ۔ میں موجودہ حالات میں کسی اجنبی کو اعتماد میں نہیں لے سکتا۔"

"نہیں یوسف صاحب میرے ماموں ڈاکٹر محمود علی تبدیل ہو کر ریلوے ہسپتال میں آچکے ہیں۔ میں سیدھا اُن کے پاس جاؤں گا۔"

یوسف نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا: "بہت اچھا۔ انہیں یہ بتا دینا کہ میں کوئی زہریلی چیز کھا چکا ہوں۔"

منظور نے اسے سہارا دے کر ایک کمرے کے اندر بستر پہ لٹا دیا۔ اور بجلی کا پنکھا آن کرتے ہوئے نوکر سے کہا:

"دین محمد تم ان کا خیال رکھو ـــــ میں جلدی آجاؤں گا۔"

وہ چلا گیا تو یوسف نے دین محمد سے کہا:

"تم ٹھنڈے پانی کا ایک جگ لے آؤ اور اس میں ایک چمچہ نمک ڈال کر میرے پاس رکھ دو۔"

تقریباً ایک گھنٹہ بعد منظور واپس آیا۔ تو اس کی سائیکل کے پیچھے ایک تانگہ

آرہا تھا۔ دین محمد دروازے سے باہر کھڑا تھا۔ منظور نے سائیکل سے اترتے ہی سوال کیا:

"یوسف صاحب کا اُب کیا حال ہے؟"

"جناب! وہ بستر پہ آنکھیں بند کئے پڑے ہوئے ہیں۔ نمکین پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد ان کا جی متلانے لگا تھا۔ لیکن قے نہیں آئی۔ پھر انہوں نے کہا۔ اس پانی میں بَرف ڈالو اور مجھے چمچہ کے ساتھ پلاتے جاؤ۔ اور میں اب تک ایک بڑا گلاس انہیں پلا چکا ہوں۔"

ڈاکٹر تانگے سے اترا اور منظور اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ یوسف نے ان کی آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں اور بستر سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن منظور نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روکتے ہوئے کہا:

"یوسف صاحب آپ آرام سے لیٹے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ماموں جان مجھے جاتے ہی مل گئے تھے۔"

ڈاکٹر محمود نے کسی تاخیر کے بغیر یوسف کی نبض دیکھی، اس کا بلڈ پریشر چیک کیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔ پھر اسے ایک ٹیکہ لگایا۔ اور چند سوالات پوچھنے کے بعد منظور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بیٹا قدرت نے تمہارے دوست کی مدد کی ہے۔ اس طرح اس کا یک لخت اتنی مقدار میں پانی پی جانا اور پھر قے کر دینا ایک معجزہ ہے۔ اب انہیں نمکین پانی میں گلوکوز ڈال کر پلاتے رہو، گلوکوز کا ڈبہ میرے بیگ میں ہے۔ اور اگر انہیں نیند آجائے تو بہت اچھا ہوگا۔ کچھ دیر سونے کے بعد ان کی طبیعت بہت بہتر ہوجائے گی اور ہم انہیں دودھ پلا سکیں گے۔ اس کے بعد میں انہیں اپنے ساتھ ہسپتال میں لے جاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔"ڈاکٹر صاحب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں ٹھیک ہو رہا ہوں۔ اور ہسپتال جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"نہیں بیٹا!" ڈاکٹر محمود علی نے شفقت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "جب تک مجھے یہ تسلی نہیں ہو جاتی کہ تم بالکل ٹھیک ہو گئے ہو۔ تمہیں ہسپتال میں رہنا پڑے گا۔"

"ڈاکٹر صاحب میں نے دو نوالے ہی منہ میں ڈالے تھے۔"

"بیٹا! بعض خوش قسمت لوگوں کی انتڑیوں کا نظام ایسا ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ کوئی مُضر چیز نگل لیں تو فوراً قے آجاتی ہے اور تم اسی وجہ سے بچ گئے ہو۔ ہم وہ کھانا بھی اُٹھا کر لے جائیں گے۔ اور لیبارٹری میں میرے کچھ دوست ہیں اور میں ان سے پوری طرح چیک کرواؤں گا۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب میں یہ نہیں چاہتا۔ کہ یہ معاملہ ہمارے گھر تک پہنچے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ مجھے زہر دینے والا کون تھا۔"

"بیٹا! اگر یہ بات ہے۔ تو ہم پرائیویٹ طور پر اپنی تسلی کے لئے یہ کھانا چیک کروالیں گے۔ اور لیبارٹری میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔"

تیسرے دن بلقیس ظہر کی نماز سے فارغ ہوئی تو دوست محمد نے برآمدے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا:

"بی بی جی! یوسف صاحب کا نوکر آیا ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔"

"کیا کہتا ہے وہ؟"

"بی بی جی! وہ مجھے صرف یہ بتا کر رو پڑا تھا کہ میں یوسف صاحب کی خبر لینے

آیا ہوں۔"

بلقیس نے کہا۔"اُسے اندر لے آؤ۔"

"بی بی جی! آپ اُسے کچھ نہ کہیں۔ وہ بہت دُکھی معلوم ہوتا ہے۔"

دوست محمد یہ کہہ کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھا اور ایک منٹ بعد عبدالغفور بلقیس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی مغموم صورت دیکھ کر بلقیس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے پوچھا۔"عبدالغفور کیا بات ہے؟"

"بی بی جی! ہم کل صبح سے یوسف صاحب کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ رات کے وقت گھر آئے تھے اور پچھلے پہر کہیں چلے گئے تھے۔ وہ آج عبدالکریم کے گھر دعوت میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ میاں جی کا خیال تھا کہ اگر آپ دعوت میں آئیں تو شاید ان کے متعلق کچھ بتا سکیں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یوسف عبدالکریم کے گھر نہیں گیا تھا؟"

"جی نہیں۔ وہ نہیں آئے تھے۔ میں ان کے دوست منظور صاحب کے گھر بھی گیا تھا۔ لیکن ان کے نوکر نے بتایا تھا۔ کہ وہ گھر نہیں ہیں اور یوسف بھی وہاں نہیں آئے۔ میں کل رات اور آج صبح بھی منظور صاحب کے گھر گیا تھا۔ لیکن وہ اپنے نوکر کو یہ بتا کر نہیں گئے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ عبدالکریم کا نوکر فضل دین بھی منظور صاحب کے علاوہ اُن کے کئی جاننے والوں سے پتہ کر چکا ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ یوسف صاحب کہاں ہیں۔ منظور صاحب کا بھی کسی نے نہیں بتایا۔"

بلقیس بولی: "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کہ یوسف اپنے گھر کیوں نہیں ٹھہرا اور پچھلے پہر یہ بتا کر کیوں نہیں گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔"

عبدالغفور نے کہا: "بی بی جی۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں۔ کہ یوسف صاحب جب گھر سے نکلے تھے تو اُن کی طبیعت خراب تھی۔ وہ قے کرنے کے بعد نکلے

سے پانی پی رہے تھے۔ پھر وہ اپنی سائیکل پر سوار ہو کر باہر نکل گئے تھے۔"

"تم نے اُن سے کچھ پوچھا تھا؟"

"جی نہیں۔ مجھے پوچھنے کا موقع ہی نہیں مِلا۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو وہ سائیکل پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ میرا خیال تھا۔ کہ وہ کسی ڈاکٹر سے دوائی لینے گئے ہونگے"

بلقیس نے کہا: "دیکھو عبدالغفور تم ایک اچھے آدمی ہو، یوسف کو تلاش کرو۔ اور اگر وہ مِل جائے تو فوراً مجھے اطلاع کر دو۔"

پانچویں دن عبدالرحیم کو یوسف کا خط مِلا۔

"اباجان مجھے آپ کی پریشانی کا پورا احساس ہے اور میں خلوصِ دل سے اپنی کوتاہی کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ مَیں گھر پہنچا تھا تو آپ سو رہے تھے۔ اس لئے میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ میری طبیعت راستے میں ہی ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن گھر پہنچتے ہی مجھے قے شروع ہو گئی۔ مجھے احساس ہوا کہ شاید مجھے اُسی بیماری نے پکڑ لیا ہے، جس نے چند گھنٹوں میں امی جان کو ہم سے جُدا کر دیا تھا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ ایسی بیماری میں وقت بہت اہم ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کو پریشان کرنے کی بجائے۔ میں ڈاکٹر کی تلاش میں چل پڑا تھا۔ میرا ایک مخلص دوست میرے ساتھ تھا۔ اور وہ مجھے اپنے ماموں کے پاس لے گیا تھا۔ صرف چند گھنٹے مَیں ہسپتال میں رہا تھا۔ پھر یہ بزرگ ڈاکٹر مجھے اپنے گھر لے گئے —— اب مَیں رُو بہ صحت ہوں، لیکن اتنا کمزور ہو چکا ہوں۔ کہ اگر آپ مجھے دیکھیں تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں، کہ ایک ہفتہ آرام کرنے کے بعد میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ لیکن میری خواہش یہ ہے کہ مجھ میں کچھ جان آ جائے۔ اور میں فوراً گھر پہنچ جاؤں۔"

عبدالرحیم نے یہ خط بیوی کو سنایا۔ پھر صدیق کو پیار کر کے اسے تسلی دی اور اُٹھ کر عبدالکریم کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ تو عبدالکریم نے ان کا چہرہ دیکھتے ہی سوال کیا:

"یوسف کا کچھ پتہ چلا؟"

"جی ہاں، مجھے بلاوجہ اس پر غصہ آتا رہا۔ اور آپ بھی پریشان رہے ہیں۔ لیکن وہ بے قصور تھا۔ وہ گھر پہنچتے ہی بیمار ہو گیا تھا۔ قے کی وجہ سے اُسے شک ہوا کہ شاید اسے بھی اپنی ماں کی طرح ہیضہ ہو گیا ہے۔ یہ اس کی عادت ہے کہ وہ اپنی تکلیف میں کسی دوسرے کو حصہ دار نہیں بنایا کرتا۔ اس لئے وہ چپکے سے کسی ڈاکٹر کے پاس چلا گیا تھا۔ آج اس کے خط سے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ کمزوری کی حالت میں میرے سامنے بھی آنا پسند نہیں کرتا —— بیٹی امینہ ادھر آؤ۔"

امینہ اپنی آنکھیں پونچھتی ہوئی آگے بڑھی۔ عبدالرحیم نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹی مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا کسی کا دل نہیں دکھا سکتا۔ اُس کا خط پڑھ کر تمہارے اور تمہاری امی کے تمام گلے شکوے دور ہو جائیں گے۔"

"اباجان! یوسف صاحب سے کسی کو گلہ نہیں ہونا چاہیئے۔ جو راستہ وہ اختیار کرتے ہیں ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ مجھے اس پر بھی تعجب نہیں کہ انہوں نے بیماری اور تکلیف کی حالت میں اپنے عزیزوں سے دُور رہنا پسند کیا ہے تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ لوگ یوسف صاحب جیسے انسانوں کو سمجھنے میں اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ اور میں اس بات سے ڈرتی ہوں۔ کہ کہیں آپ اور میرے والدین بھی انہیں سمجھنے میں غلطی نہ کر بیٹھیں، ممکن ہے کہ ان کے گھر سے نکلنے اور پھر بیماری کی حالت میں اتنے دن غائب رہنے میں کسی ایسی بات کا دخل ہو۔ جو اس وقت ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یوسف کی بہت سی باتیں سمجھنے

"کے لئے ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔"

امینہ نے جواب دیا۔ "ایک صاف دل اور سیدھے آدمی کو کسی کی عقل سے نہیں بلکہ اپنے دل سے سمجھا جا سکتا ہے۔"

عبدالرحیم نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"بیٹی مجھے ٹھنڈا پانی پلاؤ اور سب میرے پاس بیٹھ جائیں۔ میں ایک اہم فرض سے سبک دوش ہونا چاہتا ہوں۔"

امینہ نے شربت کا ایک گلاس لا کر پیش کیا اور پوچھا:

"میاں جی آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

عبدالرحیم نے چند گھونٹ اطمینان سے پینے کے بعد کہا:

"بیٹی میں بالکل ٹھیک ہوں، اس وقت میں اپنے دل کی بات کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ایک سیدھی سی بات پر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

عبدالرحیم نے یہ کہہ کر گلاس تپائی پر رکھ دیا اور پھر اپنی جیب سے ایک ڈبیہ نکال کر کھولتے ہوئے کہا: "بیٹی اپنا ہاتھ ادھر کرو۔"

امینہ نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے کر دیا لیکن کھلی ڈبیہ میں سنہری انگوٹھی دیکھ کر اچانک پیچھے ہٹا لیا۔

ماں نے جلدی سے کہا: "بدشگونی نہ کرو بیٹی۔"

امینہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا:

"امی جان بدشگونی تو یہ ہے کہ جس کی طرف سے مجھے یہ انگوٹھی پیش کی جا رہی ہے وہ خود یہاں نہیں ہے ـــــ اگر یہ میرا اور یوسف صاحب کا مسئلہ ہے۔ تو اس کا فیصلہ ہم علیحدہ علیحدہ نہیں کر سکتے۔ میں ان کے متعلق یہ نہیں سوچ سکتی کہ ان کی تائید اور رضامندی کے بغیر ہمارا کوئی فیصلہ صحیح ہوگا۔"

عبدالرحیم نے پریشان ہو کر کہا:

"بیٹی تمہیں اس کے خلوص اور شرافت پر شک نہیں کرنا چاہیئے۔"

"ابا جان اگر وہ میرے ہاتھوں میں یہ انگوٹھی دیکھنا پسند نہ کریں تو بھی مجھے اُن کے خلوص اور شرافت پر شبہ نہیں ہوگا، لیکن ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور کچھ چاہتے بھی ہیں یا نہیں۔ آپ یہ انگوٹھی امانت کے طور پر رکھ جائیں۔ جب یوسف صاحب یہ کہیں گے۔ کہ مجھے یہ انگوٹھی پہن لینی چاہیئے۔ تو میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گی۔ وہ بہت نیک دل ہیں اور میں نے بھی ان سے دوسروں کے احساسات کا احترام کرنا سیکھا ہے۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹی تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ بات میرے بیٹے کو بھی معلوم ہوگی۔ میں پرسوں دورے پر جا رہا ہوں۔ اگر وہ میری غیر حاضری میں گھر آیا۔ تو اسے میری طرف سے یہ پیغام مل جائے گا۔ کہ اسے بلا تاخیر تمہارے والدین کے پاس حاضری دینی چاہیئے ـــــ بہن رشیدہ آپ یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھ لیں۔ اب یوسف کے رُو بہ صحت ہو کر گھر آنے پر آپ کو اس انگوٹھی کے لئے ایک اور چھوٹی سی دعوت کرنی پڑے گی۔ بیٹی امینہ تم اس کے لئے دعا کرتی ہو نا!"

امینہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کچھ کہنے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دس دن بعد علی الصبح یوسف سائیکل دوڑاتا ہوا اپنے گھر سے کچھ دور ایک مسجد کے قریب آکر رکا۔ اور دروازے سے باہر سائیکل کھڑی کر کے نماز کے لئے اندر چلا گیا۔ نماز کے بعد وہ سائیکل پکڑ کر پیدل چلتا ہوا اپنے گھر کے سامنے آکر ٹھہر گیا اور سائیکل کھڑی کر کے دروازے پر دستک دی۔ جب چند ثانیے جواب نہ آیا تو اس نے عبدالغفور کو آواز دی۔

اچانک کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ آہستہ سے دروازہ کھلا اور چراغ بی بی نے
باہر جھانکا۔ اور اسے دیکھ کر ڈیوڑھی میں بجلی کا بٹن دبا دیا۔ یوسف نے باہر سے سائیکل
اٹھا کر ڈیوڑھی میں رکھ دی اور چند ثانیے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ چراغ بی بی کا رنگ
زرد تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یوسف نے بڑی مشکل
سے کہا:

"ماں جی آپ ٹھیک ہیں۔ آپ کا چہرہ بہت زرد ہو رہا ہے۔"

چراغ بی بی کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے اور اس نے اچانک جھک کر
یوسف کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا:

"یوسف خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیئے تھا لیکن
میں بہت سخت جان ہوں۔ جو سزا میں اپنے آپ کو خود دے رہی ہوں۔ وہ کوئی
دوسرا نہیں دے سکتا۔ میں کتنی بار اوپر کی چھت پر کھڑی ہو کر چلانا چاہتی تھی۔ کہ
میں مجرم ہوں ——— میں قاتل ہوں۔ لیکن خوف یہاں بھی میری زبان بند کر دیتا تھا
ماں نے مجھے ڈرایا تھا۔ کہ ہم سب پھانسی چڑھ جائیں گے۔"

یوسف نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا: ماں جی! یہ آپ کیا کہہ رہی
ہیں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا، میں زندہ ہوں۔ ابا جی ایسی باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے۔"

"وہ دورے پر گئے ہوئے ہیں۔ اور تین چار دن بعد آئیں گے۔"

"عبدالغفور کہاں ہے؟"

"وہ سو رہا ہوگا۔ تمہارا بھائی بھی سو رہا ہے۔"

یوسف نے کہا: آپ اوپر چلیں میں آپ سے چند باتیں کرنے کے بعد واپس
چلا جاؤں گا۔ اور آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے کہ میں لڑائی کے لئے نہیں آیا۔"

چراغ بی بی نے پُر امید ہو کر اس کی طرف دیکھا اور زینے پر چڑھنے لگی ———

تھوڑی دیر بعد یوسف اس کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

چراغ بی بی نے قدرے تذبذب کے بعد کہا:

"یوسف میں تم سے پوچھتی ہوں کہ کیا خدا مجھ جیسی گناہ گار کو بھی معاف کر دے گا؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "وہ سب کو معاف کرنے پر قادر ہے۔ اور توبہ کرنے
والوں کو تو اس سے بالکل مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔"

"یوسف! میں ہزار بار توبہ کرتی ہوں۔ اور باقی عمر ہر سانس کے ساتھ توبہ کیا کروں
گی۔ میں بہت پشیمان ہوں اگر تم مجھے اوپر کی چھت سے نیچے پھینک دو۔ تو بھی میرے
منہ سے کوئی آواز نہیں نکلے گی۔"

یوسف نے کچھ سوچ کر کہا:

"ماں جی میں نے آپ کے ساتھ پہلے بھی کوئی دشمنی یا برائی نہیں کی تھی اور اب بھی
نہیں کروں گا۔ کیا میرے پاس شکر کرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ میں زندہ ہوں
لیکن ایک سوال ایسا ہے۔ جس کا جواب معلوم کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں اور وہ
یہ ہے کہ اگر وہ زہر آلود کھانا جس کے دو نوالے میں نے اس رات کھائے تھے آپ کی
توقعات پوری کرتا اور میں مرجاتا۔ تو آپ کو اس سے کیا حاصل ہوتا؟"

چراغ بی بی نے پھر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا:

"یوسف! خدا گواہ ہے کہ مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی، لیکن حسد کی آگ نے
میرا دل سیاہ کر دیا تھا۔ میری ماں یہ کہتی تھی کہ جب امینہ اس گھر میں دلہن بن کر آئے
گی تو تمہاری حیثیت ایک نوکرانی کی سی رہ جائے گی۔ اور تمہارے ابا بھی امینہ کے
ذکر سے باغ باغ ہو جایا کرتے تھے۔ میں یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ مجھے جیتے جی قبر میں ڈالا جا رہا
ہے۔ خدا اس کالے پیر کا بیڑا غرق کرے۔ اس نے ماں کے دل سے خدا کا خوف اٹھا
دیا تھا اور میری ماں نے میرے دل پر مُہر لگا دی تھی۔"

"آپ کو ابا جان نے میرا وہ خط نہیں دکھایا تھا جس میں مَیں نے لکھا تھا کہ چند سال تک میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ چوں کہ میاں عبدالکریم کو جلدی ہے۔ اس لئے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی صاحبزادی کے لئے کوئی اور رشتہ تلاش کرلیں۔"

"تم نے یہ لکھا تھا؟" چراغ بی بی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "مجھے انہوں نے ایسا کوئی خط نہیں دکھایا اور نہ ہی مجھ سے کوئی ذکر کیا تھا۔ اب مجھ پر ندامت کا بوجھ اور زیادہ ہو جائے گا۔ کاش! تم مجھے صرف ایک بار یہ کہہ دیتے کہ تم نے کسی اور لڑکی کو پسند کر لیا ہے۔ تو میں تمہارے باپ کو اپنے ساتھ لے جاتی اور اُن کے پاؤں پکڑتی، منت سماجت کرتی۔ اور پھر اس خوشی کے ساتھ زندگی گزارتی کہ میں تمہاری ماں ہوں۔"

یوسف نے پوچھا۔ "آپ نے ابا جی کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ آپ امینہ کو پسند نہیں کرتیں؟"

چراغ بی بی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بولی: "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم اُسے پسند نہیں کرتے تو میں اُس میں سو عیب نکالتی۔"

"آپ کو عیب نکالنے کی ضرورت نہ تھی۔ امینہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ آپ اُسے اطمینان سے سمجھا سکتی تھیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں بھی اسے سمجھا سکتا تھا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ اب پھر یہ مسئلہ بڑے زور شور سے اٹھے گا۔ اور ابا جی جو عام حالات میں میری بات مان جایا کرتے تھے۔ پوری قوت کے ساتھ اپنا فیصلہ نافذ کریں گے۔ اگر آپ اپنے والدین سے مشورہ کرنے کی بجائے۔ اپنے دماغ سے کام لیں۔ تو آپ میری ایک بہت بڑی الجھن دُور کر سکتی ہیں۔"

"یوسف! میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ کہ تم جو کہو گے۔ وہی کروں گی۔"

"آپ صرف یہ کوشش کریں۔ کہ شادی کے متعلق جب ابا جی سے میری گفتگو ہو تو ابا جی کا موڈ اتنا خراب نہ ہو جائے کہ مجھے گھر چھوڑنا پڑے۔ گھر چھوڑنے کی صورت میں آپ کے والدین کو یہ خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ انہوں نے کوئی میدان مار لیا ہے۔ اور اس کالے پیر نے جو لذیذ مسالہ آپ کو دیا ہے۔ وہ کسی اور کے کھانے میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں باقی تمام کھانا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کھانے کا معائنہ ہو چکا ہے۔ اور اس کی رپورٹ میرے ایک دوست کے پاس امانت ہے۔ آپ یہ احتیاط کریں کہ اس گھر میں میرے بھائی یا ابا جی کو بھی کھانے کے بعد قے نہ آئے۔ ورنہ وہ زہر مہیا کرنے والوں، کھلانے والوں اور کھلانے کا مشورہ دینے والوں کے لئے پھانسی کا پھندہ بن جائے گی۔ اگر آپ توبہ کر چکی ہیں تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں صرف احتیاطاً آپ کو یہ بتا رہا ہوں۔ اور دیکھئے ابا جی کو اس بات کا قطعی علم نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ اس رات جب میں گھر سے نکلا تھا تو مجھ پر کیا گزری تھی میں نہیں چاہتا کہ ان کی باقی زندگی تلخ ہو جائے ــــــ اب مجھے اجازت دیجئے میں صدیق سے مل کر چلا جاؤں گا۔ اور ایک ضروری کام سے فارغ ہو کر ابا جی کے سلام کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔"

عبدالغفور نے اُوپر آ کر آواز دی۔ "بی بی جی ناشتے کے لئے مکھن، ڈبل روٹی اور دہی لے آیا ہوں۔ اگر حکم ہو تو چائے کے لئے آگ جلا دوں۔"

"عبدالغفور! صدیق سے کہو کہ تمہارے بھائی جان آ گئے ہیں۔"

"بی بی جی! یوسف صاحب کب آئے ہیں؟"

"وہ اذان سے تھوڑی دیر بعد آ گئے تھے اور تم اس وقت سو رہے تھے۔ ہاں! تم صدیق کو جگا دو۔"

صدیق بھاگتا ہوا آیا۔ "بھائی جان کب آئے تھے۔ مجھے کیوں نہیں جگایا۔"

یوسف نے اُسے پکڑ کر گود میں بٹھا لیا۔

"صدیق تم نے نماز نہیں پڑھی۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی وقت ہے۔ تم جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھ لو۔"

"بہت اچھا بھائی جان۔ لیکن آپ وعدہ کریں کہ آپ کہیں چلے نہیں جائیں گے۔"

یوسف نے کہا "پہلے تم نماز پڑھ لو۔ ورنہ وقت نکل جائے گا۔"

صدیق بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ چراغ بی بی نے کہا: "یوسف صاحب اگر آپ اجازت دیں تو عبدالغفور آپ کے لئے بہت سا دہی لے آتے۔"

"ماں جی! مجھے صرف یوسف کہیں ——— عبدالغفور! جاؤ دہی لے آؤ۔ اور لسی کے لئے برتن بھی لے جاؤ۔ میں یہیں ناشتہ کروں گا۔"

چراغ بی بی کی آنکھیں اب تشکر سے لبریز ہو رہی تھیں۔ ایک گھنٹہ بعد یوسف نے کہا "میں چند دن مصروف رہوں گا۔ جب اباجی دورے سے واپس آجائیں گے، میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

جب وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا تو چراغ بی بی یہ محسوس کر رہی تھی: کہ وہ جس طوفان سے خوفزدہ تھی وہ گزر چکا ہے۔

———— ————

چھٹے روز یوسف دوبارہ گھر پہنچا۔ تو عبدالغفور نے دروازے سے اسے اطلاع دی کہ "میاں صاحب پرسوں آگئے تھے اور آپ کے متعلق سخت بے چین ہیں۔ مجھے انہوں نے منظور صاحب کے گھر بھی بھیجا تھا، لیکن آپ وہاں بھی نہیں تھے۔ اور منظور صاحب بھی دین محمد کو یہ بتا کر نہیں گئے تھے کہ اُنہیں کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ آج صبح سڑک پر مجھے دوست محمد بھی ملا تھا۔ وہ بھی آپ کو تلاش کر رہا تھا۔ فضل دین تو صبح شام آیا کرتا ہے۔ گزشتہ شام میاں عبدالکریم اپنے بال بچوں کے

ساتھ آئے تھے۔ اور کافی دیر یہاں بیٹھے رہے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے پہلی بار میاں صاحب کی زبان سے آپ کے متعلق سخت الفاظ سنے تھے۔ اور مجھے بڑا دُکھ ہوا تھا۔"

یوسف نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا: "میرے لئے تمہیں بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اباجی نیچے بیٹھک میں ہیں یا بیڈ روم میں؟"

"جی وہ نیچے بیٹھک میں لیٹے ہوئے ہیں۔ ابھی انہوں نے چائے نہیں پی۔"

یوسف بیٹھک میں داخل ہوا۔ اور "اباجی! السلام علیکم" کہہ کر ادب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

عبدالرحیم نے دبی زبان میں اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا:

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ مجھے یہ نہیں لکھ سکتے تھے کہ تم کہاں چھپے ہوئے ہو؟ مجھے تم سے یہ توقع نہ تھی کہ تم لوگوں کے سامنے مجھے اتنا ذلیل و خوار کرو گے۔"

"اباجی اگر میں نے آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔"

چراغ بی بی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا: "میں نے آپ کو کتنی بار یہ سمجھایا ہے کہ آپ کا بیٹا بے قصور ہے۔ جرم اگر کوئی تھا تو میرا تھا۔ جو اسے بیماری کی حالت میں باہر نکلنے سے روک نہ سکی۔"

"لیکن تم نے اسے یہ نہیں بتایا تھا۔ کہ میں تین چار دن بعد دورے سے واپس آجاؤں گا؟ اور میں تین دن سے اس کا راستہ دیکھ رہا ہوں۔"

چراغ بی بی نے آواز دی۔ "عبدالغفور، جلدی سے لیمن کی چار بوتلیں لے آؤ اور پھر چائے تیار کرو۔"

عبدالرحیم نے کہا: "یسین لے آؤ۔ چائے ہم عبدالکریم کے ہاں جا کر پئیں گے۔ غضب خدا کا وہ کل بھی یہاں تین گھنٹے انتظار کر کے گئے۔ اور اس برخوردار کو یہ خیال ہی نہیں آیا کہ اُسے کہیں سے فون کر لیتا"۔

چراغ بی بی نے کہا: "جی یوسف مجھے یہ بتا کر گیا تھا۔ کہ وہ ایک کام میں بہت مصروف ہے۔ اور کام ختم کرنے کے بعد حاضر ہو جائے گا"۔

"تم بلاوجہ اس کی طرف داری کرتی ہو۔ تم نے اسے یہ احساس نہیں دلایا تھا کہ اُن کے گھر جانا کتنا ضروری تھا"۔

چراغ بی بی بولی "اب غصہ میں آنے کی کون سی بات ہے۔ جلدبازی وہ کر رہے تھے۔ آپ نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ آپ یوسف سے پوچھے بغیر اس کی منگنی کا اعلان کر دیں گے۔ آپ نے خود یہ کہا تھا کہ میرا بیٹا اپنا مستقبل بہتر سوچ سکتا ہے۔ اور اب آپ اس کے ساتھ اطمینان سے بات بھی نہیں کر رہے ہیں"۔

"بات ہو چکی ہے۔ اور یہ مسئلہ اب ہماری عزت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ میں اُن کے گھر انگوٹھی بھی دے آیا ہوں۔ وہ لڑکی اتنی سمجھدار ہے کہ اس نے یہ کہہ کر انگوٹھی اپنی ماں کے پاس رکھوا دی تھی۔ کہ جب یوسف تندرست ہو کر یہاں آئیں گے۔ تو ان کے سامنے خوشی سے یہ انگوٹھی پہنوں گی۔ اُس دن مجھے پہلی دفعہ یہ احساس ہوا تھا۔ کہ اُس کے دل میں کوئی بے اطمینانی ہے۔ اب تم بھی یوسف کے ساتھ ان کے گھر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے اُس بچی کو انگوٹھی پہنائے بغیر اطمینان نہیں ہوگا"۔

یوسف نے کہا: "اباجی آپ میرے معاملے میں وہی کرنا چاہتے ہیں جسے دوسروں کے معاملے میں غلط سمجھتے رہے ہیں"۔

"بے وقوف! اگر تم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لوگے۔ تو میں تمہیں پکڑ کر کھینچتا ہوا سیدھے راستے کی طرف لے جاؤں گا"۔

"اباجی میں نے اپنی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی"۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے؟"

"اباجی میں نے یہ نہیں کہا"۔

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو"۔

"اباجی جو مسئلہ میری زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے متعلق میں عبدالکریم صاحب یا کسی اور کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اگر آپ اطمینان سے یہ سن سکیں کہ میرا پروگرام کیا ہے۔ اور میں کن مقاصد کے لئے کام کرنا چاہتا ہوں۔ تو آپ اس مسئلہ کو اتنی اہمیت نہیں دیں گے"۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے پروگرام اور مقاصد کیا ہیں: تم سمجھتے ہو کہ ملک کی ہر اچھی لڑکی کے والدین تمہاری طرح بے وقوف ہوں گے اور وہ اُس دن کا انتظار کریں گے۔ جب تم ایک مشہور مصنف بن جاؤ۔ خواہ روٹی ملے یا نہ ملے"۔

"اباجی! اس وقت میں آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میں روٹی کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ اور میں ایک مصنف بن کر بھی آپ کو مایوس نہ کرتا، لیکن میں نے آپ کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ میں فوج میں شامل ہو رہا ہوں اور مجھے اُمید ہے۔ کہ مجھے بہت جلد کمیشن مل جائے گا"۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ عبدالرحیم غور سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمزوری کے باوجود یوسف کے چہرے پر عزم و یقین کی روشنی تھی: "میری مصروفیت کی وجہ بھی یہی تھی"۔

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا! میں نے تمہیں کب فوج میں جانے کا مشورہ دیا تھا"۔

"اباجی! آپ نے مشورہ نہیں دیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ مجھے فوج میں ایک بڑا افسر

دیکھنا پسند کریں گے اور میں آپ سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں۔ کہ میں قدم قدم چلنے کی بجائے بھاگتا ہوا اپنے راستے کی منازل طے کر دوں گا۔"

عبدالرحیم نے نرم ہو کر کہا: "بیٹا یہ مجھے معلوم ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تم روٹی کے لئے فوج میں جاؤ۔ عبدالکریم کے ساتھ رشتہ جوڑنے کے بعد تم جو چاہو کرتے رہو۔ مجھے فکر نہیں ہوگی۔ وہ لوگ تمہیں روٹی کے معاملے میں پریشان نہیں ہونے دیں گے۔ اور امینہ تم سے کبھی نہیں پوچھے گی کہ تم کتابیں کیوں لکھتے ہو۔ پھر اگر تم یہ دیکھو کہ کتابوں کا تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔ تو تمہاری تعلیم ان کا کاروبار چمکانے کے کام آسکے گی۔ اور تمہیں کوئی کمی نہیں ہوگی۔"

"اباجی خدا کے لئے میرے لئے یہ دعا نہ کریں کہ مجھے زندہ رہنے کے لئے سہارے تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئے۔"

عبدالرحیم نے برہم ہو کر کہا: "تم مجھ سے سیدھی بات کیوں نہیں کرتے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ عبدالکریم کی لڑکی میں کس بات کی کمی ہے؟"

"اباجی۔ میں نے اس کی کوئی برائی نہیں کی وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ لیکن جن لوگوں کے زندگی کے راستے متوازی جا رہے ہوں۔ ان کے درمیان ہمیشہ ایک فاصلہ رہتا ہے۔"

چراغ بی بی نے نوکر کو آواز دی: "عبدالغفور چائے یہیں لے آؤ۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔"

عبدالرحیم نے گرج کر کہا: "تم اس نالائق کے ساتھ مل کر مجھے رسوا کرنا چاہتی ہو۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا: "اباجی! مجھے اجازت دیجئے۔ مجھے اپنے دامن سے نالائقی کا دھبہ دھونے کے لئے ایک طویل سفر طے کرنا پڑے گا۔"

عبدالرحیم نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا: "جاؤ دور ہو جاؤ میری نظروں سے

اگر تمہاری قسمت میں ٹھوکریں ہیں تو میں تمہارا راستہ تبدیل نہیں کر سکتا۔"

یوسف "خدا حافظ" کہہ کر باہر نکلا۔ چراغ بی بی اس کے پیچھے بھاگی اور اس نے ڈیوڑھی میں اس کا بازو پکڑ کر کہا: "یوسف خدا کے لئے گھر چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ابھی انہیں غصہ ہے۔ یہ غصہ بہت جلد دور ہو جائے گا۔ اور وہ تمہارا راستہ دیکھنا شروع کر دیں گے۔"

صدیق روتا ہوا نیچے اترا اور یوسف سے لپٹ کر بولا: "بھائی جان آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

یوسف نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "صدیق میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔"

"آپ اباجی سے لڑ رہے تھے؟"

"نہیں صدیق میں اباجی سے نہیں لڑ سکتا۔ تم میرے لئے دعا کیا کرو۔"

یوسف یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

تین ہفتے بعد امینہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ برآمدے سے ماں کی آواز آئی:

"امینہ بیٹی! ادھر آؤ۔ تمہارا خط آیا ہے۔"

امینہ اٹھ کر ماں کے پاس گئی۔ تو اس نے تپائی پر پڑی ہوئی ڈاک میں سے اسے ایک لفافہ دکھاتے ہوئے کہا: "بیٹی تمہارا ایڈریس کسی نے بڑے ادب اور احترام سے لکھا ہے ___ محترمہ امینہ صاحبہ۔ بوساطت جناب عبدالکریم صاحب ___ تمہاری پرانی سہیلیوں کا خط میں پہچانتی ہوں یہ کوئی نئی لگتی ہے۔"

امینہ نے خط لے کر کھولا۔ اور دل میں تیز دھڑکنیں محسوس کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور صوفہ پر بیٹھ کر خط پڑھنے لگی۔ یہ یوسف کا خط تھا اور اس نے لکھا تھا:

"میں یہ خط اس یقین اور اعتماد کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔ اس لئے میں یہ بھی کبھی نہیں چاہوں گا۔ کہ آپ میرے متعلق کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا رہیں۔ آج خط لکھنے کی بجائے سیدھا مجھے آپ کے گھر آنا چاہیے تھا، لیکن پچھلے دنوں میں ایسے حالات سے گزرا ہوں۔ کہ مجھے آپ اور آپ کے والدین کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ میں عنقریب لاہور چھوڑ رہا ہوں اور شاید ایک طویل مدت کے لئے مجھے باہر رہنا پڑے۔ جانے سے پہلے میں وہ تمام باتیں لکھ بھیجوں گا۔ جو اس وقت بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اگر میں نے یہ خط بذریعہ ڈاک بھیجنا مناسب نہ سمجھا تو میرے دوست منظور صاحب جو مجھے بھائی کی طرح عزیز ہیں۔ بذاتِ خود حاضر ہو کر آپ کو میرا خط پہنچا دیں گے۔ فی الحال یہ مختصر سا خط لکھنے سے آپ کو یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ میں خلوص دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں اور یہ پیغام دینا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے اپنی زندگی کے ایک نازک مرحلہ میں اپنے ہر بہی خواہ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

اپنے ابا اور امی جان کو میرا مودبانہ سلام پہنچا دیجیئے۔ اگر وہ کسی بات پر مجھ سے ناراض ہوں۔ تو مجھے امید ہے کہ آپ ان کا غصہ دور کر سکیں گی ـــــ والسلام"

امینہ نے خط بند کر کے الماری میں رکھ دیا اور ماں کو آواز دی: "امی جان ذرا ادھر آیئے۔"

ماں اندر آئی اور اس نے کہا:

"امی جان اگر میں یہ کہوں کہ وہ خط یوسف صاحب کا تھا۔ تو آپ کو یقین آجائیگا؟"

"ارے بیٹی مجھ سے زیادہ خوشی کس کو ہو سکتی ہے؟"

"امی جان! آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گی کہ میں یوسف صاحب کا حال پوچھ آؤں؟"

"بیٹی اس کا حال پوچھنے کے لئے ہم سب کو جانا چاہیئے۔ تمہارے ابا آجائیں گے تو ہم فوراً چل پڑیں گے۔"

"نہیں امی جان اگر آپ مجھے بے وقوف نہیں سمجھتیں تو مجھے اسی وقت اجازت دیجئے۔ میں فضل دین کے ساتھ انہیں تلاش کروں گی۔ امی جان میں اُن کے خط سے یہ اندازہ لگا سکتی ہوں کہ جو بات وہ مجھے کہنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی اور سے نہیں کہیں گے۔ فضل دین کو یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہو سکتے ہیں۔"

"بیٹی میں نے تمہیں منع تو نہیں کیا۔ اور تمہارے ابا جان بھی تمہیں منع نہیں کریں گے۔ اگر فضل دین یوسف کو تلاش کر سکتا ہے تو تمہیں فوراً جانا چاہیئے۔ تم تیار ہو کر نکلو میں فضل دین کو بلاتی ہوں۔"

"امی جان اسے کہیں کہ ڈرائیور کو بھی بلا لے۔"

ماں نے باہر نکلتے ہوئے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ تم مجھ سے زیادہ عقلمند ہوتی جا رہی ہو۔"

ایک گھنٹہ بعد یوسف منظور سے باتیں کر رہا تھا کہ دین محمد بھاگتا ہوا اوپر آیا۔ اور اس نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا:

"جی فضل دین آیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ سڑک پر آپ کے مہمان کھڑے ہیں۔"

یوسف نے جلدی سے اٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے کہا: "منظور مجھے خط لکھتے وقت ہی یہ احساس تھا کہ وہ میرا پتہ کریں گے۔ لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی۔ کہ خط ملتے ہی میری تلاش شروع ہو جائے گی۔ شاید میں کافی دیر لاپتہ رہا ہوں۔ اگر مناسب سمجھو تو میرے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لئے سڑک تک آجاؤ۔"

پھر نیچے آکر منظور کے ساتھ سڑک کی طرف چلتے ہوئے اس نے فضل دین

سے پوچھا: "کیا چچی اور میاں صاحب دونوں آئے ہیں ؟"

"جی نہیں۔ صرف چھوٹی بی بی آئی ہیں۔ اور میاں صاحب گھر میں نہیں تھے ورنہ بڑی بی بی بھی آجاتیں۔ وہ کسی خط کی وجہ سے پریشان تھیں۔"

یوسف نے سڑک پر پہنچ کر گلی سے چند قدم پیچھے امینہ کو کار میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ڈرائیور کار سے باہر کھڑا تھا۔ امینہ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ اور اس نے اپنا بیشتر چہرہ سفید چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔

منظور نے دبی آواز میں کہا: "یوسف تم جاؤ اور اطمینان سے ان کے ساتھ بات کرو۔"

یوسف نے اس کا بازو پکڑ کر کہا: "یار بے وقوف نہ بنو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

پھر وہ جلدی سے امینہ کے قریب پہنچ کر بولا:

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ اتنی گرمی میں تکلیف اٹھائیں گی۔ تو میں خط لکھنے کی بجائے خود آپ کے گھر پہنچ جاتا۔"

"جی میں نے آپ کا خط پڑھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ مجھے فوراً آپ کا حال پوچھنا چاہیے اور آپ کو اچھی حالت میں دیکھ کر مجھے گرمی کا احساس نہیں رہا۔"

یوسف نے منظور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ میرے دوست منظور صاحب ہیں۔"

منظور نے ایک قدم آگے بڑھ کر السلام علیکم کہا۔ اور امینہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: "میں منظور صاحب کو جانتی ہوں اور مجھے اِن سے ایک گِلہ بھی ہے۔"

منظور بولا: "مجھے یقین ہے کہ اس گرمی کے باوجود میں آپ کا گلہ دور کر سکوں گا۔"

"نہیں منظور صاحب میں آپ سے جھگڑنے نہیں آئی، لیکن آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ یوسف صاحب اس دنیا میں تنہا ہیں۔ اور ان کا کوئی بھی خواہ ان کی تکلیف میں حصہ دار نہیں بن سکتا۔ ان کا چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ بیمار رہے ہیں اور ہمیں اطلاع تک

نہیں دی گئی۔"

منظور نے کہا: "جی اس سوال کا جواب یوسف صاحب زیادہ بہتر دے سکیں گے —— کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ یہاں دھوپ میں باتیں کرنے کی بجائے آپ یوسف صاحب کو اپنے گھر لے جائیں۔ اور وہاں انہیں کھانا کھلائیں اور اطمینان سے باتیں بھی کریں مجھے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ میرے متعلق شاید آپ کے خیالات بدل جائیں گے۔"

امینہ بولی: "کھانا تو ابھی میں نے بھی نہیں کھایا۔ یوسف صاحب چلیں گے آپ ہمارے گھر؟"

یہ کہہ کر امینہ نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ یوسف کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور فضل دین اور ڈرائیور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اور امینہ نے کار چلا دی۔

نصف گھنٹہ بعد یوسف، امینہ، اس کی والدہ اور اس کے بھائی علی اکبر کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران گفتگو رسمی باتوں تک محدود رہی پھر یوسف نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا:

"نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں یہ فرض پورا کرنے کے بعد اطمینان سے باتیں کروں گا۔"

امینہ نے اٹھتے ہوئے کہا: "میں ساتھ والے کمرے میں جائے نماز بچھا دیتی ہوں آپ وہیں غسل خانے سے وضو کر لیجیے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف نماز پڑھ رہا تھا۔ اور امینہ سرگوشی کے انداز میں اپنی ماں سے کہہ رہی تھی۔

"امی جان! آپ جا کر آرام کریں۔ یوسف صاحب مجھ سے کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جو آپ کے سامنے نہیں کہہ سکتے —— علی اکبر کو بھی ساتھ لے جائیں —— میں یہیں نماز پڑھ کر انہیں روک لوں گی۔ اور اگر کوئی خاص بات ہوئی تو انہیں آپ

کے کمرے میں لے آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹی، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری کسی بات پر ناراض ہو جائیں۔"

"امی وہ ناراض ہونے کے لئے یہاں نہیں آئے۔ ان کی بات کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔ اس میں عقل ضرور ہو گی۔"

"اچھا بیٹی، میں بھی اپنے کمرے میں جا کر نماز پڑھتی ہوں۔ اور تمہارے لئے دعا کرتی ہوں ـــــ علی اکبر تمہیں یوسف صاحب بہت پسند ہیں نا؟"

"جی امی جی، میں اُن کے لئے بہت دُعا کیا کرتا تھا کہ وہ تندرست ہو جائیں۔"

امینہ نے کہا۔ "آہستہ بولو۔ اور امی جان کے ساتھ جا کر نماز پڑھو۔"

علی اکبر نے جواب دیا۔ "آپا جی میں نماز پڑھ کر یہ دعا کروں گا۔ کہ بھائی جان یوسف ہم سے کسی بات پر ناراض نہ ہو جائیں۔"

وہ ماں کے ساتھ چلا گیا۔ امینہ اپنے کمرے سے وضو کر کے جائے نماز لائی۔ اور کمرے کے ایک کونے میں بچھا کر نماز کے لئے کھڑی ہو گئی۔

اس نے نماز ختم کر کے بائیں طرف دیکھا تو یوسف ساتھ والے کمرے کے دروازے کے قریب تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔

امینہ نے کہا۔ "آپ اسی کمرے میں بیٹھ جائیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

یوسف واپس چلا گیا۔ اور ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے کی بجائے ٹہلنے لگا۔ پانچ منٹ بعد امینہ شربت کا ایک جگ اور گلاس اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور تپائی پر رکھتے ہوئے بولی:

"میرا خیال ہے آپ پیاس محسوس کر رہے ہوں گے۔ تشریف رکھئے۔ اور ٹھنڈا شربت پینے کے بعد اطمینان سے بات کیجئے۔"

اُس نے گلاس بھر کر یوسف کو پیش کر دیا۔ یوسف نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا:

"آپ نہیں پئیں گی؟"

"میں ٹھنڈے پانی کے دو گلاس پی کر آئی ہوں۔ اور اب میں اطمینان سے آپ کی ہر بات سُن سکتی ہوں۔"

امینہ یہ کہہ کر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف شربت پی کر خالی گلاس تپائی پر رکھنے لگا تو امینہ نے جلدی سے جگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور لیجئے۔"

یوسف نے کہا۔ "آپ اطمینان سے بیٹھی رہیں۔ جب میں اپنی بات ختم کر دوں گا۔ تو یہ جگ بھی ختم ہو جائے گا۔"

امینہ نے ہنس کر سر جھکا لیا۔ یوسف نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا:

"امینہ آپ اتنی اچھی ہیں۔ کہ مجھے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔"

امینہ بولی۔ "یوسف صاحب اگر آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔ تو میں کسی حالت میں بھی آپ کی نظر میں بُری بننے کی کوشش نہیں کروں گی۔ آپ کھُل کر بات کریں۔ ممکن ہے۔ آپ سے گفتگو کے بعد میں زیادہ اچھی نظر آنے لگوں۔"

یوسف نے گھُٹی ہوئی آواز میں کہا: "اب بات کرنا میرے لئے زیادہ دشوار ہو گیا ہے۔"

امینہ نے ایک ثانیہ کے لئے یوسف کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکاتے ہوئے کہا:

"یوسف صاحب میں آپ کی مشکل کو آسان بنانے کی کوشش کروں گی۔ آپ اپنی کوئی ایسی مجبوری بتانے کے لئے آئے ہیں۔ جو مجھے معلوم نہیں۔ یا آپ مجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی کے پروگرام میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ـــ اگر یہ بات ہے۔ تو بھی مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہو گا۔ میں اتنا سمجھ سکتی ہوں کہ اس دنیا کی ہر بات

میری مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی۔ میں اسے بھی قدرت کا احسان سمجھتی ہوں کہ میں آپ کو جانتی ہوں اور میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ مجھے آپ نے جو یقین اور اعتماد دیا ہے۔ وہ میری زندگی کا ایک قیمتی سرمایہ ہو گا۔"

یوسف نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولی: "آپ اتنے اچھے ہیں، لیکن معلوم نہیں میں اتنا کیوں ڈرا کرتی تھی شاید ڈاکوؤں کے ساتھ آپ کی لڑائی کے بعد آپ سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہو گئی۔"

"اری امینہ! تم سچ کہتی ہو کہ تم مجھ سے خوف کھاتی ہو؟"

"جی! میں یقین سے کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ ہر لحاظ سے بہت بڑے اور میں ہر لحاظ سے بہت چھوٹی ہوں۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "یہ جھوٹ ہے بہنیں کبھی چھوٹی نہیں ہوتیں۔"

"پھر وہ کیا ہوتی ہیں؟"

یوسف نے کہا: "بہنیں ضدی ہو سکتی ہیں، جھگڑالو ہو سکتی ہیں۔ عقلمند ہو سکتی ہیں، بے وقوف بھی ہو سکتی ہیں، لیکن وہ چھوٹی نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان کے اندر چھپی ہوئی مامتا انہیں چھوٹا نہیں ہونے دیتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں اپنی توقع سے زیادہ خوش قسمت ہوں، یوسف صاحب! اگر مجھے یہ اطمیان ہو جاتے کہ آپ کی شفقت کا ہاتھ ہمیشہ میرے سر پر رہے گا۔ تو میں اسے بھی ایک انعام سمجھوں گی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں، شکایت کے طور پر نہیں صرف اپنے دل کے اطمینان کے لئے۔"

"پوچھئے۔ میں سوال کے جواب کے ساتھ آپ کی شکایت بھی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یوسف صاحب! کیا آپ بتائیں گے کہ آخر وہ خوش نصیب کون ہے۔ جسے آپ کا قرب حاصل ہو گا؟"

یوسف نے جواب دیا: "اگر مجھے اپنے خواب کی تعبیر کا علم ہوتا، تو میں فوراً آپ کے سوال کا جواب دیتا، لیکن ابھی مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جسے آپ خوش نصیب سمجھتی ہیں اس کے اور میرے درمیان کتنے پہاڑ اور دریا حائل ہیں۔"

امینہ نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ کوئی پہاڑ اور کوئی دریا آپ کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی مرحلہ پر میں آپ کی مدد کر سکوں تو میں یہ سمجھوں گی کہ میں نے زندگی سے بہت کچھ پالیا ہے۔"

"مجھے صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

امینہ بولی: "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں اسے جانتی ہوں۔ وہ جالندھر سے تعلق رکھتی ہے اور بہت خوب صورت ہے۔"

"آپ کے دل کی گواہی غلط نہیں ہو سکتی، لیکن حالات نے ہمیں ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جس لڑکی کو میں جانتی ہوں۔ اس کے بارے میں میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔ کہ وہ آپ سے دور جا سکتی ہے۔"

یوسف نے کہا: "اس سے تو مجھے کوئی شکایت نہیں۔ مجھے صرف اپنے حالات سے شکوہ ہے۔ امینہ ان حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ کچھ عرصہ میں اپنے گھر سے دور رہوں۔ میں فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے ابتدائی مراحل سے گزر چکا ہوں۔ اور عنقریب میں کہیں دور چلا جاؤں گا۔ یہاں منظور سے بہتر میرا اور کوئی دوست نہیں۔ اور وہ وقت آنے پر میرے مسائل اور الجھنوں سے تمہیں آگاہ کر سکے گا۔ اب اگر آپ اپنی امی کو میرے اچانک چلے جانے کے لئے کوئی موزوں الفاظ سوچ سکتی ہیں تو میں نہیں

سے رخصت ہوتا ہوں۔ آپ کی جو تصویر پہلے میرے دل میں تھی۔ وہ آج اور بھی دلکش ہوگئی۔" یوسف اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور امینہ بھی اٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ یوسف بولا: "آپ نے کہا تھا کہ آپ کے سر پر میری شفقت کا ہاتھ ایک انعام ہوگا۔ آج رخصت ہوتے ہوئے میں آپ کے سر پہ دونوں ہاتھ رکھ کر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میرے ہاتھ تمام عمر آپ کے سر پہ رہیں گے۔ اور میں یہ دعا بھی کیا کروں گا۔ کہ مجھ سے آپ بھی اور علی اکبر بھی کسی مرحلہ پہ مایوس نہ ہوں۔ آپ نے ایک دن علی اکبر کی تعلیم کے بارے میں اپنی کچھ پریشانی ظاہر کی تھی۔ تو میں منظور سے بات کر چکا ہوں چونکہ میں اچانک چلا جاؤں گا۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ منظور سے آج ہی فیصلہ کر لیا جائے فضل دین کو اپنے ڈرائیور کے ساتھ میری طرف سے یہ رقعہ دے کر بھیج دیں کہ منظور صاحب پانچ بجے تک یہاں پہنچ جائیں، ابھی نہیں انہیں چار بجے کے بعد بھیج دیں، میں آپ سے کئی اور باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ آپ کے دل میں میری قدر نہ رہے۔ مجھے سندھ سے لاہور پہنچتے ہی آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔ لیکن رات ہوچکی تھی اور مجھے کافی دیر منظور صاحب کے پاس رکنا پڑا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے گھر پہنچتے ہی آپ کو اطمینان سے خط لکھوں گا۔ اور علی الصباح منظور صاحب کو آپ کے پاس بھیج دوں گا، لیکن گھر پہنچ کر میں زہر آلود کھانے کے دو نوالے کھاتے ہی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہوگیا تھا۔"

امینہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "چراغ بی بی نے آپ کو زہر دے دیا تھا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔

یوسف بولا: "لیکن اب یہ بات کسی اور کو معلوم نہیں ہونی چاہیئے۔ میں نے دو لقمے کھاتے ہی اپنے اندر ایک آگ سی محسوس کی تھی اور پانی کی پوری صراحی بھی پی گیا تھا۔ ساتھ ہی مجھے قے آنی شروع ہوئی اور میرا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔"

امینہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اور سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا: "میں سوچ رہی تھی کہ آپ نے چراغ بی بی کا گلا گھونٹ ڈالا ہوگا۔"

یوسف بولا: "شاید میں اتنا نڈھال ہوچکا تھا کہ زہر کے ساتھ میرا غصہ بھی ختم ہوچکا تھا۔ اور میں نے اسے اس لئے معاف کر دیا تھا کہ اس نے اپنے جرم پر رونا شروع کر دیا تھا اور آئندہ کے لئے توبہ کی تھی۔"

"نہیں بھائی جان یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اگر مجھے فوراً خبر مل جاتی تو میں اسی وقت آپ کے گھر پہنچتی اور چراغ بی بی کا گلا گھونٹ دیتی۔"

"چپ رہنے کی وجہ بھی یہی ہوسکتی ہے کہ میں کیسے یہ گوارا کر سکتا تھا کہ ایک بے وقوف سی عورت کے لئے کوئی اپنی زندگی خطرے میں ڈال دے، لیکن تمہاری اور تمہارے گھر کی سلامتی کے لئے ہمیشہ سوچتا رہا ہوں —— میرے پاس آپ کی حفاظت کے لئے منظور صاحب جیسا آدمی موجود ہے۔ وہ تعلیم میں آپ اور علی اکبر دونوں کی مدد کر سکے گا۔ لیکن وہ کوئی معاوضہ لینے کے لئے رضامند نہیں ہوگا۔ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔"

امینہ بولی۔ "لیکن معاوضہ انہیں ضرور لینا پڑے گا۔"

یوسف بولا: "لین دین کے مسئلہ میں تمہارے اباجی ہم سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ منظور کو رضامند کرنے کا کوئی راستہ نکال لیں گے۔ جب آپ منظور کو اچھی طرح جان لیں گی۔ تو آپ کو اس میں بہت سی خوبیاں نظر آئیں گی۔"

"میں یہ سمجھ سکتی ہوں کہ ایک معمولی آدمی آپ کے دل سے اتنا قریب نہیں ہوسکتا۔"

بھٹکا ہوا مسافر

یوسف اور منظور لاہور ریلوے اسٹیشن پر کھڑے رد ہڑی کی طرف سے آنے والی گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ گاڑی عین وقت پر آئی۔ احمد خان انہیں فرسٹ کلاس کے ڈبے سے اُترتا دکھائی دیا۔ یوسف بھاگ کر اس سے بغلگیر ہوا۔ اور منظور کا تعارف کرواتے ہوئے بولا:

"خاں صاحب یہ میرے دوست منظور احمد ہیں۔"

احمد خان نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "بھائی میں پہلے بھی انہیں تمہارے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔ آج کل دنیا میں بہت کم ایسے لوگ رہ گئے ہیں۔ جو اپنے دوستوں کی پریشانیوں میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں —— یوسف! تمہاری صحت کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی —— تم ٹھیک تو ہو نا؟"

"جی ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور آپ کی اِس شفقت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تو مجھے الفاظ ہی نہیں ملتے کہ آپ نے میرا خط پڑھتے ہی اپنی آمد کا تار بھیج دیا تھا۔"

"بھئی مجھے یہ بتاؤ کہ اب دہرہ دُون سے تمہیں کال کب آئے گی؟"

"جی وہ تو پرسوں مِل گئی تھی۔"

"یار یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مجھے لاہور کی گرمی میں رُکنا نہیں پڑے گا —— کب تک حاضری ہے تمہاری؟"

"جی مجھے تئیس جُون کو حاضر ہونے کا آرڈر آیا ہے۔"

"بس پھر آج ہی تم تیاری کر لو۔ اور کل ہم دہرہ دون روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے خان محمد کو گرمیوں کی چھٹیوں میں گھر بلانے کی بجائے ایک دوست کی معرفت مسوری کے ایک ہوٹل میں ٹھہرانے کا انتظام کر دیا تھا۔ میرا ایک دوست دہرہ دون میں کاروبار کرتا ہے اور اس نے اس بات کا ذمہ بھی لیا ہے کہ جب میں مسوری پہنچوں گا تو ایک مکان بھی کرایہ پر مل جائے گا۔ ویسے مجھے اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم نے یکایک فوج میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

"خاں صاحب جب آپ ساری باتیں سُنیں گے۔ تو آپ کو تعجب نہیں ہوگا فلیٹی ہوٹل میں آپ کے لئے ایک کمرہ لے لیا ہے اور مجھے تنہا دہرہ دون جانے کی بجائے آپ کی رفاقت میں سفر کرنے سے زیادہ خوشی ہوگی۔"

"بھئی جب تک کسی سنٹر سے تمہاری فائنل کال نہیں آجاتی تم مسوری میں ہمارے ساتھ رہو گے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ خان محمد تم سے کچھ سیکھ جائے ہم دہرہ دون کے ہیڈ کوارٹر میں تمہارے لئے مسوری کا پتہ لکھوا دیں گے۔ اب چلو باقی باتیں ہم ہوٹل میں پہنچ کر کریں گے۔"

یوسف نے کہا: "خاں صاحب ٹھہریں گے تو آپ ہوٹل میں، لیکن کھانا آپ کو منظور صاحب کے ہاں کھانا پڑے گا۔ ان کا مکان تو آپ کے شایانِ شان نہیں مگر ان کا باورچی بہت اچھا کھانا پکاتا ہے۔"

احمد خان نے کہا: "بھئی تمہارے دوست کا باورچی اگر اچھا کھانا نہ بھی پکاتا ہو تو بھی مجھے بہت اچھا محسوس ہوگا، لیکن میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ ہم اسٹیشن سے نکلنے سے پہلے کل کے لئے دہرہ دون کی سیٹوں کی بکنگ کرا لیں۔"

اگلے روز وہ دہرہ دُون کا رُخ کر رہے تھے۔

یوسف نے اپنے لئے نچلے درجہ کا ٹکٹ لینے کی بہت کوشش کی تھی، لیکن احمد خان نے بضد ہو کر اپنے ساتھ اُس کا ٹکٹ خرید لیا تھا اور یوسف کو قائل کرنے کے لیے اس کی آخری دلیل یہ تھی۔

"دیکھو یوسف اگر تم نے اپنے گھر سے تار اور خط آنے کے بعد اچانک لاہور پہنچنے کا فیصلہ نہ کر لیا ہوتا، تو میں آپ سے یہ کہنے والا تھا۔ کہ میں آپ کو اپنے سیکرٹری اور خان محمد کے اتالیق کی حیثیت سے معقول تنخواہ دے سکتا ہوں اور اب آپ کو دیکھتے ہی میرے دل میں امید پیدا ہو گئی ہے کہ آپ میری تجویز کو ردّ نہیں کریں گے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب تک آپ کسی اور کام پر نہیں لگ جاتے تو آپ میرے ساتھ رہیں گے۔ اور جس کلاس میں میں اور خان محمد سفر کریں گے۔ آپ کو بھی اسی کلاس میں سفر کرنا پڑے گا۔ اور آپ کو لکھنے پڑھنے کے لئے تمام سہولتیں مہیا کرنا بھی میری ذمہ داری ہوگی۔"

لاہور سے امرتسر تک یوسف احمد خان سے باتیں کرتا رہا۔ جب گاڑی امرتسر سے روانہ ہوئی تو وہ اچانک خاموش ہو گیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا ــــ احمد خان اخبار اٹھا کر پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اخبار سے اکتا کر اُس نے ایک کتاب اٹھائی۔ اور یوسف سے مخاطب ہو کر کہا:

"بھئی یوسف تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

"جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"نہیں یار کوئی بات ضرور ہے تم مغموم نظر آتے ہو۔"

"کوئی خاص بات نہیں خان صاحب۔ مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ زندگی کی جو منازل کئی برس سے میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ میں ان سے دُور جا رہا ہوں۔ اور اس کے باوجود

میں اس امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا کہ یہ ایک نیا راستہ جس پر حالات نے مجھے اچانک چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بالآخر مجھے اپنی اہم ترین منزل تک لے جائے گا۔"

"بھائی یوسف میری بات غور سے سنو۔ تم ایک اچھے سوار ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ جب سوار راستہ بھول جاتے تو عقل کی بات یہی ہوتی ہے کہ وہ گھوڑے کو اپنی مرضی پر چھوڑ دے۔ پھر گھوڑا اُسے کسی بستی کے بہترین آدمی کے گھر تک پہنچا دیتا ہے۔"

یوسف کچھ دیر خاموش رہا۔ اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ جب گاڑی جالندھر کے اسٹیشن سے گزر رہی تھی۔ تو اس نے دونوں بازو کھڑکی پر رکھتے ہوئے اپنی پیشانی دونوں ہاتھوں پر اس طرح رکھ دی کہ اس کا چہرہ احمد خان کی نظروں سے چھپ گیا۔ احمد خاں کچھ دیر ایک کتاب کے ورق الٹتا رہا۔ پھر اس نے کہا:

"بھائی یوسف تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

یوسف نے آہستہ سے گردن اٹھائی تو احمد خان کو محسوس ہوا۔ کہ وہ آستین سے اپنے آنسو پونچھ رہا ہے۔

"کیا ہوا تھا یوسف؟" احمد خان نے شفقت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں خاں صاحب۔ میں اپنی عقل کے گھوڑے کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے کی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں۔ لیکن وہ بہترین گھر جسے تلاش کرنے کی مجھے امید ہو سکتی تھی۔ پیچھے رہ گیا ہے۔"

"بھائی یوسف اگر تم اس قدر آزردہ ہو تو ہم سو بار جالندھر آ سکتے ہیں۔ اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ میرا ایک بھائی وہیں ڈیرہ ڈال لے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ بہت اچھے ہوں گے اور تمہاری دل آزاری نہیں کریں گے۔"

"خان صاحب وہ یقیناً بہت اچھے لوگ ہیں۔ لیکن مجھے ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے کئی بے نشان راستوں سے گزرنا پڑے گا ــــ بے نشان اور تاریک

راستوں پر! لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ ایک روشنی خواہ کس قدر دھندلی ہو جائے۔
اپنے مستقبل کے متعلق میرے یقین اور اعتماد میں کمی نہیں آنے دے گی ـــــ خانصاحب
راستہ خواہ کتنا دشوار ہو۔ میں چلتا رہوں گا۔ اس وقت تک چلتا رہوں گا۔ جب تک کہ
ہمارے راستے کسی موڑ پر مل نہیں جاتے۔"

احمد خاں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: "یوسف بھائی! میں اللہ سے دعا کیا کروں
گا۔ کہ تمہارے راستے بہت جلد مل جائیں۔ اور میں تمہاری اور اس نیک بیٹی کی خوشیاں اپنی
زندگی میں ہی دیکھ لوں۔ جس کے تصور سے تمہارے چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ میرے
بھائی اگر تمہیں سفر کے کسی مشکل مقام پر سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں یہ وعدہ
لینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے آواز ضرور دو گے"۔

"خان صاحب! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ ضرورت کے وقت آپ مجھ سے
اتنی دور نہیں ہوں گے کہ مجھے آواز دینے کی ضرورت پیش آئے۔"

دہرہ دون کے اسٹیشن پر اُن کا خیر مقدم کرنے کے لئے ایک سندھی تاجر سیٹھ
جمنا داس وہاں موجود تھا۔ اس نے احمد خان کو ادب سے سلام کرنے کے بعد اطلاع دی:
"جناب فی الحال ایک ہوٹل میں آپ کے قیام کا انتظام ہو چکا ہے، مکان آپ کو اسی ہفتے
مل جائے گا۔ میں نے مالک مکان کو چھ ماہ کا پیشگی کرایہ دے دیا ہے۔ کل اس کی مرمت
اور رنگ روغن کا کام شروع ہو چکا ہے۔ جس ٹھیکیدار کو مالک مکان نے یہ کام سونپا ہے
اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ پانچ دن تک یہ کام مکمل کرے گا اور چھٹے روز آپ
وہاں جا سکیں گے۔ پرسوں خان محمد کو چھٹیاں ہو جائیں گی اور میں انہیں آپ کے پاس پہنچا
دوں گا باہر آپ کے لئے ٹیکسی کھڑی ہے اور میں آپ کو مسوری پہنچا کر واپس آجاؤں گا۔"

مسوری برصغیر کے صحت افزا مقامات میں سے ایک انتہائی خوب صورت شہر تھا۔

اس کے نشیب و فراز میں حدِ نگاہ تک قدرت کے دلکش مناظر پھیلے ہوتے تھے۔ موسم
گرما میں دور دراز سے خوش حال لوگ وہاں آتے تھے اور شہر کے نچلے حصے سے لے کر
بالائی حصے تک وہ عام سڑکیں جن پر صرف پیدل چلنے کی اجازت تھی۔ ان لوگوں سے بھر
جاتی تھیں۔ جو اپنی صورتوں کے ساتھ نئے نئے قیمتی ملبوسات کی نمائش کے لئے وہاں
آتے تھے۔

احمد خان نے جس ہوٹل میں قیام کیا اس کے ساتھ دو سینما گھر تھے جن کے ہر روز
تین شو ہوتے تھے۔ یوسف دوپہر کا کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ سینما گھروں میں
گانے شروع ہو گئے۔ نماز ختم کرنے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن سینما گھر لاؤڈ سپیکروں
کی مدد سے اتنا شور پیدا کر رہے تھے کہ اس کے لئے اخبار پڑھنا بھی مشکل ہو گیا۔ احمد خان
گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ یوسف نے اٹھ کر جوتے پہنے اور منیجر کے دفتر میں
جا کر کہا: "میں سیر کے لئے جا رہا ہوں اور شام تک سیٹھ جمنا داس کا ایک نوکر خان صاحب
کی خدمت کے لئے پہنچ جائے گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک ایک قابلِ اعتماد
بیرا خان صاحب کے دروازے پر موجود رہے۔" منیجر نے کہا: "جناب آپ مطمئن رہیں
ہمیں معلوم ہے کہ خانصاحب ایک بڑے آدمی ہیں۔"

"ہاں سیٹھ صاحب! وہ جس قدر بڑے ہیں۔ اسی قدر شریف ہیں۔"

منیجر بولا۔ "بھائی صاحب سیٹھ جمنا داس ہمیں ان کے متعلق بہت کچھ بتا چکے ہیں
آپ مطمئن رہیں۔ میں خود ان کا خیال رکھوں گا، آپ مزے سے سیر کریں!"

یوسف نے بلندی کی طرف جانے والی سڑک کا رخ کیا اور ایک گھنٹہ بعد وہ مسوری
کے بلند ترین مقام پر کھڑا تھا۔ یہاں سے نیچے کی طرف ایک گنجان جنگل دکھائی دیتا
تھا۔ وہ ایک پگڈنڈی پر جا رہا تھا کہ اچانک ایک درخت دیکھ کر رک گیا جو اس کے
گاؤں کے قریب پر دیسی درختوں سے گہری مشابہت رکھتا تھا۔ اس کے پتے اور اس

کی شاخیں اُسی طرح تھے ۔ لیکن فرق صرف یہ تھا کہ اس کا قد بہت چھوٹا تھا ۔ اس نے ایک شاخ پکڑ کر کھینچی تو وہ اُسی طرح ٹوٹ گئی جیسے پردیسی درختوں کی بے لچک شاخیں ٹوٹ جایا کرتی تھیں ۔ پھر وہ قریباً نصف گھنٹہ جنگل میں ادھر ادھر دیکھتا رہا ، لیکن اسے کوئی اور ایسا درخت نظر نہ آیا ۔ دوبارہ چوٹی پر جا کر اس نے عصر کی نماز ادا کی اور پھر واپس چل دیا ۔ سڑک کا پر رونق حصہ شروع ہو چکا تھا ، لیکن اس نے کسی جگہ رک کر دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا ——" میں ایک چھوٹا سا پردیسی درخت ہوں جو اپنے قافلے سے بچھڑ کر بہت دور پہنچ گیا ہے ۔ اور بونے درخت کی طرح میرے لئے واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں ۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی یوسف کے لئے یہ امید ایک بہت بڑا سہارا ہوا کرتی تھی کہ بخواہ کتنی دور چلا جاؤں میرے لئے واپسی کے راستے بند نہیں ہوں گے ۔ قدرت کا کوئی معجزہ مجھے کسی دن اِن لوگوں کے دروازے تک پہنچا دے گا جن کے بغیر میں زندگی کا تصور نہیں کر سکتا ! لیکن آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ مایوسیوں کے تاریک سائے آہستہ آہستہ گہرے ہوتے جائیں گے ۔ پھر جب وہ کافی دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد اذان سن کر ایک مسجد میں داخل ہوا تو نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے بے اختیار رو پڑا اور پھر ہولے ہولے سسکیاں لیتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا :

"یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ۔ اگر میری آزمائش شروع ہو چکی ہے تو میں تجھ سے صبر اور حوصلے کا طلب گار ہوں ۔ میرے اللہ مجھے کسی ایسی آزمائش میں نہ ڈالیو ، جس میں میں پورا نہ اتر سکوں ، میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زمانے کی ٹھوکریں مجھے تیری رحمت سے مایوس نہ کر دیں ، اے تھکے ہارے لوگوں کی دعائیں سننے اور انہیں قبول کرنے والے ! میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں ۔ یا اللہ ! اُن نیک انسانوں پر کرم فرما جو انتہائی بیچارگی کے عالم میں میرے لئے زندگی کا بہت بڑا سہارا بن گئے تھے ۔ میرے اللہ ! میں جن مقصد کے لئے زندہ رہنا چاہتا تھا ان سے منہ پھیر کر زندگی کا ہر سانس میرے لئے ایک عذاب

بن جائے گا ۔ میں اس عذاب کے خوف سے تیری پناہ مانگتا ہوں "۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ احمد خان کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھتے ہی کہا :

"بھائی یوسف ! آپ نے ہمیں بہت پریشان کیا ، بیٹھ جاؤ ۔ آپ کہاں چلے گئے تھے "۔

" خان صاحب ! میں سیر کے لئے نکلا تھا اور کافی دور چلا گیا تھا "۔

" میرے بھائی میں تمہارا چہرا دیکھ کر تمہارے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا لیا کرتا ہوں ابھی میں تمہارے لئے دعا مانگ رہا تھا ۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تم جیسے نیک انسانوں کو دیر تک پریشان نہیں چھوڑے گا ۔ تاریک راستوں پر چلتے ہوئے گھبراہٹ ضرور ہوتی ہے ، لیکن کسی وقت اچانک تم یہ دیکھو گے کہ سورج تاریک بادلوں سے نکل آیا ہے اور تمہاری دنیا چکا چوند ہو رہی ہے ۔ میرے بھائی ! ہمت اور حوصلے سے کام لو ۔ تمہارا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو حل نہ ہو سکے ۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ جب ضرورت پڑے گی میں خود ان لوگوں کے پاس جاؤں گا جن کے تصور سے تمہارے سارے غم دور ہو جاتے ہیں ۔ اگر ضرورت پڑے تو میں تمہارے والد کے پاس بھی جاؤں گا تم جیسے آدمی کا باپ کبھی یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اس کا بیٹا زندگی سے مایوس ہو جائے "۔

یوسف نے کہا : " خان صاحب ! آپ بہت نیک ہیں اور آپ کی باتیں سن کر میں پُر امید ہو جاتا ہوں "۔

احمد خان نے ہنستے ہوئے کہا : " میرے بھائی تم اتنے نیک ہو کہ تمہیں میری باتیں سنے بغیر بھی مطمئن رہنا چاہیئے "۔

عبدالعزیز ایک ہفتہ دورے کے بعد جھنگ واپس آیا ۔ وہ رات آٹھ بجے کے قریب اپنے دفتر میں ضروری ڈاک دیکھنے اور چند جوابات لکھوانے کے بعد اٹھا ، لیکن دفتر سے باہر نکلتے ہی اسے اردلی نے آکر آواز دی : " جناب لاہور سے آپ کا فون آیا

ہے۔ شاید بیگم صاحبہ کی آواز تھی۔" عبدالعزیز واپس مڑا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ریسیور اٹھا کر بلقیس سے گفتگو کر رہا تھا۔

بلقیس کہہ رہی تھی۔ "جی مَیں نے تین بار آپ کو گھر میں فون کیا تھا اور دُوسری مرتبہ دفتر میں فون کر رہی ہوں۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "میرا دورہ زیادہ طویل ہو گیا تھا اور تھکاوٹ کی وجہ سے آج دفتر بھی ذرا دیر سے پہنچا تھا، لیکن آپ کی آواز میں گھبراہٹ مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ آپ اطمینان سے بات کریں۔"

بلقیس نے کہا: "جی اپنی حماقتوں کا ذکر کرتے ہوئے مجھے اطمینان کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ گزشتہ حماقتوں سے کسی بڑی حماقت کا ذکر کرنا چاہتی ہیں؟"

"جناب میری گفتگو اسی حماقت سے تعلق رکھتی ہے۔ جب میں نے یوسف کو دُھتکار کر گھر سے نکالا تھا تو مجھے جلد ہی یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اسے موقع نہ دیا۔ اس کے یہ الفاظ دیر تک میرے کانوں میں گونجتے رہے۔ "چچی جان آپ کی یہ باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں لیکن کسی دن آپ یہ باتیں یاد کیا کریں گی تو آپ کو زیادہ تکلیف ہوا کرے گی۔" میں بھاگ کر اسے آواز دینا چاہتی تھی لیکن وہ جا چکا تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیگم صاحبہ! یہ بات میں پہلے بھی سُن چکا ہوں، میں یہ بھی سُن چکا ہوں کہ آپ روئی بھی تھیں اور آپ نے اگلے روز اسے تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی، لیکن وہ اپنے دوست منظور احمد کے ساتھ کہیں غائب ہو چکا تھا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یوسف کے یکایک کہیں غائب ہو جانے کی وجہ سے اس کے والد بہت پریشان ہیں۔ پھر آپ کو عبدالکریم کے گھر سے بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اور میں نے آپ کو ٹیلی فون پر یہ تسلی دی تھی کہ جس یوسف کو مَیں جانتا ہوں وہ ہمیں چھوڑ

کر کہیں نہیں جا سکتا۔"

بلقیس کہہ رہی تھی کہ "بعض معاملات میں میری پہلی سوچ عام طور پر غلط ہوتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ بعض اوقات آپ کی دوسری اور تیسری سوچ بھی غلط ہوتی ہے، لیکن اللہ نے آپ کو ایک خوبی دی ہے کہ آپ فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا کرتی ہیں۔ اطمینان رکھیئے جب یوسف یہ محسوس کرے گا کہ آپ کا غصہ دور ہو چکا ہے تو ہنستا ہوا آپ کے پاس آئے گا۔"

"جی میرا غصہ تو اسی وقت دور ہو چکا تھا، لیکن اس بات سے خوف محسوس کرتی ہوں کہ ہم ایک قابل فخر بیٹے کو ہمیشہ کے لئے کھو چکے ہیں۔"

"کیا ہوا اُسے اور آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"میں اس لئے رو رہی ہوں کہ مجھے بڑی دیر سے اطلاع ملی ہے کہ وہ کہیں چلا گیا ہے۔ امینہ نے اچانک مجھے فون کیا تھا کہ وہ لاہور چھوڑنے سے پہلے ان کے گھر آیا تھا۔ میں اسی وقت ان کے گھر پہنچی تھی اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں اسے غلط سمجھتی رہی ہوں۔ امینہ نیک اور معصوم لڑکی ہے۔ مجھے علیحدہ بٹھا کر اس نے ایک دلخراش واقعہ بیان کیا تھا اور گفتگو کے دوران وہ رو رہی تھی اور مجھ سے بار بار معذرت کرتی تھی کہ میں نے فوراً آپ کو یہ واقعہ اس لئے نہیں بتایا کہ یوسف صاحب مجھے یہ کہہ گئے تھے کہ جب چچی جان سے یہ باتیں ظاہر کرنے کا وقت آئے گا تو میں خط لکھوں گا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیگم صاحبہ خدا کے لئے مجھے یہ بتایئے کہ یوسف ٹھیک تھا؟"

"جی جس رات وہ میرے عتاب سے پریشان ہو کر گیا تھا اس کی سوتیلی ماں نے اسے زہر دے دیا تھا۔ منظور احمد اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اور اس نے کسی کو یہ معلوم نہ ہونے دیا کہ وہ کہاں ہے۔ جب وہ تندرست ہونے کے بعد منظور کی قیام گاہ میں آ گیا تو وہ اسے تلاش کر کے اپنے گھر لے گئی تھی اور اس نے یہ بتایا تھا کہ میرا گھر رہنا مشکل ہو

گیا ہے اس لئے میں کہیں جا رہا ہوں۔ امینہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اُسے فوج میں کپتانی حاصل کرنے کی امید ہے یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میں امینہ کی گفتگو سے پہلے اتنا بھی نہ سمجھ سکی کہ وہ یوسف کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور وہ دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر رخصت ہوا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں بھی آجانی چاہیئے تھی، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ فہمیدہ کے متعلق میرے جذبات کتنے نازک ہیں۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ کسی اور جگہ اس کی منگنی ہو جائے۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ سندھ سے واپسی پر وہ کسی اور کے پاس جانے سے پہلے سیدھا میرے پاس آیا تھا۔"

"بیگم صاحبہ! یقین جانیئے وہ اب بھی سیدھا ہمارے پاس آئے گا۔ ورنہ ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ یہ زہر والا واقعہ یقیناً تکلیف دہ ہے۔ مجھے اس کی پوری تفتیش کروانے کے لئے چند دن کی چھٹی لینا پڑے گی۔"

"لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں کو معاف کر دیا تھا۔ ورنہ یہ کیس اتنا مضبوط ہے کہ منظور احمد نے زہریلے کھانے کے متعلق کسی لیبارٹری سے رپورٹ حاصل کر لی تھی۔"

"ایسی صورت میں ہم یوسف کی رضامندی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔"

"جی اسی بات سے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ یوسف لاپتہ ہو گیا ہے۔"

"بیگم صاحبہ! اگر آپ نے اب بھی اُسے غور سے دیکھا ہوتا تو آپ یہ سوچ بھی نہ سکتیں کہ یوسف کہیں دور جا سکتا ہے۔"

"لیکن امینہ یہ کہتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے سارے پروگرام چھوڑ چکا ہے۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا: "بیگم صاحبہ آپ اس کے لئے دعا کیا کریں مجھے یقین ہے کہ زندگی کا ہر راستہ اسے کامیابی کی طرف لے جائے گا۔"

بلقیس نے قدرے توقف کے بعد کہا: "میں اس کے لئے ہر وقت دعا کیا کرتی ہوں

لیکن فہمیدہ کے متعلق میں بہت فکر مند ہوں۔"

"تمہیں فہمیدہ کے متعلق فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اسے زندگی کے ہر موڑ پر دکھائی دے گی۔ شاید یوسف کو گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے گر چکا ہے۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ کہ جو لوگ اس سے پہلے پیار کرتے تھے اب بھی وہ پیار کرتے ہیں۔"

بلقیس نے کہا: "ایک دفعہ اُس نے کہا تھا کہ بیٹا اگر رُوٹھے گا تو بھی ماں کے سوا اور کس کے پاس جائے گا۔ اب مجھے جس قدر یہ الفاظ یاد آتے ہیں اسی قدر اطمینان محسوس ہوتا ہے"

عبدالعزیز نے کہا: "دیکھو بلقیس ان حالات میں اس کو ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہاری دعائیں قبول ہوا کرتی ہیں۔"

احمد خان کا بیٹا خان محمد مسُوری پہنچ چکا تھا اور وہ ہر روز کبھی علی الصبح اور کبھی بعد از دوپہر ایک لمبی سیر کے لئے یوسف کا ساتھ دیا کرتا تھا۔ خان محمد ایک ذہین لڑکا تھا اور ہر سیر کے بعد وہ یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ یوسف کی گفتگو سے اس کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چوتھے روز وہ کرائے کے مکان میں جا چکے تھے اور یوسف نے باقاعدہ ایک پروگرام کے مطابق اسے پڑھانا شروع کر دیا تھا، استاد اور شاگرد کا یہ رشتہ بتدریج دوستی میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ جب یوسف خان محمد سے کسی دلچسپ موضوع پر گفتگو کیا کرتا تھا تو احمد خان بھی ان کے پاس بیٹھ جایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کہا: "یوسف صاحب میرا بیٹا بہت خوش قسمت ہے کہ اسے آپ جیسا استاد مل گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کے لئے کیا دعا کرتا ہوں۔"

"جی میں صرف یہ سمجھتا ہوں کہ آپ میرے لئے کوئی اچھی ہی دعا کرتے ہوں گے۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ اچھی ہے کہ بُری، بہرحال میری خواہش ہے کہ آپ جس کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں وہ آپ کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے قوم کے جوانوں کے لئے بہت اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینا ہے۔ اور یہ ایسے مقاصد ہیں جن سے منہ پھیر کر آپ خوش نہیں رہ سکتے۔ آج صبح جب آپ سیر پر گئے ہوئے تھے تو جمنا داس کے ساتھ دہرہ دون سے ایک پروفیسر بھی مجھے ملنے آیا تھا۔ میں نے آپ کی تعریف شروع کر دی تو اس نے کہا۔ امیر لوگوں کو اپنے بچوں کے لئے ہمیشہ اچھے استادوں کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر یوسف تین چار لڑکوں کو ٹیوشن دے سکیں تو ان کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب جو رقم آپ دیتے ہیں وہ بھی میری ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ میں جلد از جلد اپنی کتاب ختم کرنا چاہتا ہوں اور خان محمد کے سوا میرے پاس کسی اور کے لئے وقت نہیں ہے۔ مجھے اپنے مستقبل کے متعلق یہ اطمینان ہے کہ دو تین کتابیں لکھنے کے بعد میں رزق سے بے نیاز ہو جاؤں گا اور کسی تنخواہ کے بغیر آپ کی خدمت کر سکوں گا۔"

"بھئی مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو بہت زیادہ دے گا۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ کو معقول معاوضہ دینے سے ہمارے رزق میں کمی نہیں آئے گی، بلکہ جس قدر ہمارا دل کشادہ ہے اسی طرح ہمارا رزق کشادہ ہو گا۔"

یوسف نے کہا: "خان صاحب اگر میرے لئے آپ کی دعائیں قبول ہو جائیں تو مجھے اپنی زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔"

"بھائی مجھے یقین ہے کہ آپ کے لئے بہت سے لوگ دعائیں کرتے ہیں اور ان میں سے اللہ کا کوئی نیک بندہ ایسا ضرور ہو گا جس کی دعائیں قبول ہوں گی۔"

"خان صاحب میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

دُھند اور روشنی

تین ہفتے اور گزر گئے اور احمد خان یوسف کی ظاہری مسکراہٹوں کے باوجود یہ محسوس کرتا تھا کہ اسے اندر ہی اندر کوئی چیز کھائے جا رہی ہے۔ وہ رات کے وقت چند گھنٹے باقاعدہ لکھا کرتا تھا اور کبھی کبھی اس کے انہماک کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ تہجد کی نماز کے وقت اپنا کام چھوڑتا تھا۔ رات کی تنہائیوں میں اسے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ایک تسکین محسوس ہوتی تھی۔ ایک دن وہ عصر کی نماز کے لئے اٹھا تو فضا میں گھرے بادل تیر رہے تھے وہ مسجد سے نکل کر اس سڑک پر چل دیا جو بازار سے نکلتے ہی شروع ہو جاتی تھی اور پہاڑی کے گرد چکر لگانے کے بعد پھر بازار سے آملتی تھی۔ لوگ اس پرسکون سڑک کو کیمل بیک روڈ کہتے تھے اور اس کے دائیں جانب وہ کھڈ شروع ہو جاتی تھی جو اوپر کی جانب شہر کے بالائی حصے کے پہاڑ سے جا ملتی تھی اور دوسری طرف کشادہ ہوتے ہوتے دہرہ دون کی سرسبز وادی سے جا ملتی تھی۔ یوسف نے تھوڑی دیر چلنے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھا تو بالائی مسوری پر گہری دھند چھا رہی تھی وہ کنارے کے آہنی جنگلے پر ایک ہاتھ رکھ کر اپر مسوری کی طرف دیکھنے لگا۔ یہاں سے گہری دھند ایک عظیم آبشار کی طرح کھڈ میں اتر رہی تھی۔ چند منٹ کے اندر اندر یہ کھڈ اور اس کے ارد گرد کے تمام مناظر دُھند کے اندر غائب ہو چکے تھے۔ اور وہ چند قدم سے زیادہ دور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اچانک اسے اپنے قریب کسی لڑکے کی آواز سنائی دی۔

"آپا جان ذرا ادھر آ کر دیکھو: معلوم ہوتا ہے کہ سارا کھڈ دور دور تک روئی کے گالوں سے بھر گیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اس سفید اور خوب صورت بستر پر چھلانگ لگاؤں، میں نیچے کودنے لگا ہوں۔"

ایک لڑکی نے سڑک کے دوسرے کنارے سے بھاگ کر لڑکے کا بازو پکڑ لیا۔ اور اُسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی "شرم نہیں آتی تمہیں لوگوں کے سامنے اپنی بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "دیکھو بھئی اپنی بہنوں کو اس طرح پریشان نہیں کیا کرتے۔" لڑکی لڑکے کو چھوڑ کر یوسف کا بازو پکڑ کر چلائی: "آپا جان آپا جان۔ دیکھو یہ کون ہیں۔ جلدی آؤ۔ ورنہ بھائی جان بادلوں میں چھپ جائیں گے۔"

"نسرین! کون ہے؟" دوسری جانب سے کسی نے سوال کیا۔

ظہیر چلایا "آپا جان یہ بھائی جان یوسف ہیں۔"

فہمیدہ چند ثانیے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "آپ کہاں تھے؟ آپ کو یہ احساس کیوں نہ ہوا کہ کچھ لوگ آپ کے لئے تڑپ رہے ہیں ——— میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کو دوسروں کے دکھ سے خوشی ہوتی ہے۔ اب اگر آپ نے غائب ہونے کی کوشش کی تو میں آپ کے سامنے اس کھڈ میں کود پڑوں گی۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "فہمیدہ میں بھاگ رہا تھا اور یہاں تک بھاگنے کے بعد میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں اپنے عزیزوں سے بہت دور آگیا ہوں۔ لیکن میرا سفر جاری رہے گا۔ یہ مسئلہ اپنی پسند یا ناپسند کا نہیں تھا۔ بھاگنا میری مجبوری بن گیا تھا۔ لیکن . . . "

"لیکن کیا؟" فہمیدہ اس کی طرف مبہوت ہو کر دیکھ رہی تھی۔ اور چھٹتے ہوئے بادلوں سے سورج کی روشنی اس کے خوب صورت چہرے پر پڑ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتا تھا۔

"فہمیدہ" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "اب میں کہیں نہیں بھاگ سکتا یہ ایک معجزہ ہے۔ کہ قدرت نے میرے لئے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں آپ

کو یہاں دیکھنا قدرت کا ایک عظیم انعام ہے۔ اس وقت مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں ایک پردیسی درخت ہوں اور اپنے گاؤں کے قریب پردیسی درختوں کے متعلق جو کہانیاں سنی تھیں۔ وہ شاید درست نہیں تھیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک شہزادی بادلوں پر سوار ہو کر پردیسی درختوں کے جنگل سے گزر رہی تھی۔ پردیسی درختوں نے اس کی ایک جھلک دیکھی اور اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ دھند اس قدر گہری تھی۔ کہ شہزادی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ کسی نامعلوم جنگل کے درخت اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ پھر دھند کے بادل اچانک چھٹنے لگے اور شہزادی پریشان ہو کر چلائی: "یہ بے وقوف درخت میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں۔" اور درخت جس جگہ تھے وہیں سہم کر رک گئے۔"

فہمیدہ نے پوچھا: "اور شہزادی کا کیا بنا؟"

"میرا خیال ہے۔ شہزادی پریوں کے ساتھ سیر کے لئے نکلی تھی اور کسی ان دیکھے جنگل میں پہنچ گئی تھی اور اس ان دیکھے جنگل کے درخت اتنے مسحور ہو گئے تھے کہ اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ جب شہزادی نے اپنے محل کے قریب مڑ کر دیکھا تو بادل چھٹ چکے تھے۔ اور اس نے محل کے پہرے داروں کو آواز دی تھی۔ "ان بے وقوف درختوں کو روک کر پوچھو کہ وہ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟" اور درخت جہاں پہنچے تھے وہیں شرم و ندامت کے سبب گڑ گئے تھے۔"

فہمیدہ نے کہا: "نسرین تم گھر جا کر اطلاع دو کہ ہمارے ایک عزیز مہمان راستہ بھول کر ادھر آ گئے ہیں۔ وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ میں انہیں آہستہ آہستہ اپنے ساتھ لا رہی ہوں۔"

نسرین نے کہا: "بھائی جان آپ میرے سر کی قسم کھائیں کہ اب آپ راستے میں کہیں غائب نہیں ہو جائیں گے۔"

"پگلی تمہیں فہمیدہ پر اعتماد ہونا چاہیئے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان کے حکم کے

بغیر ان کی آنکھوں سے دور ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

"بھائی جان! جتنی دیر میں آپ گھر پہنچیں گے۔ اتنی دیر میں ڈیرہ دون، جالندھر، لدھیانہ، لاہور اور کئی اور شہروں میں یہ خبر پہنچ جائے گی کہ آپ مسوری میں مل گئے ہیں بھائی جان میں بہت رویا کرتی تھی اور باجی فہمیدہ بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں سب کے سامنے رویا کرتی تھی اور باجی چھپ چھپ کر۔"

فہمیدہ نے برہم ہو کر کہا: "چڑیل یہاں سے بھاگو۔ اور گھر پہنچ کر امی جان کو پریشان نہ کرنا۔ صرف یہ بتانا کہ یوسف صاحب بالکل ٹھیک ہیں۔ ذرا تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

نسرین بولی۔ "میں اور ظہیر بھاگتے ہوئے گھر پہنچیں گے۔ صرف ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"پوچھو۔"

"بھائی جان میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ بھابی جان کیسی ہیں؟"

ایک ثانیہ کے لئے یوسف کا چہرہ منجمد سا ہو کر رہ گیا اور فہمیدہ نے کہا:

"نسرین تم بڑی چڑیل ہو۔ بھاگو یہاں سے۔"

اور نسرین ہنستی ہوئی ظہیر کے ساتھ بھاگ گئی۔

یوسف کچھ دیر خاموشی سے فہمیدہ کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر اس نے رک کر پوچھا:

"دیکھو فہمیدہ اگر تم بھی اس وہم کا شکار ہو گئی ہو۔ کہ میری منگنی ہو گئی ہے تو اس وقت تک میں خاموش رہوں گا۔ جب تک کہ آپ کی تمام غلط فہمیاں خود بہ خود دور نہیں ہو جاتیں۔"

"آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، جب آپ پردیسی درختوں کی نئی کہانیاں سنا رہے تھے۔ تو مجھے خیال آیا تھا۔ کہ شہزادی نے اپنے محل کے قریب پہنچ کر پیچھے بھاگنے والے درختوں کو غصہ کی حالت میں یہ کہا تھا۔ "تم اس جنگل سے کیوں بھاگ آئے ہو۔ جہاں ایک شہزادہ شکار کے لئے گیا تھا اور اسے تلاش کرنے کی بجائے تم میرے پیچھے کیوں آگئے ہو۔ جاؤ اسے

تلاش کرو۔ ورنہ میں تم سب کو کاٹ کر آگ میں ڈال دوں گی اور پھر فوج بھیج کر سارا جنگل تباہ کر دوں گی۔ اور پھر دور سے ایک سوار کے سرپٹ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور پہریدار چلا اٹھے "شہزادہ آگیا شہزادہ آگیا" اور پردیسی درخت اتنے خوش ہوئے کہ وہ وہیں رک کر رہ گئے، لیکن یوسف صاحب میں اس بات سے خوف کھانے لگی ہوں ——— کہ آپ حقیقتوں کو افسانے بنا دیتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ کسی دن ہماری یہ ملاقات بھی ایک افسانہ بن جائے۔"

"فہمیدہ! نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا، لیکن آپ سے چھپانا بھی میرے بس کی بات نہیں۔ اب دیکھو دھوپ نکل آئی ہے اور تمہارا چہرہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے کہ میں اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ملال دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"یوسف صاحب! آپ سمجھتے تھے کہ آپ مجھے ایک طویل سفر کے بعد ملے ہیں اور اگر اس سفر کے دوران آپ کے پاؤں زخمی ہوئے ہیں تو ان پر پھاہے رکھنا میری بھی ذمہ داری ہے۔ آپ کو اپنے تاریک اور بے نشان راستوں کے ہر قدم پر یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ آپ تنہا نہیں ہیں۔"

"فہمیدہ میں اپنے مقدر کی ٹھوکروں میں آپ کو کیسے حصہ دار بنا سکتا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ دنیا کی انتہائی خوب صورت وادیوں سے پھولوں کے انبار جمع کر کے تمہارے راستے میں بچھا دوں۔ پھر میں یہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ میں کسی خطرناک راستے سے پھسلتے ہوئے آپ کا ہاتھ پکڑ لوں۔ اور آپ کے جسم پر کوئی خراش آجائے۔ فہمیدہ! میں نے زندگی کی تلخیوں سے بے بس ہو کر ایک تکلیف دہ فیصلہ کیا تھا۔ اور یہ فیصلہ سراسر اپنی ذات کے لئے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ یہ فیصلہ سنیں تو آپ کے دل میں کوئی تلخی پیدا ہو جب ایک سپاہی نڈھال ہو کر ہتھیار پھینک دیتا ہے اور اپنے آپ کو زندگی سے زیادہ

موت کے قریب محسوس کرتا ہے۔ تو اپنے عزیزوں اور پیار کرنے والوں کے لئے اس کی آنکھیں اور اس کے کان بند ہو جاتے ہیں۔ فہمیدہ میں اس بات پر شرمسار ہوں کہ میری یہ حالت نہیں ہوئی تھی۔ میں جسے بھول جانا چاہتا تھا اور یہ دُعا کیا کرتا تھا کہ وہ بھی مجھے بھول جائے۔ اس کی آواز ہر وقت میرے کانوں میں گونجا کرتی تھی اور اس کی تصویریں ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی تھیں —— میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اپنے ماضی سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میرے لئے فوج میں شامل ہو کر کہیں دور نکل جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں ابتدائی مراحل طے کر چکا ہوں۔ ایک اہم مرحلہ چند دن بعد مجھے دہرہ دون میں پیش آئے گا۔ لیکن آپ وہ ہیں جن کا ایک اشارہ، ایک مسکراہٹ اور ایک آنسو یا ایک قہقہہ میرے تمام فیصلے منسوخ کر سکتا ہے اور میں آپ کا قہقہہ سننے سے پہلے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس مقام سے میری پسپائی شروع ہو چکی ہے —— فہمیدہ مجھے ہنس کے دکھاؤ۔ مجھے اس پسپائی میں بھی تمہارے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔ میں وہ تمام کاغذات جو میرے سُوٹ کیس میں پڑے ہُوئے ہیں۔ آپ کو پیش کر دوں گا اور یہ درخواست کروں گا کہ آپ اپنے ہاتھوں سے انہیں پھاڑ ڈالیں۔"

فہمیدہ مسکرائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑے۔ "یوسف" اس نے کہا: "جن طوفانوں سے آپ گزرے ہیں۔ وہ یقیناً بڑے ہولناک ہوں گے۔ میں آپ کے سفر کی پوری رُوداد سننا چاہتی ہوں۔ تاکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ زندگی کی تلخیوں میں مجھے آپ کا ساتھ دینے کے لئے کس قدر صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے —— مجھے یہ سُن کر یقیناً بہت صدمہ ہوا ہے کہ آپ نے اچانک اپنی زندگی کے پروگرام ترک کر دیئے تھے اور صرف زندہ رہنے کے لئے فوج کی ملازمت میں پناہ لینا چاہتے تھے۔"

"فہمیدہ میرے ساتھ بہت سے ناقابلِ یقین واقعات پیش آئے ہیں، لیکن جس

راستے پر میں نے انتہائی مایوسی کی حالت میں قدم اٹھایا تھا۔ اس کے متعلق آخری وقت تک مجھے یہ اطمینان نہیں تھا کہ میں اس پر چل سکوں گا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جب میں سڑک کے کنارے کھڑا تھا اور مجھے چند مانوس آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت بھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے۔ اس پر قائم نہیں رہ سکوں گا۔ اور میں نے جس کرب سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دن تک میرے ساتھ رہے گا۔ جب کسی موڑ پر میرے سپنوں کی شہزادی یہ آواز نہیں دے گی کہ میرے پردیسی درخت تم کہاں جا رہے ہو؟"

فہمیدہ کچھ دیر خاموشی سے چلتی رہی اور پھر اچانک رُک کر بولی:

"یوسف صاحب کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شہزادی صرف اپنے دل سے باتیں کر سکتی ہو۔ اور اس کی ہزاروں آوازیں آپ کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔"

"آپ کو کیا معلوم کہ میں گہری نیند میں بھی آپ کی آوازیں سُنا کرتا ہوں لیکن اس وقت میں آپ کو اپنے سپنوں کی دنیا میں نہیں لے جانا چاہتا۔ میں اس وقت ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا جو مجھے آپ کی سننے اور اپنی سنانے کے لئے ملا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس مقام سے آگے ہمارے راستے میں کتنے پھُول ہیں اور کتنے کانٹے۔ اور مستقبل میں ہمیں کتنے دریاؤں اور صحراؤں میں سے گزرنا پڑے گا۔"

فہمیدہ بولی: "اگر مجھے یہ یقین ہو کہ آپ میرے ہمسفر ہیں تو مجھے یہ معلوم بھی نہیں ہو گا کہ میں کیسے مہیب دریاؤں اور صحراؤں میں سے گذر رہی ہوں۔ آج سے آپ کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ آپ کی امی، میری امی اور چچی بلقیس کی خاموش دعائیں قبول ہوُئی ہیں۔"

"کاش! میری زبان پر کوئی ایسی دُعا آ سکتی کہ چچی بلقیس کا غصہ دور ہو سکتا۔"

فہمیدہ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ چچی بلقیس آپ سے بہت زیادہ ناراض ہو گئی

تھیں۔ لیکن کاش! آپ دو دن بعد جاکران کی حالت دیکھتے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے چچا جان کو فون کیا تھا۔ کہ مجھ سے ایک بہت بڑا جرم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے امی جان سے بات کی تھی۔ اور مجھے بلا کر کہا تھا۔ "بیٹی میں بہت بے وقوف ہوں میں نے یوسف کو بہت صدمہ پہنچایا ہے۔ وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اگر ساری دنیا سے رُوٹھ جائے تو بھی تم سے نہیں روٹھ سکتا۔ خدا کے لئے جب اس کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو فوراً مجھے فون کرو۔ تمہارے چچا نے مجھے تسلی دی تھی کہ یوسف مجھے اپنی ماں سمجھتا ہے اور وہ ان بچوں میں سے نہیں۔ جو اپنی ماں سے روٹھ جاتے ہیں۔"

"فہمیدہ! میں ان سے روٹھا تو نہیں تھا۔ اپنے آپ سے روٹھ گیا تھا۔"

فہمیدہ نے کہا: "آپ دیکھیں گے کہ وہ ٹیلی فون پر اطلاع ملتے ہی یہاں پہنچ جائیں گی اور جالندھر سے میرے ابو کو بھی ساتھ لے کر آئیں گی اور چچا عبدالعزیز اگر آسکیں تو وہ بھی پہنچ جائیں گے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ ہمارے گھر میں کتنی اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔"

"یہ بھی قدرت کا ایک معجزہ ہے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں اپنے گھر میں اجنبی بن چکا ہوں۔ ایک بات میں بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن آپ سے کوئی بات چھپائی بھی نہیں جا سکتی۔ شاید میرا اولین فرض یہی ہے۔ کہ میں آپ کی نگاہوں سے اپنے مقدر کی تاریکیاں چھپانے کی کوشش نہ کروں —— فہمیدہ! جس رات میں چچی بلقیس سے جھڑکیاں کھا کر نکلا تھا۔ اسی رات مجھے اپنے گھر میں زہر دیا گیا تھا۔"

فہمیدہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی اور وہ مبہوت سی ہو کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد وہ لڑکھڑاتی ہوئی سڑک کے کنارے پتھر پر بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے۔

یوسف نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا:

"فہمیدہ کیا ہوا آپ ٹھیک ہیں نا؟"

فہمیدہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا:

"میں ٹھیک ہوں یوسف، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ میں یہ خبر سننے کے بعد بھی زندہ ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔"

"آپ نے وہی کیا ہے کہ جو آپ کو کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ میں اتنی بے خبر کیوں تھی۔ میں جو ہر سانس کے ساتھ آپ کی سلامتی کی دعا کیا کرتی تھی۔ جس کا ہر خواب آپ کے لئے ہوا کرتا تھا۔ یہ کیوں نہ دیکھ سکی۔ کہ کوئی تاریک سایہ ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔" پھر وہ ایک لمبا سانس لینے کے بعد اچانک کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: "اب آپ آرام سے بولتے جائیں۔ یہ خبر سننے کے بعد میں ہر بات سن سکتی ہوں۔"

یوسف نے کہا: "یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم کسی جگہ بیٹھ جائیں۔"

"یوسف صاحب میں بالکل ٹھیک ہوں آپ گھر پہنچنے سے پہلے مجھے اپنی سرگزشت سنا دیں۔ تفصیلات میں بعد میں اطمینان سے پوچھوں گی۔"

یوسف نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا:

"یہ تو میں بتا چکا ہوں کہ چچی بلقیس سے مرمت کروانے کے بعد میں ٹوٹا دل برداشتہ ہو کر نکلا تھا۔ اس کے بعد کے واقعات مختصراً یہ ہیں۔ کہ میں راستے میں اپنے ایک دوست منظور احمد کے پاس رک گیا تھا۔ جو ریلوے اسٹیشن سے ہی میرا سامان لے آیا تھا۔ وہاں کافی دیر اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر میں نے جب گھر جا کر کھانا کھایا۔ تو مجھے پلاؤ کا دوسرا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی یہ محسوس ہوا کہ کوئی ایسی چیز میرے اندر چلی گئی ہے جس نے میرے بدن میں آگ لگا دی ہے۔ میں نے اتنا پانی پیا کہ اس سے زیادہ پی نہیں

سکتا تھا۔ اور پھر مجھے اچانک قے آگئی، لیکن کوئی زہریلے اثرات اپنا کام کر رہے تھے
پھر میں نے اندر لگی ہوئی آگ بجھانے کے لئے دو مرتبہ پانی پیا اور قے کر دی۔ اس کے
بعد میں نڈھال ہو چکا تھا اور مجھے یہ محسوس کرنے کے لئے کچھ سوچنے کی ضرورت نہ تھی
کہ مجھے کوئی خطرناک زہر دیا گیا ہے۔ میں نے وہ ہاٹ کیس اٹھایا جس میں پلاؤ تھا۔ اور نیچے
ڈیوڑھی سے اپنی سائیکل اٹھا کر اپنے دوست منظور کے پاس چلا گیا۔"

"گھر میں آپ کے لئے کسی نے کچھ نہیں کیا تھا؟"

"وہ سب سو رہے تھے۔ سوتیلی ماں جاگ رہی تھی۔ لیکن جو کچھ اس نے کیا تھا۔
اس کے بعد میرا راستہ روکنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ منظور نے بھاگ دوڑ کی اور
مجھے ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ میں صرف اس لئے بچ گیا ہوں کہ کھانے
میں زہر کی مقدار بہت زیادہ تھی اور ایک قدرتی ردِ عمل کے نتیجہ میں بہت سا پانی پینے
کے بعد مجھے قے آگئی تھی۔ اگر وہ زہر کچھ دیر اور ٹھہر جاتا تو آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوتا کہ میرے
ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ زہر آپ کی سوتیلی ماں نے ہی دیا تھا؟"

"اُسے اپنے جرم کا اعتراف کرنے میں دیر نہیں لگی تھی اور ہماری ملاقات سے پہلے
یہ بات میرے علاوہ منظور اور امینہ تک محدود تھی اور چوتھی آپ ہیں جسے میں بتا رہا ہوں۔
لیکن اس سے آگے یہ بات نہیں جانی چاہیئے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اباجی کی زندگی تلخ ہو
جائے۔"

"یوسف صاحب یہ بات آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں کہ جو قاتل ہوتے ہیں۔ وہ صرف
ایک قتل پر اکتفا نہیں کرتے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ لیکن میں وہاں یہ تاثر چھوڑ آیا ہوں۔ کہ میرے گھر میں ہر موت
خواہ وہ ملیریا سے ہی کیوں نہ ہو۔ میری سوتیلی ماں کے والدین اور ان کے کالے پیر کے

فراہم کردہ زہر سے منسوب کی جائے گی۔ اور وہ اس بات سے ہمیشہ خوف زدہ رہیں
گے کہ میں لیبارٹری سے زہر کی رپورٹ لے کر اپنے دوست کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ میرا دل کتنا مضبوط ہے، لیکن اس وقت میں پورے یقین اور
اعتماد کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔ کہ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔ اور مجھے ان واقعات کا علم ہو
جاتا تو میں جو کسی کے لباس پر خون کا داغ دیکھ کر بدحواس ہو جاتی ہوں بھری مجلس میں اپنے
ہاتھوں سے آپ کے قاتل کا گلا کاٹتی اور مجھے محسوس بھی نہ ہوتا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔"

"فہمیدہ اس وقت شاید میں آپ کو یہ نہ سمجھا سکوں کہ میں نے درگزر سے کیوں کام
لیا تھا۔ اس کی وجہ وہ حالات تھے۔ جن کے باعث زندگی سے میری دلچسپیاں یکایک
ختم ہو گئی تھیں۔ یا میں اپنے بھائی کو کسی متوقع خطرے سے بچانا چاہتا تھا۔ بہرصورت
ان حالات میں یہی فیصلہ کر سکتا تھا۔ اس سلسلے میں جو انتہائی اہم بات آپ کو بتانا
چاہتا تھا۔ وہ یہ ہے کہ قے کرنے کے وقت جب میری انتڑیاں ٹوٹ رہی تھیں اور میرے
دل و دماغ پر موت کا خوف طاری ہو رہا تھا۔ تو میں آپ کو آوازیں دینا چاہتا تھا ——
میں آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں یہ چاہتا تھا۔ کہ آپ کا ہاتھ پکڑ لوں اور اس وقت تک
پکڑے رکھوں جب تک کہ موت کی بے رحم قوتوں کے سامنے میری قوتِ مدافعت
جواب نہ دے جائے —— فہمیدہ شاید میری ماں کو یقین تھا۔ کہ وہ اچانک مجھے
اس دنیا میں چھوڑ جائیں گی اور اس سے پہلے پہلے وہ یہ چاہتی تھیں۔ کہ ان کے بعد
مجھے کسی ایسے ہمسفر کی ضرورت پڑے گی جسے میں چاہوں۔ جس پر میں یقین رکھوں۔
اور جس کے لئے میں اپنی زندگی کی قربانی دے سکوں۔ آپ پھر یہ کہیں گی۔ کہ میں اپنے
گرد و پیش کی بہت سی تلخیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے شاعری میں پناہ لے رہا ہوں۔
لیکن آپ کو دیکھ کر کوئی تکلیف دہ بات سوچنے کو دل بھی تو نہیں چاہتا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ ہماری قیام گاہ زیادہ دُور نہیں۔ اور وہاں آپ کو کسی تلخی کا

سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

یوسف مسکرایا۔ "کاش! آپ کی قیام گاہ بہت دور ہوتی، اتنی دُور ہوتی، کہ آپ کے ساتھ چلتے چلتے میری عُمر گزر جاتی۔"

"یوسف صاحب عمر گزارنے کے لیئے تو ہم اپنے چھوٹے سے جھونپڑے کے گرد بھی ان گنت چکر لگا سکتے ہیں۔ اگر اس وقت مجھے یہ پریشانی نہ ہوتی کہ گھر میں سب آپ کا راستہ دیکھ رہے ہیں تو میں ایک طویل راستہ اختیار کرتی۔ اب مجھے یہ بھی احساس نہیں رہا کہ آپ تھک گئے ہوں گے۔"

"فہمیدہ! تمہارے ساتھ میں ماؤنٹ ایورسٹ تک بھاگ سکتا ہوں۔"

"ماؤنٹ ایورسٹ کے پروگرام تو آپ کو بعد میں بنانے چاہیئں۔ اس وقت آپ کو ساری ذہانت اس بات پر صرف کرنی چاہیئے کہ میرے ابو، میری چچی اور شاید نانی جان بھی کل تک یہاں پہنچ جائیں۔ وہ چڑیل نسرین سب کو فون کر چکی ہوگی۔ اور شاید یہاں آنے والے اپنے دل میں کوئی بڑا فیصلہ کر کے آئیں۔ اور آپ کو بھی شاید کوئی فیصلہ کرنا پڑے۔"

"فہمیدہ جو فیصلے میرے دماغ میں آ سکتے تھے۔ وہ تو اسی دن ہو گئے تھے۔ جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اب اُن حالات کا مسئلہ ہے جو مجھے پیش آ رہے ہیں آپ کو ایک عجیب بات بتاتا ہوں ایک دن جب میں بہت مغموم تھا تو سیر کے دوران اپر مسوری سے آگے ایک جنگل کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں میں نے ایک بونے قد کا پردیسی درخت دیکھا۔ صرف اس کا قد چھوٹا تھا ورنہ وہ ہر لحاظ سے اُن قد آور پردیسی درختوں کی طرح تھا جو میرے گاؤں کے قریب ہیں۔ میں اس بات پر حیران تھا کہ یہ درخت اپنے قافلے سے جُدا ہو کر سینکڑوں میل دور یہاں کیسے پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد میں یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ میں بھی ایک پردیسی درخت ہوں جو اپنے قافلے سے

جدا ہو چکا ہے۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ چھوٹا سا پردیسی درخت اپنی شہزادی کی تلاش میں یہاں پہنچ گیا ہے۔"

"آپ نے اتنی سیر کرنے کے باوجود ایسے درخت کسی اور جگہ نہیں دیکھے۔"

"اس درخت کے دیکھنے کے بعد مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایسے درخت اور بھی ہوں گے اور ایسی شہزادیاں بھی تو اور ہو سکتی ہیں جنہیں دیکھ کر ان بھاگنے والے درختوں کے قافلے اور کئی مقامات پر رُک گئے ہوں۔ پھر زمین اور آب و ہوا کی تبدیلی سے ان کے قد بھی تو بڑے چھوٹے ہو سکتے ہیں، لیکن معاف کیجئے میں یہ بھول گیا تھا کہ میں کسی پردیسی درخت کے نہیں بلکہ اپنی شہزادی کے سامنے کھڑا ہوں۔ اب ان غیر متوقع حالات کا مسئلہ آتا ہے جن کا میں سامنا کر رہا ہوں، یا میری وجہ سے آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔ فہمیدہ اپنے مصائب کی دلدل سے نکلتے ہوئے میں یہ گوارا نہیں کروں گا۔ کہ کیچڑ کا کوئی چھینٹا آپ یا آپ کے خاندان تک پہنچ جائے اور جن لوگوں سے مجھے پیار ملا ہے وہ مجھ سے نفرت کرنے لگ جائیں۔"

"دیکھئے یوسف صاحب" فہمیدہ نے رک کر کہا۔ "مجھے اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ جن حالات کا آپ سامنا کر رہے ہیں۔ میں اُن سے خوف زدہ ہو جاؤں گی یا بھاگنے کی کوشش کروں گی۔ یہ بات شاید میں آپ سے کبھی نہ کہتی کہ جب آپ زہریلے کھانے کے لقمے کا ذکر کر رہے تھے تو میرے دل میں جو پہلا خیال آیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس کھانے میں میں آپ کے ساتھ شریک کیوں نہیں تھی۔ لیکن میں اس وقت بہت کچھ نہیں صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ کہ آپ کے ساتھ جینے اور مرنے کے سوا میرے دل میں اور کوئی خواہش نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج رات سونے سے پہلے میں اللہ کی بارگاہ میں شکرانے کے سو نفل ادا کروں گی ـــ اب آپ اپنے پیار کرنے والوں سے ملاقات کے لیئے تیار ہو جائیں۔ وہ کافی دیر سے کوٹھی سے باہر آپ کا انتظار کر رہے ہونگے۔"

اور پانچ منٹ بعد یوسف، صفیہ، ظہیر اور نسرین کے سامنے کھڑا تھا۔

"خالہ جان السلام علیکم"۔ اور صفیہ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیئے۔

نسرین بولی: "امی جان اگر میں انہیں دُھند میں دیکھ نہ لیتی، تو ہمیں یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہ مسوری میں گھوم رہے ہیں۔ اور ان کو تو یہ بالکل ہی پتہ نہ چلتا کہ ہم یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "نسرین تمہارے بھائی جان نے کئی بار راستے میں تمہارا شکریہ ادا کیا ہے۔ یوسف کہتے ہیں کہ میں نسرین کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا کہ جب سارے راستے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ تو یہ میری نگاہوں کے سامنے روشنی بن کر آتی ہے۔"

"سچ بھائی جان!"

"ہاں نسرین میں واقعی تمہارا شکر گزار ہوں۔ ورنہ یہ ہو سکتا تھا۔ کہ ہم اس دھند کے اندر کھو جاتے اور پھر کبھی ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔"

نسرین نے کہا۔ "امی جان میں اندر جاتی ہوں شاید ٹیلی فون آجائے۔ آپ بھائی جان کو کہیں جانے تو نہیں دیں گی نا؟"

"چڑیل جاؤ اور چائے رکھواؤ۔ تمہارے بھائی جان کہیں نہیں جائیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کوٹھی کے ایک کمرے میں چائے پی رہے تھے۔ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور نسرین نے بھاگ کر ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا ——

"جی ہاں —— چچی جان، امی جان سے بات کیجئے اور سب سے آخر میں میرے ساتھ بات کرنا نہ بھولئے گا۔"

صفیہ نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ لیا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"بلقیس میں تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتی ہوں —— بہت بڑی خوش خبری یوسف مل گیا ہے —— ہاں یہیں مسوری میں۔ تم اس سے بات کرنا پسند کرو گی —— ؟ بھئی وہ یہیں ہے —— وہ تم سے قطعاً ناراض نہیں —— بھائی جان ٹھیک کہتے تھے کہ وہ ان بیٹوں میں سے نہیں جو ماؤں سے ناراض ہو جاتے ہیں —— وہ ساتھ والے کمرے میں چائے پی رہا ہے —— میں بلاتی ہوں۔"

"دیکھو صفیہ میں اطمینان سے چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کسی کی موجودگی میں شاید یوسف کھل کر بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرے۔"

"بھئی تم اطمینان رکھو۔ اس کی آواز ٹیلی فون والے کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔ اور وہ یہیں آپ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتائے گا —— بھئی میرا مطلب یہ ہے کہ تم کھل کر بات کر لو —— یوسف بیٹا ادھر آؤ۔ بلقیس تمہیں بلا رہی ہے۔"

یوسف کمرے میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے نسرین بھی آگئی۔ صفیہ نے یوسف کے ہاتھ میں ریسیور تھما دیا۔ اور نسرین کو بازو سے پکڑتے ہوئے بولی:

"بلقیس نے تمہیں نہیں، یوسف کو بلایا تھا۔ اگر کوئی تمہارے مطلب کی بات ہوئی تو تمہیں بتا دی جائے گی۔ اب اطمینان سے اپنے بھائی کو باتیں کرنے دو۔"

نسرین کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں فہمیدہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اور یوسف نے اپنی گفتگو کی ابتداء بھرائی ہوئی آواز میں کی۔

"السلام علیکم، چچی جان! میں آپ کا بیٹا یوسف ہوں —— میں کسی ناراضگی کے باعث غائب نہیں ہوا تھا۔ مجھے ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آگیا تھا —— چچی جان میں نے آپ کو اس لئے اطلاع نہیں دی تھی کہ آپ پریشان ہوں گی —— ہاں چچی جان پریشان تو آپ اطلاع کے بغیر بھی ہوئی ہوں گی، لیکن یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔

جس نے میرے ہونٹوں پر مہر لگادی تھی ـــــ چچی جان اس کے متعلق جس قدر میں فہمیدہ کو بتا چکا ہوں وہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ لیکن ٹیلی فون پر بتانے کی بجائے میں خود حاضر ہو کر آپ کو بتاؤں گا۔"

"بیٹا! یہ تمام باتیں مجھے امینہ نے بتا دی ہیں اور میں اس کی شکر گزار ہوں، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ تم کہاں ہو ورنہ اب تک ہم تمہیں تلاش کر چکے ہوتے۔"

"کیا واقعی چچی جان آپ کل یہاں پہنچ رہی ہیں، میں بھاگ نہیں جاؤں گا۔ چچی جان، میں ڈیرہ دون کے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کروں گا ـــــ بہت اچھا چچی جان میں یہاں خالہ جان کے پاس ہی رہوں گا ـــــ نسرین خالہ جان کو بھیجو" اس نے ریسیور ایک طرف رکھتے ہوئے آواز دی۔

صفیہ نے اندر آکر ریسیور اٹھا لیا۔ چند ثانیے خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اس نے کہا "بہت اچھا ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ فہمیدہ کے اباجان سے بھی ٹیلی فون پر بات کر لینا ممکن ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ ہی جالندھر سے آجائیں۔ ہم چند دن یہیں گزاریں گے کوٹھی کا مالک ایک مہینہ بعد یہاں آئے گا۔ اس وقت تک ساری بلڈنگ ہمارے پاس رہے گی ـــــ فہمیدہ سے خود بات کر لو۔ آج نسرین اتنی خوش ہے کہ وہ فہمیدہ اور تمہاری گفتگو میں مداخلت نہیں کرے گی ـــــ فہمیدہ بیٹی لو، اپنی چچی سے بات کرو۔"

فہمیدہ نے ریسیور پکڑتے ہوئے کہا "السلام علیکم" چچی جان ـــــ چچی جان وہ کچھ کمزور نظر آتے ہیں ـــــ نہیں، انہیں ہمارا یا ہمیں اُن کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ سڑک پر دُھند چھائی ہوئی تھی اور نسرین نے انہیں اچانک دیکھ لیا تھا ـــــ ہاں چچی جان آپ سے بہت باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گی ـــــ نسرین لو چچی جان سے بات کر لو۔"

نسرین نے ریسیور کانوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ "چچی جان انعام کس بات کا؟"

ـــــ نہیں چچی جان یوسف بھائی کے مل جانے کی خوشی سے اور بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے ـــــ چچی جان، بھائی جان مجھے ایسے ہی لگتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ صرف ذرا کمزور ہو گئے ہیں۔ خدا حافظ چچی جان۔"

وہ دوبارہ دوسرے کمرے میں بیٹھ گئے۔ صفیہ نے کہا۔ "بیٹا میں باورچی کو کھانے کے متعلق کچھ کہہ آؤں۔ تم اطمینان سے باتیں کرو۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو دن ہمیں بہت مصروف رہنا پڑے گا۔ بیٹا یہ عجیب بات ہے کہ جو بات مجھے سب سے پہلے پوچھنی چاہیے تھی۔ وہ میں بھول ہی گئی۔ تمہارا سامان کہاں ہے؟"

"خالہ جان اچھا ہوا کہ آپ نے پوچھ لیا۔ میرے ساتھ میرے سندھی دوست احمد خان صاحب آئے ہوئے ہیں۔ اور ہم یہاں سے قریب ہی ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں کافی دیر سے غیر حاضر ہوں اور وہ بہت دیر سے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"دیکھو بیٹا، میں تمہارا ایک لمحہ بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونا پسند نہیں کرتی۔ تم تھوڑی دیر کے لئے جاؤ اور انہیں کھانے کے لئے ساتھ لے آؤ۔"

"خالہ جان، یہ بہت مشکل ہوگا۔ فی الحال میں اُن کا مہمان ہوں اور وہ مہمان نوازی کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔ پہلے تو انہیں یہ گلہ ہوگا کہ دوپہر کے وقت جب میں سیر کے لئے نکلا تھا تو وہ سو رہے تھے۔ آئندہ جب آپ حکم دیا کریں گی تو میں اُنہیں لے آیا کروں گا۔"

"بہت اچھا بیٹا، تم ابھی جاؤ۔ اور ان سے اجازت لے کر واپس آجاؤ۔"

نسرین نے کہا "امی جان جب بھائی جان، خان صاحب کو یہ بتائیں گے کہ ہم کون ہیں۔ تو وہ انہیں یہاں کھانا کھانے سے منع نہیں کریں گے۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اور نانی جان بھی انہیں جانتی ہیں۔ جب ہم نے بھائی جان کے ساتھ سفر

کیا تھا۔ تو وہ کوئٹہ کے ریلوے اسٹیشن پر ہمیں رخصت کرنے آتے تھے ———
بھائی جان آپ انہیں یہ کہہ کر آئیں کہ ہم بہت دیر تک باتیں کریں گے اور اگر بہت
زیادہ دیر ہو گئی تو نسرین کے اصرار پر آپ رُک بھی سکتے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "نسرین ان سے اجازت لینے کے لئے مجھے کسی بہانے کی ضرورت
نہیں پڑے گی۔ وہ اتنے اچھے ہیں کہ میں نے ایک خط میں صرف اپنی پریشانی کا ذکر کیا
تھا۔ اور وہ اس سفر میں میرا ساتھ دینے کے لئے لاہور پہنچ گئے تھے۔"

نسرین نے کہا: "امی جان مجھے ڈر ہے کہ بھائی جان راستہ بھول جائیں گے
اس لئے باورچی کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔" اس پر سب ہنس پڑے۔

دس منٹ بعد یوسف مکان میں داخل ہوا تو احمد خاں اضطراب کی حالت میں اپنے
کمرے سے باہر ٹہل رہا تھا۔ اس نے یوسف کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"بھائی یوسف آپ اپنے دوستوں کو اسی طرح پریشان کیا کرتے ہیں؟"

یوسف نے جواب دیا "خان صاحب اس کے لئے میری معذرت قبول فرمایئے
لیکن بعض اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ وقت گزرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔
خان صاحب! آپ نے کہا تھا کہ اگر سوار راستہ بھول جائے تو گھوڑے کو اس کی
مرضی کے مطابق چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسے کسی اچھی جگہ پہنچا دیتا ہے خان صاحب
میں نے اپنی عقل کے گھوڑے کی باگ بالکل چھوڑ دی تھی۔ اور وہ جن سے میں اپنے
خیال کے مطابق بہت دور آچکا تھا۔ ایک خواب کی طرح میرے راستے میں آگئے
تھے —— سڑک پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ اور مجھے وہ آوازیں سنائی دیں۔ جن سے میرے
کان مانوس تھے۔ پھر اُس لڑکی نے مجھے پہچان کر شور مچا دیا۔ جسے آپ نے کوئٹہ میں
دیکھا تھا۔"

احمد خاں نے پوچھا "اور اُس کی ہمشیرہ بھی اس کے ساتھ تھی؟"

"جی ہاں، وہ لوگ یہاں پاس ہی ایک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور میرا خیال
ہے۔ کہ کل تک اُن کے کچھ رشتہ دار بھی یہاں جمع ہو جائیں گے —— اب اگر آپ
اجازت دیں تو مجھے کچھ دیر اُن کے پاس جانا پڑے گا۔"

"بھئی عجیب بات ہے کہ تم اُن کے پاس جانے کے لئے بھی کسی کی اجازت
کی ضرورت محسوس کرتے ہو۔"

"خاں صاحب وہ مجھے کہتے تھے کہ کھانا میں ان کے ساتھ ہی کھاؤں۔ ان کی خواہش
تو یہ تھی کہ میں آپ کو بھی ساتھ ہی لیتا آؤں، لیکن میں نے کہا تھا۔ کہ اس وقت شاید آپ
نہ آسکیں۔ اس لئے پھر کسی وقت دیکھا جائے گا۔"

"اچھا یوسف تم فوراً اُن کے پاس جاؤ۔ اور ایک بات یاد رکھو۔ اگر تمہیں کسی مرحلہ
پر اُن لوگوں سے بات کرنے کے لئے ایک بڑے بھائی کی خدمات کی ضرورت محسوس
ہو تو میں موجود ہوں۔"

یوسف بولا: "شکریہ خاں صاحب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اچانک ایسا مرحلہ
بھی آسکتا ہے۔"

"اچھا بھائی! اب تم فوراً اُن کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔"

چند منٹ بعد یوسف، صفیہ کی قیام گاہ میں داخل ہوا تو نسرین نے اسے دیکھتے
ہی کہا۔ "دیکھا امی جان! باجی فہمیدہ جو بات کہا کرتی ہیں۔ وہ ہمیشہ درست ثابت ہوتی
ہے۔ باجی نے کہا تھا۔ کہ تمہارے بھائی جان نصف گھنٹے سے پہلے پہلے واپس آجائیں
گے۔ اور آپ نہیں مانتی تھیں۔"

فہمیدہ نے کہا: "نسرین تم بالکل چڑیل ہو۔"

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ یوسف نے صفیہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان احمد خان صاحب نے مجھے کہا تھا۔ کہ اب تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت اپنے عزیزوں کے ساتھ گزارنا چاہیئے۔"

صفیہ نے کہا۔ "فہمیدہ بیٹی کھانا لگوا دو۔ بیٹے کو بھوک لگی ہوگی۔"

فہمیدہ اٹھنے لگی تو نسرین نے جلدی سے کہا۔ "باجی آپ بیٹھی رہیں آج باقی کام میں کروں گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے دوران یوسف کو ذرا تفصیل کے ساتھ صفیہ کو اپنی سرگزشت سنانی پڑی۔ نسرین نے اپنا کھانا چھوڑ دیا اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد صفیہ نے آواز دی۔

"نسرین! نسرین!" لیکن کوئی جواب نہ آیا۔

"کیا ہوا فہمیدہ، اُس نے اپنا کھانا ختم نہیں کیا؟"

"امی جان"! فہمیدہ نے جواب دیا۔ "وہ کہیں چھپ کر رو رہی ہوگی۔"

یوسف جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھا تو نسرین دروازے کے ساتھ کھڑی دونوں ہاتھوں میں مُنہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

"نسرین کیا ہوا؟" یوسف نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

نسرین بے اختیار ایک بچے کی طرح بلکتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"نسرین میں زندہ ہوں۔ خدا نے مجھے مصیبت سے بچا لیا تھا۔"

"بھائی جان مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہے۔ جب آپ زہر کا ذکر کر رہے تھے تو میں زور سے چیخنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے حلق سے آواز نہیں نکلتی تھی ـــــ بھائی جان ہم آپ کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ اور آپا کی باتوں سے کبھی کبھی مجھے خوف سا محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ آپ کے متعلق بہت پریشان رہا

کرتی تھیں۔ بھائی جان! مجھے یقین ہے کہ آپ کے متعلق کوئی بُری خبر سننے سے پہلے میں مر جاؤں گی۔"

"دیکھو نسرین ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تمہیں ہم سب کے لئے زندہ رہنا چاہیئے کیونکہ ہمیں تمہارے پیار کی ضرورت ہے۔"

"بھائی جان اگر آپ حکم دیتے ہیں۔ تو میں زندہ رہوں گی۔"

نسرین نے مسکراتے ہوئے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

یوسف اُسے بازو سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آیا اور کھانے کی میز پہ بٹھاتے ہوئے بولا:

"نسرین تمہیں معلوم ہے۔ کہ مجھے تم کھاتی، ہنستی اور باتیں کرتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔ تمہیں اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہوئی کہ میں زہر آلود کھانا کھانے کے باوجود مسوری میں تمہیں مل گیا۔"

"بھائی جان خوشی تو اتنی ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن آپ کی بات سُن کر اچانک میرا دل بھر آیا تھا۔ آپ اطمینان سے اپنی بات ختم کریں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب میری طرف سے کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہوگی۔"

نسرین اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف ہوگئی۔ اور یوسف نے اپنی باقی سرگزشت سنا دی۔

کھانے کے اختتام پر صفیہ نے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد بچوں کو اپنے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ اور یوسف سے کہا: "بیٹا میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔ اُٹھ کر دروازہ بند کر دو۔ اور میرے قریب بیٹھ جاؤ۔"

یوسف نے اُٹھ کر دروازہ بند کرنے کے بعد ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "کوئی پریشانی کی بات ہے۔ خالہ جان؟"

"بیٹا پریشانی کی بات تو تھی ۔ لیکن اللہ نے فضل کیا ہے اور صرف ایک الجھن
باقی رہ گئی ہے ۔ مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ بھی دور ہو جائے
گی ـــــ تمہیں معلوم ہے کہ نسرین کا سب سے چھوٹا چچا یہاں سے ایم بی ایس کرنے
کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت چلا گیا تھا۔ وہاں سے چند ماہ قبل اس نے ایک نوجوان
کے متعلق لکھا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ تعلیم حاصل کر چکا ہے اور ایک بڑے ہسپتال
میں اسی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ حیدرآباد دکن کے ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔
اور اس کا نام کمال الدین ہے۔ فہمیدہ کا چچا اکثر اپنے خطوط میں اس کا ذکر کیا کرتا تھا کہ
وہ بڑا ہونہار ہے اور بڑے اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی تین ماہ قبل اس
نے فہمیدہ کے رشتہ کی تجویز لکھ بھیجی تھی۔ ہم نے اسے جواب دیا تھا کہ فہمیدہ کے بی۔اے
کر لینے سے پہلے کسی سے بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی پندرہ دن قبل
ایک خط آیا تھا جس سے میں چکرا گئی تھی۔ اور وہ یہ تھا کہ وہ دونوں اگلے مہینے کے
پہلے ہفتہ بذریعہ بحری جہاز کراچی پہنچ جائیں گے۔ اگر ہم کراچی گئے۔ تو وہاں لڑکے کے
والدین سے ملاقات ہو جائے گی۔ ورنہ وہ اور ان کا صاحبزادہ حیدرآباد جانے کے
بجائے پہلے ہمارے گھر جالندھر میں آئیں گے۔ وہاں منگنی کا رسمی اعلان کر دیا جائے گا
کمال الدین اور اس کے والدین قطعاً مصر نہیں ہوں گے کہ فوراً شادی کر دی جائے ۔
فہمیدہ کے بی اے بلکہ ایم۔ اے کرنے کا بھی انتظار کر سکتے ہیں۔ اس نے کمال الدین
کی چند تصویریں بھی بھیجی ہیں۔ بیٹا! تم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کتنی پریشان تھی۔ میں
نے وہ خط بلقیس کو بھیج دیا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی بہت پریشان ہے ۔ نسرین اس
دن بہت روئی تھی اور اس نے غصہ میں آکر اپنے چچا کو ایک خط لکھا تھا۔ مجھے افسوس
ہے کہ میں نے اس کی ایک نقل اپنے پاس نہیں رکھی۔ ورنہ تم پڑھ کر بہت ہنستے۔ فہمیدہ
بھی بہت مغموم تھی۔ لیکن وہ بھی یہ خط پڑھ کر ہنس پڑی تھی۔ لیکن بیٹا! ہم اب پریشان

نہیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم آگئے ہو۔ مجھے خطرہ تھا کہ دہرہ دون والے میجر صاحب ہم
پر بہت دباؤ ڈالیں گے، لیکن اب میں مطمئن ہوں کہ میری جنگ بلقیس لڑے گی۔ میں نے
تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اس نے ٹیلی فون پر مجھ سے کیا باتیں کی تھیں ـــــ بڑا غصہ تھا اسے
فہمیدہ کے چچا پر۔ کہتی تھی کہ وہ بیوقوف چند سال ولایت میں رہ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ
عقلمند بھی ہو گیا ہے"۔

یوسف نے کہا۔ "چچی جان میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اگر وہ بہت اچھے خاندان
سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا مستقبل بھی بہت روشن ہے تو فہمیدہ کو اپنے مستقبل کا
فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے"۔

نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔ "بھائی جان میں بتاؤں آپ کو
وہ کیسا ہے؟ اُس کی ایک آنکھ ذرا اوپر اور ایک ذرا نیچے ہے۔ ناک لمبوتری ہے۔ بالکل
لنگور کی طرح۔ گردن لمبی اور صراحی دار ہے، ایسی جیسی اُونٹ کی ہوتی ہے"۔

یوسف نے کہا۔ "نسرین اپنے چچا کے دوست کے متعلق ایسی باتیں نہیں کہتے"۔

"بھائی جان میں جھوٹی بات نہیں کہوں گی۔ اگرچہ وہ بہت کالا ہے۔ تاہم میں سانولہ
کہہ سکتی ہوں۔ یہ کیمرے سے تصویریں اتارنے والے بڑے بے ایمان ہوتے ہیں۔ اور
یورپ والے تو اس فن میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ وہ تو ضرورت پوری کرنے کے
لئے حبشیوں کو بھی انگریز بنا لیتے ہوں گے۔ میں نے ایک بڑا مہذب سا خط لکھا تھا کہ
چچا جان انگلستان میں بھی کوئی ایسے گرم علاقے ہیں۔ جہاں کے لوگ آپ کے دوست
کی طرح کالے ہوتے ہیں۔ میرے سوال کا جواب بھی انہوں نے بڑے پیار سے دیا ہے
وہ یہ ہے۔ "بھئی کمال الدین صاحب کا رنگ ذرا کھلتا ہوا سانولہ ہے"۔ ابو امی کی طرف
سے جو خطوط چچا جان کو گئے ہیں۔ اور جو خط چچا عبدالعزیز اور چچی بلقیس لکھیں گی۔ ان کے
پیش نظر یہ اُمید کی جاتی ہے کہ چچا جان انہیں کراچی پہنچنے کے بعد جالندھر کا رخ کرنے کا

مشورہ نہیں دیں گے۔ لیکن اگر وہ آ ہی گیا۔ تو آپ دیکھیں گے کہ میں اسے حیدر آباد پہنچائے بغیر دَم نہیں لوں گی ____ بھائی جان! میں نے اس کے اتنے کارٹون بنا رکھے ہوئے ہیں کہ ہر روز اگر میں ایک کارٹون دروازے کے ساتھ چسپاں کیا کروں تو بھی دو مہینے گزر جائیں گے۔"

ظہیر نے کہا۔ "آپا جان! وہ کارٹون چچی بلقیس کو دکھائیں گے۔ میں نے انہیں بتا تھا تو وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔"

صفیہ نے کہا۔ "بھئی اب رات کافی ہو گئی ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ ہم نے صبح مہمانوں کے استقبال کی تیاری کرنی ہے۔ نسرین بیٹی! تم اپنے بھائی کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔"

یوسف بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا۔ صبح وہ تازہ دم ہو کر نماز کے لئے اٹھا۔ جب وہ صحن کے نل پر وضو کر رہا تھا تو فہمیدہ اس کے قریب سے گزرتی ہوئی رُک گئی۔ اور قدرے توقف کے بعد بولی۔ "یوسف صاحب آپ نے یہ کیوں کہا تھا۔ کہ مجھے اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے وجہ بھی بیان کر دی" لیکن اگر یہ وجہ آپ کو اچھی نہیں لگی، تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شکریہ۔ مجھے وہ بات قطعاً اچھی نہیں لگی تھی اور اب مجھے آپ کو یہ [illegible] کی ضرورت باقی نہیں رہنی چاہیئے۔ کہ مجھے وہ بات کیوں اچھی نہیں لگی تھی۔" فہمیدہ کچھ اور کہے بغیر آگے بڑھ گئی۔

یوسف نے نماز ادا کی۔ اور چھڑی ہاتھ میں لے کر سیر کے لئے نکل گیا۔ ایک طویل چکر لگانے کے بعد وہ احمد خان کی قیام گاہ پر پہنچا تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور احمد خان

اور اس کا بیٹا خان محمد اس کا انتظار کر رہے تھے۔ خان محمد نے اسے برآمدے سے چند قدم دُور ہی دیکھ لیا اور یہ کہہ کر باہر نکل آیا۔

"آہا! یوسف صاحب آ گئے ہیں۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر احمد خان سے مصافحہ کیا۔ اور اس نے کہا۔

"بیٹا ناشتہ منگوا لو۔" اور پھر وہ باتوں میں مصروف ہو گئے

یوسف نے کہا۔ "مجھے تھوڑی دیر تک پھر واپس جانا پڑے گا۔ اور شاید میں دوپہر کے کھانے پر نہ آ سکوں۔"

احمد خان نے کہا۔ "میرے بھائی ایسی باتیں کہتے ہوئے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں خود بھی یہ چاہتا ہوں۔ کہ جب تک وہ لوگ یہاں ہیں۔ تم زیادہ سے زیادہ وقت ان کے پاس گزارا کرو۔ مجھے اس سے خوشی ہو گی۔"

"شکریہ خان صاحب، مجھے افسوس ہے کہ دو دن میں اور خان محمد صاحب بھی سیر پر نہیں جا سکے۔"

"بھائی یوسف! وہ تمہارا بھتیجا ہے۔ تم اگر اسے صاحب کہو گے تو وہ بگڑ جائے گا۔ انشاء اللہ صبح کے وقت میں بھی تمہارے ساتھ سیر کے لئے جایا کروں گا۔"

یوسف دیر تک خان محمد کی تعلیم کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اٹھنے سے پہلے اس کی کتابیں منگوا کر دیکھیں۔ پھر یہ کہا:

"سیر کے دوران میں تم سے انگریزی زبان اور تاریخ کے متعلق باتیں کیا کروں گا۔ پھر ناشتے کے بعد دو گھنٹے دوسرے مضامین پڑھایا کروں گا۔"

احمد خان نے کہا۔ "یوسف صاحب ہمارا بیٹا ذرا کمزور آدمی ہے۔ اسے علم سے اتنا نہ ڈرا دینا کہ یہ بھاگ جائے۔ اس لئے اسے شروع شروع میں ایک گھنٹہ دیا کریں اور اس کے بعد جب یہ محسوس کریں کہ یہ علم کا بوجھ اٹھانے کا عادی ہوتا جا رہا ہے تو

پڑھانے کا وقت بھی بڑھانے جائیں"۔

پندرہ منٹ بعد یوسف واپس جا رہا تھا۔ جب وہ صفیہ کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ سب ناشتہ پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

صفیہ نے کہا: "بیٹا بہت دیر لگائی تم نے؟"

"خالہ جان، میں معذرت چاہتا ہوں۔ میں یہاں سے نکلتے وقت یہ کہنا بھول گیا تھا کہ میں ذرا دیر سے آؤں گا۔ سیر کے بعد میں احمد خان صاحب کی طرف چلا گیا تھا"

"اچھا بیٹا کوئی بات نہیں، اب ناشتہ شروع کر دیں، نسرین نوکر کو آواز دو کہ چائے لے آئے"۔

نسرین جلدی سے اٹھی اور نوکر کو چائے کا کہہ کر واپس اپنی جگہ آ بیٹھی۔

"بیٹا شروع کرو نا؟" صفیہ نے دوبارہ کہا۔

یوسف بولا: "خالہ جان اس کے لئے مجھے دوبارہ معذرت کرنی پڑے گی بات یہ ہے کہ خان صاحب نے مجھے دیکھتے ہی ناشتہ منگوا لیا تھا۔ اور میں وہاں معذرت نہ کر سکا"۔

نسرین بولی: "کوئی بات نہیں بھائی جان۔ خان صاحب کے پاس آپ نے ناشتہ کیا ہو گا نا، پراٹھا نہیں کھایا ہو گا۔ ایسا پراٹھا تو کبھی نہیں کھایا ہو گا۔ جیسا آپا فہمیدہ بناتی ہیں"۔

فہمیدہ نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے سر جھکا لیا اور نسرین نے ڈھکنا اٹھا کر پراٹھوں کی پلیٹ پیش کرتے ہوئے اسے کہا۔

"بھائی جان ذرا چکھ کر دیکھئے"۔

یوسف نے ایک پراٹھا اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور ایک لقمہ کھانے کے بعد کہا۔ "نسرین تم غلط نہیں کہتی تھیں"۔

"بھائی جان آپا جان کے متعلق میں کبھی غلط نہیں کہا کرتی۔ آپا جان کے پراٹھوں کی خوبی یہ ہے کہ ایک لقمہ منہ میں ڈالنے والا پورا پراٹھا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے"۔

یوسف نے کہا "نہیں بھئی تمہیں یہ کہنا چاہیئے کہ اگر ایک لقمہ کھانے والے کا پیٹ پہلے ہی بھرا ہو، تو بھی آدھا پراٹھا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے"۔

"چلئے بھائی جان یوں بھی ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آدھا کھانے کے بعد آپ کا باقی آدھا کھانے کو بھی جی چاہے تو آپ کو جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیئے"۔

یوسف نے چند منٹ بعد چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "نسرین بھئی تم یہ بتانا بھول گئی ہو کہ تمہاری باجی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے پراٹھے کھانے سے فوراً نیند آ جاتی ہے"۔

صفیہ نے پوچھا۔ "بیٹا طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ کچھ تھکے تھکے سے معلوم ہوتے ہو"۔

"خالہ جان میں نے بڑی لمبی سیر کی تھی۔ لیکن نیند آنے کی وجہ تھکاوٹ نہیں۔ بات یہ ہے کہ مجھے بہت عرصے سے نیند کم آتی ہے۔ رات مجھے بہت نیند آنی چاہیئے تھی، لیکن آپ سے ملنے کی خوشی اس قدر زیادہ تھی کہ میں سو نہ سکا ــــ مجھے وہ باتیں یاد آتی رہیں جنہیں میں اپنے خیال کے مطابق بھول چکا تھا۔ اور اب میں لیٹتے ہی سو جاؤں گا"۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ نسرین اس بات کا خیال رکھے گی۔ کہ کوئی تمہاری نیند میں مخل نہ ہو۔ امید ہے کہ دوپہر کے کھانے کے وقت بلقیس بھی یہاں پہنچ جائے گی"۔

"خالہ جان وہ جس وقت آئیں مجھے جگا دیجئے گا"۔

"بیٹا تم فکر نہ کرو۔ وہ تمہیں دیکھ کر اتنا شور مچائے گی کہ تم خود ہی جاگ جاؤ گے"۔

یوسف اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ اور چند منٹ بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ ایک دلکش خواب دیکھنے کے بعد کروٹ بدلتا۔ تو دوسرا خواب شروع ہو جاتا۔ بالآخر اسے نیم خوابی کی حالت میں چند آوازیں سنائی دیں۔ اور کسی نے "میرا بیٹا!" کہہ کر اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

"امی جان" اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور یکایک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

"میں بلقیس ہوں بیٹا" اس پر جھکی ہوئی خاتون نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر تم اپنے دل پر بوجھ محسوس نہ کرو۔ تو مجھے امی جان کہہ سکتے ہو۔"

"شکریہ امی جان۔ اگر آپ اجازت دیں، تو میں ہمیشہ آپ کو امی جان کہا کروں۔"

"یوسف تمہارا مطلب ہے کہ میں یہ سمجھ لوں کہ تمہاری ساری ناراضگی دور ہو چکی ہے، تم مجھ سے خفا نہیں ہو؟ میں نے تمہیں بے عزت کر کے گھر سے نکالا تھا۔"

"امی جان میں آپ سے قطعاً خفا نہیں تھا۔ آپ کو اس وقت بھی ایک ماں کے حقوق حاصل تھے۔"

بلقیس نے صفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھا بہن صفیہ میں بلا وجہ دیوانی نہیں ہو رہی تھی۔ اب جلدی سے کھانا رکھواؤ میرے بیٹے کو بھوک لگ رہی ہو گی۔"

نسرین بولی "چچی جان آپ کے بیٹے کی بھوک کا ہم سب کو خیال ہے آپ دسترخوان بچھائیے۔ کھانا ابھی پہنچ جائے گا۔ بھائی جان نے شاید نہانا ہو۔"

"ہاں بیٹا جلدی سے نہالو۔"

"امی جان میں دس منٹ میں آتا ہوں۔"

"بیٹا پندرہ منٹ سے پہلے آجانا۔ میں تمہیں اچھی اچھی باتیں بتانے کو بے تاب ہوں۔"

"جی میں دس منٹ میں آجاؤں گا۔"

یوسف اٹھ کر چلا گیا۔ اور بلقیس نے صفیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"صفیہ بہن، یہ بڑا مبارک دن ہے۔ تمہیں میں ایسی باتیں بتاؤں گی۔ کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ کہتے ہیں کہ نیک لوگوں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ موت سے پہلے یوسف کی والدہ کیا دعائیں مانگا کرتی تھیں اور میں یہ بھی سمجھ سکتی ہوں کہ یوسف جس کو نیکی اور پاکیزگی اپنی ماں سے ملی ہے۔ کیا دُعائیں کرتا ہو گا۔ اور اس کی دعاؤں میں کتنا اثر ہو گا۔ جب ایسے لوگوں کی دُعائیں قبول ہونے کا وقت آتا ہے تو چاروں اطراف سے ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے ——— صفیہ انشاء اللہ کل تک تمہاری تمام الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ شکر ہے کہ دہرہ دو دن میں بھائی جان کسی مصروفیت کے باعث مجھے نہیں مل سکے۔ ورنہ اُن کے ساتھ شاید کچھ تلخ باتیں ہوتیں۔ ان کی بیگم نے اس چوہنچ کی کچھ طرف داری کی تھی۔ لیکن جب میں نے دو تین سنائیں۔ تو وہ خاموش ہو گئیں۔"

"ارے وہ چوہنچ کون ہے؟ جس کی انہوں نے طرف داری کی تھی۔"

نسرین بولی۔ "امی جان میں سمجھ گئی ہوں۔ وہ چوہنچ کمال الدین ہو گا۔ اور کون ہو سکتا ہے ——— چلئے اب دسترخوان پر بیٹھئے، بھائی جان آرہے ہیں۔"

چند منٹ بعد وہ اطمینان سے کھانا کھا رہے تھے۔ بلقیس کچھ دیر پیار سے یوسف کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے کہا ———:

"بیٹے یوسف ابھی تک مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ اگر تم فہمیدہ کی موجودگی میں یہ کہو۔ کہ میری طرف سے جو بدسلوکی ہوئی تھی۔ اس کا تمہارے دل میں واقعی کوئی رنج نہیں۔

اور فہمیدہ یہ کہے کہ اسے تمہاری بات پر یقین آگیا ہے۔ تو مجھے اطمینان ہو جائے گا۔"

فہمیدہ بولی "چچی جان اِن کے جواب کے بغیر آپ کو یہ اطمینان دِلا سکتی ہوں کہ یوسف صاحب آپ سے قطعاً ناراض نہیں تھے۔ آپ نے اِن کی پریشانیوں میں کچھ اضافہ ضرور کیا تھا۔ اور اس کے لیئے بھی وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے ہیں۔"

یوسف نے کہا "چچی جان مائیں اپنے بچوں کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی ان کے دل کے حالات سمجھ لیا کرتی ہیں۔ اور میں آپ کے ساتھ اس اعتماد کے ساتھ بات کر رہا ہوں کہ آپ مجھے ایک سعادت مند بیٹا سمجھتی ہیں۔"

بلقیس کی آنکھوں میں اچانک آنسو اُمڈ آئے اور بولی "اللہ تمہیں بڑی عمر دے اللہ تمہیں بے شمار خوشیاں دے اور میں تمہاری بہت سی خوشیوں میں حصہ لوں۔"

نسرین بولی "ہم سب چچی جان" ۔

بلقیس جلدی سے آنسو پونچھ کر ہنس پڑی۔ اور بولی "ہاں بیٹی مجھے معلوم ہے ہم سب اس کے لیئے یہی دُعا کرتے ہیں۔"

"لیکن چچی جان آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے تھے؟"

"بیٹی وہ تشکر کے آنسو تھے۔ تمہیں یاد ہے کہ فہمیدہ نے یوسف کی طرف تمہارے ایک خط میں اپنی طرف سے لکھا تھا کہ "وہ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں جو دوسروں میں خوشیاں تقسیم کرتے ہیں"۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا یہ بیٹا اس دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے آیا ہے۔ اور میں بھی اسے خوش کرنے کے لئے چند باتیں سنانا چاہتی ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اس کے قریب آتے ہیں ان کی دنیا بدل جاتی ہے۔ جن لوگوں نے امینہ کو دیکھا ہے۔ وہ کبھی یہ یقین نہیں کریں گے۔ کہ وہ اچانک کسی دن اتنی معاملہ فہم، ہمدرد اور مدبر بن جائے گی کہ میں اس کی باتیں سن کر سکتے میں آجاؤں گی۔ جب یوسف لاپتہ ہو گیا تھا۔ تو میں تڑپا کرتی تھی۔ بہت رویا کرتی تھی۔ بہت دعائیں کرتی تھی۔ مجھے

رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ پھر جب ہماری ملاقات ہوئی تو اس نے کہا "چچی جان میں دو تین دِن سے ٹیلی فون کرنے کا سوچ رہی تھی۔ اب خدا کا شکر ہے کہ آپ میری بات سنتے ہی یہاں تشریف لے آئیں۔ یوسف صاحب کے متعلق آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے اور میرا اندازہ تھا۔ کہ اس بات کا ان پر بہت زیادہ اثر ہوا تھا۔" میں نے فوراً پوچھا تھا کہ "بیٹی خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟" وہ بولی "چچی جان میں نے یہ محسوس کیا تھا۔ کہ انہیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اچانک اپنی زندگی کے سارے پروگرام بدل دیئے ہیں اور اب فوج میں کمیشن لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ میرے والدین کے طرزِ عمل اور شاید میرے طرزِ عمل سے بھی بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ وہ مجھ سے منگنی کرانے پر خوش ہیں۔ یا ان کے نزدیک میری کوئی اہمیت ہے ۔۔۔ چچی جان وہ لاہور سے کہیں جانے سے پہلے مجھے ملے تھے۔ اور صاف لفظوں میں کہہ گئے تھے کہ تمہیں میرے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے وہ اپنے دل کی ملکہ بنا چکے ہیں۔ لیکن میں سمجھ گئی تھی کہ وہ کون ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ فوج میں شامل ہوتے ہی کہیں باہر چلے جائیں گے اور کافی عرصہ واپس نہیں آئیں گے۔ اس بات سے مجھے بڑا صدمہ ہوا تھا۔ امینہ جانے سے پہلے اپنے پرس سے وہ انگوٹھی نکال کر مجھے دے گئی تھی۔ جو یوسف کے والد نے اسے دعوت کے موقع پر پہنائی تھی، لیکن یوسف کی عدم موجودگی میں اس کے والدین نے وہ انگوٹھی یہ کہہ کر اپنے پاس رکھ لی تھی کہ جب یوسف بذاتِ خود موجود ہوگا۔ تو تمہاری بیٹی خوشی سے یہ انگوٹھی پہن لے گی، اُتنی دیر یہ ہمارے پاس یوسف کی امانت رہے گی، میں نے پہلے تو وہ انگوٹھی اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب اس نے یہ کہا "چچی جان یہ انگوٹھی اس خوش نصیب کی ہے۔ جو یوسف بھائی کی دلہن بننے والی ہے۔ کیونکہ آپ اسے بہت پیار کرتی ہیں اس لیئے

آپ کو یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ یہ کہہ سکتی ہیں کہ یوسف بھائی کی طرف سے یہ انگوٹھی اس کی ایک بہن دے گئی تھی۔" مجھے کتنا افسوس تھا کہ میں نے اسے کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ باتیں کرتے ہوئے وہ بہت بھولی اور بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھی اور میں نے اس کے لیئے یہ دُعا کی تھی۔ کہ اللہ اسے ایسا رفیقِ حیات عطا کرے جو یوسف جیسا ہو ــــ بعض دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ صفیہ بہن جب آپ کا فون آیا تھا۔ تو میں نے سب سے پہلے امینہ کو اطلاع دی تھی اور وہ بہت خوش تھی۔ اگلی صبح جب میں گاڑی پہ سوار ہو چکی تھی اور گاڑی چلنے میں صرف چند منٹ باقی تھے۔ تو یوسف کا دوست منظور بھاگتا ہوا میرے ڈبے میں داخل ہوا۔ وہ بھی بہت خوش تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔"چچی جان آپ مجھے مسوری میں اپنا ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر لکھوا دیں۔ پھر انشاءاللہ امینہ بہت جلد آپ کو ایک خوش خبری سنائے گی علی الصبح میں اور امینہ یوسف صاحب کے والد سے ملے تھے وہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکل ہی رہے تھے کہ ہم موٹر سے اُتر کر ان کے ساتھ ہو لئے تھے اور انہیں یہ بتا کر بڑی دعائیں لیں کہ یوسف زندہ اور سلامت ہے۔ پھر یہ بات امینہ نے شروع کی۔ "چچا جان آپ یوسف صاحب کی مرضی کے بغیر اُن کی شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

انہوں نے پہلے تو یہ جواب دیا۔ کہ "مجھے تمہاری اور تمہارے والدین کی عزت کا خیال تھا۔" امینہ فوراً بولی۔"آپ میرے بزرگ ہیں۔ لیکن یہ میں کبھی نہیں سمجھ سکوں گی۔ کہ آپ کو یوسف جیسے بیٹے کی خوشی سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز ہو سکتی ہے۔" میاں صاحب سناٹے میں آ گئے اور کہنے لگے۔"بیٹی تمہارے خیال میں مجھے یوسف کی خوشی کی خاطر اس بات کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیئے کہ اس نے امینہ جیسی معصوم لڑکی کا دل دکھایا ہے۔"
امینہ نے جواب دیا۔"چچا جان معصوم لڑکی یہاں موجود ہے اور یہ کہتی ہے۔ یوسف بھائی

نے کسی کا دل نہیں دُکھایا۔"

عبدالرحیم کچھ کہنے کی بجائے حیرت سے امینہ کی طرف دیکھتا رہا ــــ ہم نے ان سے اجازت لی اور فوراً اسٹیشن پہنچے۔ توبہ! اتنی لمبی گاڑی اور اسٹیشن پر اتنی بھیڑ تھی کہ ہم نے بڑی مشکل سے آپ کو تلاش کیا۔" اتنی دیر میں امینہ بھی ہانپتی ہوئی ڈبے میں داخل ہوئی۔ میں اُٹھ کر اسے گلے ملی اور بولی۔"بیٹی تم منظور صاحب کے ساتھ آئی ہو؟"

"جی چچی جان ہم وقت پر پہنچنا چاہتے تھے، لیکن یوسف صاحب کے والد صاحب ناشتہ کھلانے پر مُصر تھے۔ پھر اُن کی باتیں بہت لمبی ہو گئی تھیں۔ ہم بھاگم بھاگ اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ گاڑی چلنے والی ہے۔ میں نے منظور صاحب کو کار سے اُتار کر پلیٹ فارم کی طرف بھگا دیا اور مجھے کسی موزوں جگہ گاڑی کھڑی کرنے میں دیر لگ گئی۔"

مَیں نے کہا۔"شکر ہے بیٹی کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا۔ تم اُس وقت آئی ہو۔ جب منظور صاحب یوسف کے والد کی کسی بات کے جواب میں تمہارا کوئی دلچسپ جواب سنانے والے تھے۔"

منظور نے کہا۔"چچی جان اب گاڑی چلنے والی ہے۔ چلتے میں ہی فقرہ مکمل کر دیتا ہوں۔ انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ یوسف صاحب نے میرا دل قطعاً نہیں دُکھایا اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ کسی کا دل بھی نہیں دُکھا سکتے۔ وہ بہت صاف گو ہیں اور میں ہمیشہ انہیں اپنا ایک بہت اچھا بھائی سمجھتی رہوں گی۔"

میں نے کہا۔"بیٹی امینہ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی، لیکن اب گاڑی چلنے والی ہے۔ میں یہاں سے روانہ ہوتے وقت ایک بہت بڑا فیصلہ کر چکی ہوں تمہیں اپنے بھائی کی خوشی کے لیئے میری کامیابی کی دُعا کرنی چاہیئے۔"

اس نے کہا۔"چچی جان وہاں پہنچ کر مجھ سے ٹیلی فون پہ بات ضرور کر لیجئے گا اور میں خود بھی آپ سے بات کرنے کی کوشش کروں گی۔ ممکن ہے۔ کہ اگر اچانک کوئی خوشی

کا موقع آیا تو میں آپ کو یہ خوشخبری دے سکوں کہ یوسف صاحب کے ابا جان میرے ابا جان اور شاید میں بھی ان کے ساتھ اچانک مسوری پہنچ جاؤں ——— منظور صاحب آپ اِن کا ٹیلی فون نمبر اور مکان کا پتہ نوٹ کر لیجئے۔ منظور نے اپنی نوٹ بک نکالی اور میں نے اپنا پتہ اور ٹیلی فون نمبر نوٹ کروا دیا۔ اور پھر اتنی فرصت تھی کہ میں اس سے گلے ملی چوما رخصت کیا اور گاڑی چل پڑی۔ مجھے یہ دونوں منظور اور امینہ اس وقت فرشتے نظر آتے تھے۔ وہ فرشتے جن میں مجھے یوسف بیٹے کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔"

نسرین نے کہا۔ "چچی جان میں سمجھتی تھی کہ وہ دیہاتی لڑکی بڑی چالاک ہے۔ لیکن یہ ساری ہوشیاری میرے بھائی کی ہے۔ جو اپنے بہترین دوست کو اُس کی تربیت کے لئے چھوڑ آتے تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "نہیں نسرین ایسا نہ کہو۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "صفیہ بہن جب میں گاڑی پر سوار ہو رہی تھی تو میرا فیصلہ یہ تھا کہ ہم کسی معاملے میں تاخیر نہیں کریں گے۔ میں اُس چوبنج کا انتظار نہیں کروں گی۔"

نسرین نے کہا۔ "امی دیکھا۔ چچی جان کو میرا دیا ہوا نام کتنا پسند آیا ہے؟"

ماں نے کہا۔ "بیٹی تم چپ رہو۔ ہم ایک سنجیدہ بات کر رہے ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بہن یہ خیال مجھے رہ رہ کر پریشان کرتا تھا کہ مسوری یا دہرہ دون میں جب ہمارے خاندان کے لوگ جمع ہوں گے۔ تو یوسف کی طرف سے بات کون کرے گا؟"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی تھیں۔ آپ یہ کہہ سکتی تھیں کہ یوسف میرا بیٹا ہے اور میں اس کی طرف سے بات کروں گی۔"

"ہاں بیٹا۔ آخری چارہ کار تو شاید یہی ہوتا۔ لیکن جب اللہ اپنے کمزور بندوں کی مدد کرتا ہو۔ تو انہیں شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اب میں امینہ کے ٹیلی فون کا انتظار کر رہی

ہوں۔ میں نے ٹیلی فون پر فہمیدہ کے چچا سے ان ناقابلِ یقین واقعات کا ذکر کیا تھا۔ تو وہ کوئی تعجب ظاہر کرنے کی بجائے ہنس پڑے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یوسف کو سمجھنے میں دنیا کو ذرا دیر لگے گی۔ اگر وہ امینہ جیسی لڑکی کے ذہن میں بھی انقلاب نہ لا سکتا۔ تو مجھے تعجب ہوتا۔ میں نے ایک معمولی زمیندار گھرانے کا کوئی نوجوان ایسا نہیں دیکھا جس کے لئے لوگ جان دینے کے لئے تیار ہوں۔ تم فوراً وہاں پہنچو۔ اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس کی زندگی کے خواب ادھورے نہ رہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان جن باتوں کو آپ ایک خواب سمجھتی ہیں وہ میرے نزدیک حقیقت ہیں۔ میں جس قدر غروب آفتاب کے بعد نئی صبح پر یقین رکھتا ہوں۔ اسی قدر اس بات پر یقین رکھتا ہوں۔ کہ میں جو کچھ لکھوں گا۔ وہ بہت پسند کیا جائے گا۔"

فہمیدہ بولی۔ "چچی جان انہوں نے فوج میں ملازمت کا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"بیٹی۔ تمہیں آتے ہی مجھے یہ خوشخبری سنانی چاہیئے تھی۔"

یوسف بولا۔ "امی جان! میں محسوس کرتا ہوں کہ ملازمت کا فیصلہ بدلنے سے مجھے کچھ عرصہ کانٹوں پر چلنا پڑے گا۔ لیکن اس کے باوجود میں بہت خوش ہوں۔ جس راستے پر چلنا میرا مقدر بن چکا ہے۔ مجھے اس کے کانٹوں پر بھی پیار آتے گا۔"

بلقیس بولی۔ "نہیں بیٹا جو لوگ صرف اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا جانتے ہیں۔ انہیں صرف اپنے راستے کے پھولوں کے متعلق ہی سوچنا چاہیئے۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اور یوسف نے بلقیس سے کہا۔ "امی جان اگر آپ آرام کرنا چاہتی ہیں تو آپ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جائیں۔"

"نہیں بیٹا میں ٹیلی فون کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"امی جان آپ سو جائیں۔ جب ٹیلی فون آئے گا تو میں آپ کو جگا دوں گا۔"

"نہیں بیٹا جب تک مجھے ہر بات کا اطمینان نہیں ہو جاتا مجھے نیند نہیں آئے گی میں چاہتی ہوں کہ وہ سب ہمارے دہرہ دون والے بھائی جان کے میدان میں آنے سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ جمیل کی وجہ سے وہ اس حیدر آباد والی چوپنچ کی حمایت میں ڈٹ جائیں گے اور بڑی بد مزگی پیدا ہو گی۔ ویسے یہ مجھے یقین ہے کہ میں انہیں چپ کرا سکوں گی۔ لیکن میرے میاں کی طرف سے بھی تو کوئی اطلاع نہیں آئی کہ وہ پہنچ رہے ہیں کہ نہیں۔"

"امی جان مجھے یقین ہے کہ امینہ کی ایک ہی ٹیلی فون کال سے آپ کو بہت سی اطلاعات مل جائیں گی۔"

"بیٹی امینہ میں خلوص تو بہت ہے، لیکن وہ اتنی ہوشیار تو نہیں ہو سکتی۔"

یوسف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "امی مجھے یقین ہے کہ وہ اب تک ایسے معاملات میں جو میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں منظور کے دماغ سے سوچنے لگ گئی ہو گی۔"

بلقیس کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور اُس نے اٹھ کر رسیور اٹھا لیا۔ اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ "وعلیکم السلام بیٹی۔ میں بالکل بخیریت ہوں اور بڑی بے چینی سے تمہارے ٹیلی فون کا انتظار کر رہی تھی۔ ــــ واقعی بیٹی" ــــ بلقیس نے یہ کہتے ہوئے یوسف کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر رسیور پر بولی "بیٹی ذرا بلند آواز میں بات کرو تاکہ یوسف بھی تمہاری باتیں سن لے ــــ ہاں بیٹی یہیں ہے۔ اور میرے ساتھ رسیور سے کان لگائے کھڑا ہے۔" امینہ کی آواز سنائی دی۔

"بھائی جان السلام علیکم! آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ نے فضل کیا ہے اور تمام باتیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ آپ کے ابا جان ابھی کھانے سے اٹھ کر گئے ہیں۔ آپ سن رہے ہیں نا میری بات؟"

"ہاں میں سن رہا ہوں۔"

"تو پھر بھائی جان میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے۔"

"امینہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم اسی طرح ایک دوسرے کو مبارک باد کے پیغام بھیجتے رہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اپنی چچی جان سے بات کر رہی تھیں۔"

"بھائی جان اس وقت میرے ذہن میں چچی جان اور آپ کے لئے علیحدہ علیحدہ باتیں نہیں ہیں۔ میں یہ دیکھ چکی ہوں کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے کتنے مغموم تھے اور میری خواہش یہ ہے کہ میں مسوری پہنچ کر آپ سب کے قہقہے سنوں۔ آپ کے ساتھ نسرین اور اُن کی امی کے اور سب سے زیادہ بہن فہمیدہ کے۔ آپ انہیں میرا سلام کہہ دیں گے ناں؟"

"بھئی آپ سے بات ختم کرنے کے بعد ہم انہیں ٹیلی فون پر بلا دیں گے اور آپ ان سے جی بھر کر باتیں کر سکیں گی۔"

"تو چچی جان اور بھائی جان جو بات میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ انشاءاللہ میرے والد، یوسف صاحب کے والد اور فہمیدہ بہن کے چچا جان آج شام کی گاڑی سے دہرہ دون کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ نسرین کے ابا جان سے بھی ہماری بات ہو چکی ہے وہ ان کے ساتھ جالندھر سے شامل ہو جائیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ انہوں نے نسرین کی نانی کو بھی ٹیلی فون کر دیا ہے اور انشاءاللہ وہ بھی لدھیانہ سے دہرہ دون کی طرف چل پڑیں گی اور بھائی یوسف اگر آپ میرے ابا جی سے یہ کہہ دیں کہ آپ کی ایک بہن کا بھی آپ کی خوشیوں میں شریک ہونا ضروری ہے تو شاید میں بھی ان کے ساتھ پہنچ جاؤں۔"

"اچھا دو اپنے ابا جان کو ٹیلی فون۔"

"بھائی جان وہ دوسرے کمرے میں فہمیدہ کے چچا سے باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گی اور اگر چچی جان بھی اجازت دیں۔ تو میں ان کی طرف سے بھی کہہ دوں کہ وہ بھی میرا مسوری پہنچنا بہت ضروری سمجھتی ہیں۔"

بلقیس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں بیٹی تم بھاگ کر ان سے کہو کہ یہ میری دلی خواہش
ہے اور اگر انہیں یقین نہ آئے تو انہیں پکڑ کر ٹیلی فون پر لے آؤ۔"
"چچی جان انہیں یہاں لانے کی ضرورت نہیں۔ امی جان میری باتیں سن رہی ہیں۔"
بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹی وہ مسوری کیوں نہیں آرہیں؟"
"چچی جان ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ویسے وہ بہت خوش ہیں ـــــ یوسف
بھائی جان ایک اور مہمان بن بلائے آپ کے پاس پہنچ رہا ہے۔ وہ کھانا کھانے کے
بعد آپ کے اباجان کے ساتھ چلے گئے تھے۔"
یوسف نے جواب دیا۔ "اگر وہ مہمان منظور ہے تو اس کو میری طرف سے تاکید کیجئے
کہ اس کا آنا بے حد ضروری ہے اور اسے یہ بھی کہہ دیجئے گا کہ ہم سب اس کے شکر گزار
ہیں۔ انشاء اللہ میں دہرہ دون کے اسٹیشن پر موجود ہوں گا۔ اب آپ فہمیدہ سے بات
کرلیں ـــــ نسرین اپنی آپا کو بلاؤ۔" فہمیدہ لجاتی شرماتی ٹیلی فون کے کمرے میں داخل ہوئی
اور یوسف نے اس کے ہاتھ میں ریسیور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ اطمینان سے باتیں
کریں میں باہر نکل جاتا ہوں۔"
فہمیدہ نے ریسیور اٹھا کر اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں وعلیکم
السلام! کے بعد کہا۔ "شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سے مل کر مجھے بھی بڑی خوشی
ہوگی۔ گھر میں سب آپ کا بے چینی سے انتظار کریں گے ـــــ نہیں نہیں امینہ
بہن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ آرہی ہیں ـــــ میں بھی آپ سے بہت سی
باتیں کرنا چاہتی ہوں ـــــ اچھا خدا حافظ میں سب کو آپ کا سلام کہہ دوں گی۔"
عصر کی نماز کے بعد یوسف دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ فہمیدہ جھجکتی ہوئی اس
کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ یوسف نے سر اٹھا کر اس کی
طرف دیکھا اور اپنے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں آستین سے پونچھتے ہوئے بولا:

"فہمیدہ میں ایسا محسوس کر رہا تھا۔ کہ میں دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔"
فہمیدہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "جی ہم دونوں دوبارہ زندہ ہوتے ہیں۔ اور یہی حالت
چچی جان کی ہے۔ وہ بھی نماز کے بعد سجدے میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روتی تھیں۔ لیکن
آج کے بعد میں آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا پسند نہیں کروں گی۔ میرا خیال ہے کہ اب ہم
سب کو سیر کرنی چاہیئے۔ چچی جان کا بھی یہی خیال ہے اور امی جان کا بھی۔ ظہیر اور نسرین تو
آپ کو دو مرتبہ دیکھ بھی گئے ہیں۔ چچی جان کے رونے کا تو نسرین پر کوئی اثر نہیں ہوا لیکن
آپ کو سجدے میں سسکیاں لیتے ہوئے دیکھ کر وہ پھوٹ پڑی تھی اور مجھ سے بار بار یہ
کہہ رہی تھی کہ آپا جان آپ خدا کے لئے جا کر دیکھئے۔ کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔ وہ کسی پر آپ کے
سوا اپنی تکلیف ظاہر نہیں کریں گے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ میری بہن کوئی بات نہیں
ہوئی۔ کبھی کبھی اللہ کا کام دیکھ کر لوگ رونے بھی لگ جاتے ہیں۔"
نسرین کمرے میں داخل ہوئی۔ "بھائی جان اب سب رونے دھونے سے فارغ ہو
گئے ہیں اس لئے امی جان اور چچی جان کا خیال ہے کہ اب ہمیں تھوڑی دیر باہر گھوم
آنا چاہیئے۔"
یوسف نے بیٹھے بیٹھے کہا۔ "نسرین آگے آؤ۔"
نسرین آگے بڑھی اور یوسف نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف جھکاتے ہوئے کان میں
آہستہ سے کہا۔
"میری ننھی بہن کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ آج سے میرے سارے اٹھنے بیٹھنے اور سیر
کرنے کے پروگرام اس کی آپا کی خواہش کے مطابق بنا کریں گے۔"
"بھائی جان وہ یہی تو کہنے آئی تھیں کہ ہمیں سیر کے لئے جانا چاہیئے۔ پتہ نہیں یہاں
کن باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ خدا کی قسم بھائی جان۔ میں تو ان کے چہرے سے پڑھ لیا
کرتی ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں ـــــ کیوں آپا جان آپ سیر کے لئے جانا چاہتی ہیں نا؟"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور وہ چند منٹ بعد اسی سڑک پر سیر کر رہے تھے۔ جہاں دُھند کے بادلوں میں نسرین نے اسے دیکھا تھا۔ عشاء کے قریب وہ سیر سے واپس آئے تو یوسف نے صفیہ سے کہا:

"خالہ جان اگر اجازت ہو تو میں چند منٹ کے لئے احمد خان صاحب سے مل آؤں"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا کھانا کھا کر چلے جانا۔"

"نہیں خالہ جان میرا خیال ہے کہ کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کے بعد جاتے جاتے مجھے دیر ہو جائے گی اور خان صاحب اتنی دیر میں سو چکے ہوں گے۔ اب میرے پاس جلدی آنے کا معقول بہانہ ہوگا کہ کھانے پر میرا انتظار ہو رہا ہے۔"

صفیہ بولی۔ "اچھا بیٹا جاؤ۔ خاں صاحب کو مناسب الفاظ میں یہ کہہ دینا کہ شاید کل یا پرسوں انہیں اور ان کے بیٹے کو ہماری کسی دعوت میں آنا پڑے گا۔ اس لئے وہ کہیں باہر نہ جائیں۔"

"بہت اچھا خالہ جان —— چچی جان اب میں آپ سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں اگر خان صاحب کسی دعوت میں ہم سب کا میزبان بننے پر ضد کریں تو مجھے کیا کرنا چاہیے"

"بیٹا تم انہیں کہہ سکتے ہو کہ انہیں ضد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم حاضر ہو جائیں گے۔ ویسے کل مہمان آ رہے ہیں۔ یہ بہتر ہوگا کہ تم خاں صاحب اور ان کے بیٹے کو کل رات کے کھانے پر بلا لو۔ وہ سب انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔"

نصف گھنٹہ بعد یوسف، احمد خان سے باتیں کر رہا تھا۔ احمد خان نے اطمینان سے اس کی سرگزشت سننے کے بعد کہا:

"بھائی یوسف میں بہت خوش ہوں۔ میں شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گا اور خیرات بھی کروں گا۔ مجھے جب کوئی بڑا مسئلہ پیش آتا ہے تو میں اپنی الجھن دور ہونے پر شکرانے کے نفل پڑھنے کا عہد کیا کرتا ہوں۔ کبھی دس، کبھی بیس، کبھی پچاس اور کبھی سو نفل بھی پڑھ

لیا کرتا ہوں۔ اب اگر تمہارے والد کی آمد پر تمہارا مسئلہ ٹھیک ہو گیا تو میں پچاس نفل پڑھوں گا"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا:

"خانصاحب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پرسوں تک آپ کو یہ نفل پڑھنے پڑیں گے میں نے اگرچہ کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ لیکن میں نے پرسوں شام اللہ کے ابر کرم کا پہلا چھینٹا دیکھا تھا اور اس کے بعد مجھے ہر نماز کے بعد چند نفل پڑھنے شروع کر دینے چاہئیں تھے آج عشاء کی نماز کے ساتھ یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جب میں آپ کو پورے اطمینان کے ساتھ اپنی پوری سرگزشت سناؤں گا۔ تو اللہ کی رحمت پر آپ کا ایمان زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ کبھی کبھی اس کی رحمت سے ایسی باتیں ہو جاتی ہیں۔ جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ خان صاحب میں پرسوں سے خواب اور اس کی تعبیر ساتھ ساتھ دیکھ رہا ہوں —— ایک اہم پیغام جو میں آپ کو اس وقت دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کل رات کا کھانا آپ اور خان محمد ان کے ہاں کھائیں گے۔ اس کے بعد شاید آپ کو بہت جلد ایک بڑی دعوت میں شریک ہونا پڑے گا۔"

"بیٹا خان محمد، تم بھاگ کر جاؤ اگر اس درزی کی دُکان کھلی ہے تو اسے کہو کہ ناپ لینے کے لئے جلدی سے یہاں آ جائے۔"

خان محمد جلدی سے باہر نکل گیا تو یوسف نے پوچھا:

"خاں صاحب اس وقت درزی کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟"

احمد خان نے جواب دیا۔ "میرے بھائی خوشی کے موقعوں پر اچھے لباس کی ضرورت پڑا کرتی ہے نا؟ یہ ساری باتیں میرے لئے غیر متوقع نہیں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ تو وہ تمہیں سات سمندر پار سے بھی ڈھونڈ لائیں گے۔"

"خاں صاحب، میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا۔ کہ اگر پرسوں اچانک ہماری ملاقات نہ ہو جاتی۔ تو اس بات کا خدشہ تھا۔ کہ چند ہفتے یا دو تین مہینے بعد ہمارے درمیان ناقابل

عبوُر دریا حائل ہو جاتے ۔"

"ارے بھئی ساری بات سناؤ۔ میں پریشان ہو گیا ہوں ۔"

"خان صاحب! بات یہ تھی کہ اُن کا چھوٹا بھائی جو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کرکے اعلیٰ تعلیم کے لیئے ولایت گیا ہوا تھا۔ واپس آ رہا ہے ۔"

"تو کیا وہ تمہارا مخالف ہے ؟"

"نہیں خان صاحب وہ اپنے ساتھ ایک اور اُمیدوار کو جو وہاں اس کے ساتھ تعلیم پاتا تھا۔ لا رہا ہے۔ اور اس نے اپنے بھائیوں کو خطوط بھی لکھ دیئے تھے۔ میں اس سین سے ویسے ہی غائب ہو چکا تھا۔ اس لیئے میرا معاملہ الٹ پلٹ ہو سکتا تھا۔ ہمارے خاندانوں کے درمیان کوئی بات بھی تو نہیں ہوئی تھی نا۔ کچھ باتیں انہوں نے فرض کر رکھی تھیں۔ کچھ میں نے فرض کر رکھی تھیں۔"

"میرے بھائی یہ تو اتنی خوشی کی بات ہے کہ تمہیں سب سے پہلے یہ بات، مجھے بتانی چاہیئے تھی، لیکن اگر بُرا نہ مان جاؤ۔ تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں خان صاحب آپ جیسے بھائی کی بات کو میں کیسے بُرا مان سکتا ہوں۔"

"بھئی میں یہ کہنا چاہتا تھا۔ کہ جس لڑکی نے آپ کو پسند کیا ہو۔ اس کے متعلق میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ کہ وہ کسی اور کو خاطر میں لا سکتی ہے۔"

"خانصاحب یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اور اُن کے والدین بھی شاید کسی اور پر خوش نہ ہوتے۔ لیکن معصوم سی جان پر تمام رشتہ داروں کا یہ حملہ اتنا بڑا ہوتا کہ وہ آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کر سکتیں۔ اور میں بھی انہیں کسی آزمائش میں ڈالنا پسند نہ کرتا۔"

احمد خان نے ہنستے ہوئے کہا: "بھئی یہی تو تمہاری وہ بات ہے جو دوسروں کے دل موہ لیتی ہے۔"

خان محمد درزی کو لے کر آ گیا۔ اور احمد خان نے کہا:

"بھائی یوسف پہلے اٹھ کر آپ اپنا ناپ دیں۔ سوٹ کا بھی، اچکن کا بھی اور شلوار قمیص کا بھی۔ اور اس بات پر کوئی بحث نہیں ہونی چاہیئے۔ میں تمہارے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب تمہارے پاس فالتو پیسے ہوا کریں گے تو مجھے بھیج دیا کرنا میں آنکھیں بند کرکے لے لیا کروں گا اس وقت یہ سمجھو کہ یہ تمہاری ایڈوانس تنخواہ ہے لیکن حساب کتاب اس وقت ہو گا۔ جب تمہارے پاس کافی پیسے ہوں گے ٹیلر ماسٹر صاحب سے میں نے شام کو ہی بات کر لی تھی ——— اچھا ماسٹر صاحب آپ اپنا کام کریں۔"

ٹیلر نے خان محمد کے ہاتھ میں اپنی کاپی دیتے ہوتے کہا: "صاحب آپ لکھتے جائیں۔" اور پانچ منٹ میں یوسف کو ناپ لے کر فارغ کر دیا۔

احمد خان نے کہا۔ "اگر تمہارا کھانا اس طرف ہے۔ تو تم فوراً جاؤ۔ اور انہیں انتظار نہ کرواؤ ——— ایک بات اور نئے لباس کے ساتھ تمہیں نئے جوتوں کی ضرورت ہو گی کل اگر وقت ملے تو آدھ گھنٹہ کے لیئے ادھر آ جانا۔ میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ کوئی نو بجے کے قریب ——— اور سُنو، دہرہ دُون سے انہیں یہاں لانے کے لیئے ضرورت ہو تو میں اپنے دوست کو فون کرکے دو ٹیکسیوں کا بندوبست کروا دوں ؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "جی آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں انہیں سٹیشن سے یہاں پہنچانا میجر صاحب کی ذمہ داری ہو گی۔"

——— ———

مُسرّتیں اور مُسکراہٹیں

گاڑی اسٹیشن پر رُکی۔ یوسف ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ اور اپنے باپ سے لپٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ پھر وہ نصیر، عبدالعزیز اور عبدالکریم کی طرف متوجہ ہُوا اور مصافحہ کرنے کے بعد ان سے بغل گیر ہُوا۔ آخر میں وہ منظور احمد کی طرف متوجہ ہُوا۔ جو گاڑی سے سامان اتار رہا تھا۔ اور آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گیا۔

اتنی دیر میں میجر بشیر اور ان کا بیٹا اور زاردلی مہمانوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ عبدالعزیز نے میجر صاحب سے میاں عبدالرحیم، یوسف، عبدالکریم اور منظور کا تعارف کروانے کے بعد یوسف سے کہا:

"بیٹا تمہاری دو مہمان خواتین کے ڈبے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ تم اطمینان سے انہیں اتار کر پلیٹ فارم سے باہر لے آؤ۔ ہم بھائی صاحب کے ساتھ چلتے ہیں۔ منظور صاحب! آپ سامان کے ساتھ آئیں۔"

یوسف تیز چلتا ہُوا زنانہ ڈبے میں داخل ہُوا۔ وہاں فریدہ احمد اور امینہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ امینہ نے جلدی سے اٹھ کر کہا:

"بھائی جان السلام علیکم!"

وہ "وعلیکم السلام" کہہ کر آگے بڑھا اور بیگم احمد کے سامنے سر جھکا دیا۔ بیگم احمد نے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا: "بیٹا میں نے نسرین کے چچا کو کہہ دیا تھا کہ اگر

یوسف کو میں نے پلیٹ فارم پر نہ دیکھا تو یہیں سے واپس چلی جاؤں گی۔ میں شاید تم سے بات نہ کرتی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ نیک بچی میرے ساتھ تھی اور اس کی باتیں سُن کر میرے سارے گلے دُور ہو گئے تھے۔ پھر بھی مجھے اس بات کا رنج تھا کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پیش آئی تھی۔ تو مجھے کیوں نہ لکھا۔"

"ماں جی مجھ پر جو چھوٹی سی آزمائش آئی تھی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے دعاؤں کی ضرورت تھی۔ اور اس بات کا مجھے یقین تھا کہ آپ میرے لئے دعائیں ضرور کرتی ہوں گی۔ اور بہن امینہ کا بھی میں بہت شکر گزار ہوں۔ انہوں نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے شاید موزوں الفاظ کبھی بھی نہ ملیں۔ اب آپ گاڑی سے اُتریں۔ وہ سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں ــــــ میں آپ کو سہارا دوں؟"

بیگم احمد نے اٹھ کر ہنستے ہوئے کہا: "بیٹا سہارے کی ضرورت بوڑھوں کو ہوتی ہے اور تم جیسے بیٹوں کی مائیں کبھی بوڑھی نہیں ہوتیں۔"

امینہ نے بیگم احمد کا چھوٹا سا بیگ اٹھا لیا۔ اور وہ گاڑی سے اُتر پڑے۔ یوسف نے پوچھا: "باقی سامان کہاں ہے؟"

"وہ فضل دین پچھلے اسٹیشن سے ابا جی کے ڈبے میں رکھوا آیا تھا۔"

"فضل دین بھی آپ کے ساتھ آیا ہے؟"

"جی ہاں۔ اس کی خوشی کے مارے یہ حالت تھی کہ اگر ہم اسے ساتھ نہ لاتے تو وہ پیدل ہی چل پڑتا۔ اس نے منظور صاحب سے ابا جی کے پاس سفارش کروائی تھی۔"

"عجیب بات ہے کہ میں نے اُسے دیکھا ہی نہیں۔"

"جی آپ نے اسے دیکھا ہو گا۔ لیکن نئے لباس میں اُسے پہچان نہیں سکے ہوں گے منظور صاحب نے اسے اپنی فالتو ترکی ٹوپی دے دی تھی۔ ابا جی کی ایک پرانی اچکن

بھی اسے فٹ آگئی تھی۔ جیسے وہ مسوری کی ٹھنڈی ہوائیں پہننا چاہتا ہے۔"

دوپہر کے وقت وہ مسوری میں عبدالعزیز، میجر بشیر کے بال بچوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ میجر بشیر شام کے وقت بال بچوں کے ساتھ آنے کا وعدہ کر کے دہرہ دون جا چکے تھے۔ میاں عبدالرحیم، عبدالعزیز اور عبدالکریم کھانا کھاتے ہی لیٹ گئے۔ بیگم احمد، صفیہ اور بلقیس کے ساتھ باتیں کرتے کرتے قالین پر لیٹ گئیں۔ صفیہ نے اٹھتے ہوئے بلقیس سے کہا۔

"بہن میں ذرا باہر جا کر شام کے انتظامات دیکھ آؤں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں ــــ ارے وہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی؟"

"کون، امینہ؟" صفیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے کھانا کھانے کے بعد نسرین کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے وہ اس وقت فہمیدہ کے پاس بیٹھی ہوئی ہوگی۔"

وہ کمرے سے باہر نکلیں۔ تو یوسف دکھائی دیا۔ بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹا! تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"جی میں مسجد میں نماز کے لئے گیا تھا۔"

"اچھا بیٹا! اب میں تمہیں دوبارہ مبارک باد دیتی ہوں۔ فہمیدہ کی نانی جان کا آنا ہمارے لئے بہت اچھا شگون تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میجر صاحب ایک مرتبہ شور مچانے کی کوشش کریں گے، لیکن فہمیدہ کی نانی جان نے آتے ہی کوئی ایسی بات کہہ دی کہ انہیں کچھ کہنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کے تیور بھی دیکھ لئے تھے۔ اب تم فوراً خان صاحب کے پاس جاؤ۔ وہاں نہا دھو کر لباس تبدیل

کرو۔ اور انہیں ساتھ لے کر یہاں پہنچو۔ ہمیں آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ دعوتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

یوسف متعجب سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور بلقیس ہنستے ہوئے بولی:

"ارے میری طرف بیوقوفوں کی طرح کیا دیکھتے ہو۔ تمہارا نکاح ہونے والا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو امڈ آئے۔

صفیہ مسکراتی ہوئی باورچی خانے کی طرف نکل گئی۔ اور یوسف نے کہا۔ "چچی جان! کیا اتنی اہم خبر سنانے کے بعد آپ مجھے بیوقوفوں کی طرح دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیں گی۔ کبھی کبھی بچے بہت بڑا انعام پا کر ماؤں کی طرف اس طرح بھی تو دیکھا کرتے ہیں نا"

یوسف مسکرا رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔

نسرین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ اور اس نے ایک ہی نظر میں یوسف اور بلقیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"پھر کوئی بات ہو گئی بھائی جان؟"

"کچھ نہیں نسرین! کبھی خوشی کے موقع پر تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آئے؟"

نسرین بولی۔ "اس دن جب آپ اچانک مل گئے تھے۔ تو مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دوں گی، لیکن میں نے بڑی مشکل سے ضبط کیا تھا۔ اور جب آپ آپا فہمیدہ سے باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ تو میں منہ پھیر کر آنسو بہا رہی تھی۔"

"بس یہی سمجھ لو کہ میری بھی آج یہی حالت ہے۔"

"اُف بھائی جان! وہ کہتی ہوں گی کہ باتونی لڑکی کہیں باتوں میں مصروف ہو گئی ہوگی۔ میں آپا امینہ کے نوکر کو یہ کہنے آئی تھی کہ ان کا بکس اٹھا کر لے آئے۔ انہوں نے کچھ چیزیں نکالنی ہیں ــــ"

یوسف نے کہا۔ "تم جاؤ میں اُسے ابھی بھیج دیتا ہوں"۔

"لیکن بھائی آپ بھول نہ جائیں"۔ نسرین یہ کہہ کر واپس چلی گئی اور یوسف بلقیس سے مخاطب ہوا۔

"چچی جان میں کچھ دیر اور بیوقوفوں کی طرح آپ کی طرف دیکھ سکتا ہوں؟"

"بیٹا جب اس کام سے فرصت ہوگی۔ تو میری یہ خواہش ہوگی کہ تم ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہو"۔

"تو پھر میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ کیا وہ سچ ہے۔ یا میں نے کوئی خواب دیکھا ہے؟"

"بیٹا مجھے بھی یہ خواب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے۔ اب تم جاکر آرام کرو۔ اور پھر نہا دھو کر کپڑے بدل کر وقت پر آجانا۔ کہیں یہ نہ ہو کہ تم سوئے رہو اور ہم انتظار ہی کرتے رہیں"۔

یوسف نے کہا۔ "چچی جان! یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ مجھے اب نیند بھی آسکتی ہے۔ مجھے تو یہ خدشہ رہے گا۔ کہ پروگرام میں کوئی خلل نہ آجائے۔ اگر حکم دیں تو میں مولوی صاحب کو بھی ساتھ لیتا آؤں"۔

بلقیس ہنس پڑی۔ "بڑے شریر ہو تم۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم نے یہ بات نہیں سوچی ہوگی ـــــ اچھا یوں کرو۔ پہلے تم نوکر کو امینہ کا بکس دے کر اندر بھیج دو۔ پھر میں تم سے ایک بات کروں گی"۔

"بہت سی باتیں کریں چچی جان! مجھے آرام کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ابھی نوکر کو بھیج کر آتا ہوں۔ وہ باہر چیڑ کے درخت کے نیچے ہمارے لئے کرسیاں بھی رکھ دے گا۔ آپ اتنی دیر میں خالہ صفیہ سے کہہ آئیں۔ کہ آپ اپنے بیٹے کے کان کھینچنا چاہتی ہیں"۔

"نہیں بیٹا ابھی تو میں صرف دو ایک منٹ ہی بات کروں گی۔ لمبی باتیں بعد میں ہوں گی"۔

ایک منٹ بعد فضل دین بکس اٹھا کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ اور یوسف اور بلقیس پھر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ بلقیس کہہ رہی تھی: "بیٹا! تمہاری ماں سے میری دوستی کا زمانہ بہت مختصر تھا، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں برسوں سے انہیں جانتی تھی اور دل سے انہیں پیار کرتی تھی۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ جب وہ آخری سانس لے رہی تھیں۔ تو میں اُن کے ساتھ تھی اور موت سے پہلے انہوں نے مجھ سے اپنے دل کی باتیں کہی تھیں۔ اور اُن کی جو بات مجھے بے حد پسند آئی تھی وہ یہ تھی۔ کہ وہ جس قدر تم سے پیار کرتی تھیں۔ اسی قدر فہمیدہ کو چاہتی تھیں۔ میں اس بات کی گواہ ہوں۔ کہ فہمیدہ کو دیکھنے سے پہلے بھی اس لڑکی کا ایک تصور ان کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ اور وہ اسے اپنی بہو بنانے کے لئے سب کچھ قربان کر دیتیں۔ اور بیٹا یہی حال میرا ہے تم فہمیدہ کو صفیہ کی بیٹی نہیں بلکہ میرے جگر کا ٹکڑا سمجھو۔ اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمہارا ہی تصور تھا۔ جو مجھے فہمیدہ کے لئے بے چین رکھتا تھا۔ میں تمہیں اس کا رفیقِ حیات بنانے کے لئے ساری دُنیا کے ساتھ جنگ کرنے کو تیار تھی۔ بیٹا اب میں تم سے ایک سوال پوچھتی ہوں اور یہ سمجھ کر اس بات کا جواب دو۔ کہ ہمارا خالق ہماری باتیں سُن رہا ہے اور وہ سوال یہ ہے: کہ تم فہمیدہ کو کتنا چاہتے ہو؟"

"چچی جان! اس سوال کا جواب تو فہمیدہ بہتر دے سکیں گی۔ لیکن میں آپ کو اس وقت یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر یہ معجزہ نہ ہوتا۔ تو میں کبھی شادی نہ کرتا"۔

"بیٹا میری بے چینی کی وجہ یہی تھی۔ اب تم بھاگو اور مولوی کی فکر نہ کرو۔ اسٹیشن سے نکلتے ہوئے جو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب تمہارے چچا کو ملے تھے۔ وہ ٹھیک چار بجے مولوی صاحب کو لے کر پہنچ جائیں گے"۔

"اچھا چچی جان میں نے ابھی تک اپنے دوست سے کوئی بات نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ میں دبے پاؤں جاکر اسے جگاؤں اور اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اور سنو کسی اور بات کی فکر نہ کرنا۔ امینہ نے جو انگوٹھی مجھے واپس دی تھی وہ تمہارے ابا جان دلہن کو پہنائیں گے۔ وہ فہمیدہ کو دیکھنے کے لئے بہت بے چین تھے۔ ابھی اٹھیں گے تو میں انہیں اس کے پاس لے جاؤں گی۔ تمہاری بہن امینہ اتنے تحائف لائی ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے اور وہ ان تحائف میں عروسی جوڑا بھی لائی ہے جسے میں نے کھول کر دیکھا تو مجھے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ وہ فہمیدہ کے قد کے عین مطابق ہے۔ وہ کہتی تھی۔ کہ فہمیدہ کے ناپ کی چیزیں بنانے کے لئے اسے ایک نظر دیکھ لینا کافی تھا اور میں نے اسے اچھی طرح دیکھا تھا یہ پڑھنے میں جس قدر نالائق تھی۔ اسی قدر زیادہ سینے پرونے میں دلچسپی لیا کرتی تھی۔ اور یوسف بھائی جان کی دلہن کے کپڑے سیتے ہوئے۔ مجھے ایک روحانی تسکین محسوس ہوتی تھی۔ بیٹا بہت اچھی لڑکی ہے وہ۔ شاید ہم سب اسے غلط سمجھتے تھے بیٹا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس پر کیا جادو کر دیا ہے۔"

"چچی جان میں نے اس پر کوئی جادو نہیں کیا۔ اسے اپنی اچھائی ظاہر کرنے کے لئے زندگی میں ایک بہت بڑا موقع ملا تھا۔ جو اُس نے ضائع نہیں کیا۔ بعض لوگ طغیانی میں تیرتے ہیں اور بعض کھڑے پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔"

"ارے اس قسم کی باتیں کوئی اور کر بھی تو نہیں سکتا تھا نا اس کے ساتھ۔ اب جاؤ مجھے کوئی کام کرنے دو۔"

"اچھا چچی جان خدا حافظ۔"

یوسف مہمانوں کے کمرے میں داخل ہوا منظور جاگ رہا تھا۔ یوسف نے آہستہ سے کہا:

"ذرا جوتے پہن کر باہر نکلو۔ میں تمہیں اپنی قیام گاہ دکھا دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم واپس آکر لباس تبدیل کرنا اور وہاں پہنچ جانا۔ ہم احمد خان صاحب کے ساتھ یہاں چائے پر آئیں گے۔"

منظور نے جلدی سے جوتا پہنا اور اس کے ساتھ چل دیا۔ یوسف نے اسے سڑک پر پہنچتے ہی کہا:

"کہ دیکھو بھئی راستے کا خیال رکھنا اگر بھول جانے کا ڈر ہو تو میں وہاں سے نوکر تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔"

"بھئی تم میری فکر نہ کرو۔ مجھے تمہارا ڈر ہے کہ کہیں راستہ بھول کر خانصاحب کو کسی اور طرف نہ لے جاؤ۔ لیکن تم بڑی جلدی میں ہو خیر تو ہے؟"

"سب ٹھیک ہے بھئی۔ میں تمہیں اس لئے ساتھ لایا تھا کہ تم سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔"

منظور نے کہا: "یار جو باتیں کرنے والی تھیں۔ وہ تو تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے کہ تمہیں معلوم ہو چکی ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اطمینان سے نہا دھو کر تیاری کروں۔ اور تم بھی اطمینان سے خان صاحب کو ساتھ لے کر آؤ۔"

"اچھا تم جاؤ لیکن یہاں سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ خان صاحب کے پاس لے آؤں گا۔ اور پھر ہم خوب باتیں کریں گے۔"

"یار یہ بھی میری خوش قسمتی ہو گی کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد تم اس خاکسار سے باتیں کرنا پسند فرماؤ گے۔"

امینہ، فہمیدہ کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی:

"میری بہن آپ عام لباس میں بھی ایک شہزادی معلوم ہوتی ہیں۔ جب میں آپ

کے کپڑے سیا کرتی تھی۔ تو میں ایسا محسوس کرتی تھی کہ یہ میری زندگی کا اہم ترین کام ہے مجھے ان کپڑوں پر بھی پیار آتا تھا۔ اب میں یہ چاہتی ہوں۔ کہ جب تک میں یہاں رہوں صرف آپ کی طرف دیکھتی رہوں اور آپ سے باتیں کرتی رہوں۔"

فہمیدہ نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:

"امینہ بہن تمہارے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔ شاید میں نے کبھی غور سے نہیں دیکھے تھے، اور تم پہلے سے خوب صورت بھی نظر آرہی ہو ——"

—— فہمیدہ نے کہا: "امی جان نے مجھے کئی بار کہا تھا۔ کہ اگر تم چاہو تو میں دہرہ دُون سے چند لڑکیوں کو بلاؤں۔ لیکن چچی جان نے بتایا کہ اس موقع پر امینہ کے سوا مجھے کسی اور سہیلی کی رفاقت کی ضرورت نہیں۔"

امینہ بولی "اور میں سارا راستہ اس خیال سے پریشان رہی۔ کہ وہاں نامعلوم کتنی شوخ و طرار لڑکیوں نے میری شہزادی بھابی کو اپنے جھرمٹ میں لے رکھا ہوگا۔ اور مجھے آپ سے باتیں کرنے کا موقع ملے گا بھی یا نہیں۔"

فہمیدہ نے مسکرا کر گردن جھکالی۔

بلقیس کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے امینہ سے پوچھا:

"بیٹی دکھا دیئے تم نے کپڑے اپنے بھائی کی دُلہن کو؟"

فہمیدہ نے پھر گردن جھکالی۔ اور نسرین بولی:

"آپا جان اب تو لوگ آپ کو اسی طرح پکارا کریں گے۔ آپ کب تک شرماتی رہیں گی"

امینہ ہنستی ہوئی اٹھی اور اس نے بکس کھولتے ہوئے پہلے کمخواب کا عروسی جوڑا فہمیدہ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر تین اور ریشمی جوڑے یکے بعد دیگرے نکالتے ہوئے کہا:

"یہ بھی میں نے اپنے خیال کے مطابق آپ ہی کے ناپ کے بنائے ہیں۔ احتیاطاً ان میں اتنی گنجائش رکھ دی ہے کہ انہیں کھلا کیا جا سکتا ہے۔" پھر اس نے تین سنہری جوتیوں

کے جوڑے سامنے رکھتے ہوئے کہا

"ان کے متعلق میرا اندازہ غلط ہو سکتا ہے۔ لیکن انہیں دوکاندار سے تبدیل کروایا جا سکے گا۔" پھر اس نے نسرین کی طرف دیکھ کر کہا:

"نسرین اپنا جوڑا اس سوٹ کیس میں سے تم نکالو۔"

نسرین نے جلدی سے کمخواب کا جوڑا نکالا اور ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپا جی یہ میرا ہے؟" نسرین نے پوچھا۔ "ایسے کپڑے تو دلہن کے ہوتے ہیں۔"

"دیکھو نسرین تم میرے شہزادے بھائی کی شہزادی دلہن کی شہزادی بہن ہو۔ اس لئے تمہارے متعلق میرا اور میری امی کا یہی فیصلہ تھا۔ کہ تمہارا جوڑا بھی اسی کپڑے کا ہونا چاہیئے، لیکن تم نے کھول کر نہیں دیکھا۔ اس میں عروسی جوڑے والی کوئی بات نہیں۔ اور تمہارے لئے میں ایک عام جوڑا بھی لے آئی ہوں۔ لیکن آج تم نے اپنی شہزادی آپا کے ساتھ تصویر کھنچوانے کے لئے یہی جوڑا پہننا ہوگا۔ میں بہت اچھا کیمرہ لائی ہوں۔ تمہاری تصویریں اتارنے کے لئے۔" پھر اس نے بلقیس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"چچی جان، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مہمانوں کو باہر کھلی ہوا میں بٹھایا جاتے تاکہ میں روشنی میں تصویریں لے سکوں۔"

"بیٹی تصویروں کے لئے کئی اور انتظام ہو جائیں گے۔ اب فوری مسئلہ یہ ہے کہ یوسف کے اباجی اٹھتے ہی اپنی بہو سے ملنے آئیں گے۔ تم جلدی سے اس کا لباس تبدیل کرواؤ۔ اور اپنی تسلی کر لو۔ اس کام میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگنے چاہئیں جب دہرہ دُون والے آنا شروع ہو جائیں گے تو ہمیں کچھ نہیں سوجھے گا۔"

نصف گھنٹہ بعد عبدالرحیم نے کروٹ بدلی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ بلقیس کمرے میں داخل ہوئی۔ اور اس نے کہا

"بھائی جان چائے بھیجوں؟"

"نہیں بہن اِس وقت میں سادہ پانی کا ایک گلاس پی کر سب سے پہلے اپنی بہو کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب ہے اگر بیٹی سو نہیں رہی تو۔"

"نہیں بھائی جان۔ میں ابھی پانی لاتی ہوں۔ آپ تیار ہو جائیں۔"

عبدالرحیم نے کہا "میں صرف منہ پر ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں مارنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے وضو بھی کر لینا چاہیئے۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھائی جان غسل خانہ اُس طرف ہے۔ میں آپ کی بہو کو اطلاع دے کر ابھی آتی ہوں۔"

عبدالرحیم غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ جب وہ وضو کے بعد واپس آیا۔ تو بلقیس پانی کا گلاس لیئے کھڑی تھی۔ عبدالرحیم نے پانی پیا۔ اور سر پر پگڑی رکھ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے فہمیدہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے "السلام علیکم" کہا اور صفیہ، امینہ اور نسرین ذرا بُلند آواز میں اور فہمیدہ دبی ہوئی آواز میں "وعلیکم السلام" کہہ کر تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ فہمیدہ خوب صورت عروسی جوڑا پہنے ہوئے تھی اور اس نے سنہری دوپٹہ کا پلّو ناک سے نیچے کیا ہوا تھا۔ عبدالرحیم چند ثانیہ تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فہمیدہ کے سَر پر رکھ دیئے۔ امینہ جلدی سے فہمیدہ کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اور اس نے سامنے خالی کُرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"چچا جان تشریف رکھیئے۔"

عبدالرحیم کرسی پر بیٹھ گئے اور امینہ نے فہمیدہ کے ساتھ بیٹھتے ہوتے کہا۔

"چچا جان اگر میں آپ کو چاند سے زیادہ خوب صورت بہو دِکھا دوں تو اُس چھوٹی شہزادی کو کیا انعام ملے گا جس نے بھائی یوسف کو کوئٹہ سے جالندھر کا راستہ دکھایا تھا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا "بیٹی اس مسئلہ میں پرس میرا ہو گا اور اس میں سے نکال کر انعام دینے والے ہاتھ تمہارے ہوں گے۔"

امینہ نسرین سے مخاطب ہوئی۔

"نسرین ادھر آؤ۔"

نسرین قریب آئی، تو اس نے اُسے بازو سے پکڑ کر فہمیدہ کے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا: "نسرین اپنی آپا جان کے کان میں کہو کہ یوسف بھائی کے ابا جان اپنی چاند سے پیاری بہو کو دیکھنے آئے ہیں۔ اور وہ اس وقت سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔"

نسرین نے شرارت آمیز تبسّم کے ساتھ فہمیدہ کے کان سے منہ لگا دیا۔ اور وہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی اور اس کے ساتھ ہی امینہ نے اس کا دوپٹہ ذرا اوپر کر دیا۔ میاں عبدالرحیم چند ثانیئے تحیّر کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے بلقیس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بہن قدسیہ کے خوابوں کی کوئی تعبیر اس سے بہتر نہیں ہو سکتی تھی۔ کاش! میں چند منٹ کے لئے اسے یوسف کی ماں کی آنکھوں سے دیکھ لیتا، بہن صفیہ! آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اب میری سب سے بڑی دُعا یہ ہُوا کرے گی۔ کہ یوسف اِس نیکی کا مستحق ثابت ہو۔"

"واہ بھئی یوسف کے ابا کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ یوسف اس دنیا میں کتنے انعامات کا مستحق ہے۔"

سب نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ بیگم احمد کمرے میں داخل ہوئیں۔ اور خواتین تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ امینہ نے صوفے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

"آئیے آپ اس طرف بیٹھیں۔"

"نہیں بیٹی۔ میں اس شہزادی کے ساتھ اس کے شہزادے کو دیکھنا چاہتی ہوں

تم نے یوسف کو یہاں کیوں نہیں بٹھایا؟"

"یوسف ابھی آجائے گا۔ آپ تشریف رکھیئے۔" بلقیس نے کہا۔

پھر اُس نے اپنے پرس سے ایک ڈبیہ نکالی اور عبدالرحیم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب یہ انگوٹھی آپ اپنی بہو کو اپنے ہاتھوں سے پہنا دیجئے۔"

عبدالرحیم نے ڈبیہ کھول کر اس میں سے انگوٹھی نکالنے کے بعد بیگم احمد کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا،

"بہن جی، یہ انتخاب آپ کا ہے۔ اور میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہی اپنی دعاؤں کے ساتھ فہمیدہ کو انگوٹھی پہنا دیجئے۔"

انہوں نے اٹھ کر فہمیدہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کا خوب صورت ہاتھ پکڑ کر پیار سے چوما اور انگلی میں انگوٹھی ڈالی اور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا لیئے۔ اس کے ساتھ ہی باقی سب نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیئے۔ دعا ختم کرنے کے بعد وہ باری باری عبدالرحیم، صفیہ اور فہمیدہ کو مبارک باد دے رہے تھے۔ عبدالرحیم نے اپنا پرس جیب سے نکال کر کھولا اور اس میں سے پانچ سو کے نوٹ نکال کر فہمیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہ لو بیٹی یہ ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔ کاش میں خزانوں کا مالک ہوتا۔ اور یہ خوبصورت ہاتھ جواہرات سے بھر دیتا۔"

فہمیدہ نے ایک نظر اپنی ماں اور چچی کی طرف دیکھا اور پھر عبدالرحیم کے ہاتھ سے نوٹ پکڑتے ہوئے کہا:

"شکریہ ابا جان یہ میرے لئے خزانے سے کم نہیں۔"

پھر عبدالرحیم نے اپنی جیب سے سو سو کے دو اور نوٹ نکالے اور کہا:

"نسرین بیٹی یہ تمہارے لئے ہیں۔ یوسف کی ماں تمہیں رحمت کا فرشتہ کہا کرتی تھی۔"

یوسف کی ماں کے ذکر سے اس چھوٹی سی محفل پر ایک ثانیہ کے لئے اُداسی چھا گئی۔ عبدالرحیم نے موضوع بدلنے کے لئے امینہ کی طرف دیکھا اور اپنا پرس اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"بیٹی جو کام میں تمہارے ہاتھ سے کروانا چاہتا تھا۔ وہ میں نے خود اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ہے اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو یہ پرس سنبھالو اور اُس کی تلافی کر دو۔"

امینہ بولی "نہیں چچا جان آپ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اب آپ نماز پڑھ لیں اور مہمانوں کے استقبال کے لئے تیار ہو جائیں۔"

جب وہ کمرے سے باہر نکل گئے تو صفیہ نے کہا:

"بلقیس تمہیں اتنی جلدی کیا تھی؟ تم فہمیدہ کے ابا جان اور چچا کے بیدار ہونے کا تو انتظار کر لیتیں۔"

"بھئی میری یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ میں یہاں پہنچتے ہی انگوٹھی پہنا دوں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ ہم سب نے اس مبارک وقت کے انتظار میں کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں۔ اور بہن سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک نکاح نہیں پڑھا جاتا مجھے اطمینان نہیں ہوگا۔"

بیگم احمد نے کہا۔ "بلقیس بیٹی! یہ سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے، لیکن نکاح کا یہ نتیجہ تو نہیں ہوگا۔ کہ کل میاں صاحب اور ان کے صاحبزادے یہ مطالبہ کر دیں۔ کہ ہم کسی تاخیر کے بغیر بارات لانا چاہتے ہیں۔"

"نہیں خالہ جان، یہ معاملہ میں نے یہاں پہنچنے سے پہلے یوسف کے ابا جان سے

طے کرلیا ہے اور یوسف کے متعلق میں جانتی ہوں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے سے پہلے فہمیدہ کو اپنے راستے کے کانٹوں پر گھسیٹنا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے پروگرام میں شادی کی منزل ابھی بہت دُور ہے۔ اور فہمیدہ کے متعلق میں جانتی ہوں کہ یہ ہر معاملہ میں اس کی ہم خیال ہے ــــ کیوں فہمیدہ؟"

فہمیدہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی آنکھیں جھکا لیں۔ اور بیگم احمد نے کہا:

"بیٹی تم اس طرح مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔ اور میں اللہ سے دُعا کرتی ہوں کہ تم سے پیار کرنے والے ہمیشہ تمہاری مسکراہٹ دیکھتے رہیں۔"

یوسف نے نہا کر کپڑے پہنے اور وضو کر کے عصر کی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ باہر صحن میں احمد خان نوکر سے کہہ رہا تھا۔

"میرو خان! درزی نے کتنے منٹ بعد اچکن لے کر آنے کے لئے کہا تھا؟"

"سائیں! وہ کہتا تھا کہ آدھے گھنٹے تک آجاؤں گا۔"

"اب کتنی دیر ہوگئی ہے؟"

"جی کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے۔"

"خدا تمہیں غارت کرے۔ تمہارے دل میں اس کے پاس دوبارہ جانے کا خیال نہیں آیا؟"

"سائیں میں جاتا ہوں۔"

"اُسے یہ بتایا تھا کہ ہمیں شادی کیلئے دیر ہو رہی ہے؟"

"جی وہ تو میں نے بتایا تھا اور میں نے یہ بھی بتایا تھا۔ کہ آپ ناراض ہو رہے ہیں"

"تو اب کیا سوچ رہے ہو۔ بھاگتے کیوں نہیں ہو۔ اسے پکڑ کر لاؤ۔"

"جاتا ہوں سائیں۔ اگر حکم ہو تو اسے دو چار گالیاں بھی دے دوں؟"

"بے وقوف بازار میں لوگ تمہیں پیٹ ڈالیں گے۔ تم اسے میرے پاس لے آؤ۔ ورنہ یہ کہو کہ مجھے پانچ منٹ بعد خود آنا پڑے گا۔"

"جاتا ہوں سائیں!"

دس منٹ بعد میرو بھاگتا ہوا واپس آیا۔ اور اُس نے کہا:

"سائیں وہ آرہا ہے۔"

"کب آرہا ہے؟"

"سائیں ابھی آرہا ہے۔"

"تم ساتھ لے کر کیوں نہیں آئے؟"

"جناب وہ اچکن کو استری کر رہا تھا۔ جب اُس نے استری کر کے اُچکن کو تہہ کرنا شروع کر دیا۔ تو میں وعدہ لے کر چل پڑا کہ وہ سیدھا آپ کے پاس آئے گا۔"

احمد خان نے غصہ میں آکر کہا:

"بے وقوف میں نے یہ پوچھا ہے کہ تم اس کے ساتھ کیوں نہ آئے؟"

"سائیں مجھے اُچکن استری ہوتے دیکھنے میں دیر لگ گئی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آپ کو غصہ آرہا ہوگا۔ اس لئے میں بھاگ آیا۔"

احمد خان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ درزی نمودار ہوا۔ احمد خان نے کہا:

"یار تم لوگ ہمیشہ دوسروں کو خوار کرتے ہو۔ میں نے کل کہا تھا کہ سوٹ میں جتنی دیر چاہے لگا لینا لیکن اچکن سہ پہر تک مل جانی چاہیئے، اچھا اب ٹرائی کر دو اسے، بیٹا خان محمد اگر یوسف صاحب نے نماز پڑھ لی ہے تو انہیں باہر لے آؤ۔"

یوسف نے باہر نکلتے ہوتے کہا:

"جی میں نے نماز پڑھ لی ہے۔"

درزی نے اچکن کھول کر پیش کرتے ہوئے کہا "جناب یہ پہن کر دکھائیے"۔

یوسف نے اچکن پہن لی۔ اور درزی نے بٹن بند کرتے ہوئے کہا:

"جناب اچھی طرح دیکھ لیجئے۔ خدا کے فضل سے اس میں کوئی نقص نہیں"۔

"اچھا چھوڑو یار اگر کوئی نقص ہو گا بھی تو بعد میں دیکھا جائے گا"۔

درزی نے پوچھا "جناب چھوٹے صاحب اپنے سوٹ کے لئے کب کپڑا دینا پسند کریں گے؛ میرے پاس بہت اچھے نمونے آئے ہیں"۔

خان محمد نے کہا "بھئی ہم اس کام سے فارغ ہو کر تمہارے پاس آئیں گے۔ ذرا یوسف صاحب کا سوٹ خیال سے سینا۔ ایسا نہ ہو کہ لاہور تک تمہارا مذاق اڑایا جائے"۔

"جناب آپ فکر نہ کریں۔ اگر میرے کام میں کوئی نقص ہوا تو میں دوسرا بنا دوں گا"۔

اور یہ کہتے ہی درزی سلام کر کے چلا گیا۔

احمد خان نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بھئی اب ہمیں چلنا چاہیئے۔ لیکن تمہارے سر پر کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے"۔

خان محمد نے کہا "ابا جان اس کی ضرورت نہیں۔ بھائی یوسف ننگے سر بھی بڑے اچھے لگتے ہیں"۔

یوسف نے کہا "خان صاحب سر کے لئے میرے پاس ایک بڑی قیمتی چیز ہے۔ میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں"۔

یوسف یہ کہہ کر کمرے میں گیا جب واپس آیا تو اس کے سر پر قراقلی ٹوپی تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"خان صاحب میں دوستوں کا تحفہ بہت سنبھال کر رکھا کرتا ہوں اور آپ کو شاید یاد ہو کہ نہ یاد ہو کہ آپ نے یہ تحفہ مجھے کب دیا تھا؟"

"یار مجھے یاد ہے۔ لیکن یہ کپڑے پہننے کے لئے ہیں۔ کہیں انہیں بھی سنبھال کر نہ رکھ لینا"۔

منظور احمد مکان سے چند قدم دور اضطراب کی حالت میں کھڑا تھا۔ جب یوسف، احمد خان اور خان محمد نظر آئے تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اور اس نے شکایت کے لہجہ میں کہا:

"یار تم ہر جگہ لیٹ پہنچا کرتے ہو۔ مہمان آ چکے ہیں اور ہمیں یہ پریشانی تھی کہ تم پھر کہیں فرار نہ ہو گئے ہو"۔

یوسف نے کہا "منظور بھائی۔ تم نالائق تھے نا میرے ساتھ نہیں گئے۔ میں نے تم سے ایک ضروری بات پوچھنی تھی"۔

"ضروری بات نکاح کے بعد پوچھ لینا"۔

"بے وقوف اگر میں ابھی پوچھ لیتا تو تمہارا اس میں فائدہ تھا"۔

"پوچھ لیجئے جناب۔ بندہ حاضر ہے"۔

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرے نکاح کے بعد اگر میں ایسی صورت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ کہ میاں عبدالکریم اپنی صاحبزادی کی منگنی کا اعلان تمہارے ساتھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ تو کیا خوشی سے تم پاگل نہ ہو جاؤ گے"۔

منظور نے کہا:

بھائی جان' اگر کوئی خوشی سے پاگل ہو سکتا۔ تو خدا معلوم آپ اب تک کتنے آدمیوں کا سر پھوڑ چکے ہوتے"۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ جب موقع ملے تو تم کسی ڈھنگ سے میاں عبدالکریم کو میرے پاس بٹھا دینا"۔

منظور نے کہا "یار یہ محفل برخواست ہونے سے پہلے پہلے تمہیں کئی لوگوں سے بات کرنے کا موقع ملے گا۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ تم امینہ سے بھی پوچھ سکو گے۔"

وہ مکان کے صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ جہاں مہمان ایک دائرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور درمیان میں تین صوفہ سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ مہمانوں نے آگے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اور باری باری انہیں گلے لگایا۔ پھر عبدالرحیم نے آگے بڑھ کر احمد خان اور خان محمد کا استقبال کیا۔ عبدالعزیز نے مہمانوں سے احمد خان کا تعارف کروانے کے بعد انہیں اور ان کے صاحبزادے کو دائیں ہاتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ درمیانی صوفہ پر یوسف اور اس کے والد اور فہمیدہ کے والد کو بٹھا دیا گیا۔ اور ان کے بائیں طرف عبدالکریم، میجر بشیر اور دہرہ دون سے آئے ہوئے ان کے چند فوجی دوست بیٹھ گئے۔ باقی کرسیوں پر چند مقامی معززین اور چند پولیس افسر بیٹھ گئے۔ عبدالعزیز نے پولیس افسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا:

"مولانا ہمیں نیک کاموں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ آپ اپنا کام شروع کریں۔"

فضل دین نے جو مولوی صاحب کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ جلدی سے اٹھ کر انہیں بازو سے پکڑا اور یوسف کے ساتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ چند منٹ میں یہ مقدس رسم ادا ہو چکی تھی اور جب یوسف کی زبان سے نکاح کے آخری الفاظ ادا ہو رہے تھے تو وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا، تو اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اس کا رنگ کبھی اتنا دلکش نہیں تھا۔ اور یہ درخت، یہ پہاڑ کبھی اتنے حسین نہ تھے۔ وہ اپنے دل میں یہ الفاظ دوہرا رہا تھا۔

"یا اللہ یہ تیرا کرم ہے۔ مجھے توفیق دے کہ میں ساری زندگی تیرے شکر گزار بندوں میں شامل رہوں۔"

ایک لڑکی بھاگتی ہوئی باہر آئی اور عبدالعزیز سے کچھ کہنے کے بعد اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دے کر اندر چلی گئی۔

عبدالعزیز مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کہا: "یوسف بیٹا! مجھ سے ایک فرض میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اپنا ہاتھ آگے کرو۔" اور اس نے انگوٹھی یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی پھر اس نے کہا:

"مہمانانِ گرامی! کوتاہی کی وجہ یہ ہوئی کہ یوسف صاحب کو اچانک کوئی خیال آیا اور انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے انکار کر دیا تھا۔ انکار اس لئے کر دیا تھا کہ مردوں کے لئے سونے کی اشیاء ممنوع ہیں۔ چنانچہ ہمیں آخری وقت میں دہرہ دون سنار کے پاس آدمی بھیجنا پڑا۔ اور وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ چاندی کی انگوٹھی بنوا کر لایا ہے۔"

خرمے بانٹے گئے۔ اور یوسف، اس کے والد، اس کے خسر اور اس کے عزیزوں کو مبارک باد دی گئی۔ مغرب کی نماز کے لئے وہیں صحن میں انتظام کر دیا گیا تھا۔ نماز کے بعد یوسف میاں عبدالکریم کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ اور اس نے کہا:

"چچا جی یہ بات بڑی اہم ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے۔"

"بیٹا ایسے کاموں میں ہمیں مشکل پیش آتی ہے۔ تمہیں تو کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیئے۔ تم ہمیشہ صاف اور دو ٹوک بات کر لیا کرتے ہو۔"

یوسف نے کہا: "آپ جانتے ہیں کہ امینہ مجھے بہنوں سے زیادہ عزیز ہے اور منظور کو بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو میں امینہ کی رضامندی حاصل کر لوں؟"

"بیٹا خدا کا شکر ہے۔ کہ امینہ کا تمہیں اتنا خیال ہے۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ امینہ اسے ناپسند نہیں کرتی۔"

"تو پھر چچا جی میں ایک بھائی کی حیثیت سے رسماً اس سے پوچھ لینا چاہتا ہوں

اور پھر یہاں جمع ہونے والوں کو یہ خوش خبری سناؤں گا کہ آپ نے اپنی دخترِ نیک اختر کے لئے منظور احمد کا انتخاب کر لیا ہے۔"

"بیٹا میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں لیکن اس معاملہ میں اُس کے خاندان کے بزرگوں کو تو یہاں ہونا چاہیئے تھا نا؟"

"چچا جان میں اُن سے مِل چکا ہوں۔ وہ صرف اس بات سے پریشان تھے کہ آپ ان کے ہاں رشتہ کرنا کسرِ شان نہ سمجھیں گے۔"

مہمانوں میں سے ایک لڑکی اس طرف آئی تو یوسف نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا:

"دیکھئے اندر مہمانوں میں امینہ صاحبہ ہوں گی۔ انہیں پیغام دے دیجئے کہ آپ کے والد صاحب اس جگہ کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کوئی ضروری بات ہے۔ اگر آپ انہیں جلدی یہاں لے آئیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔"

لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا: "دولہا بھائی میں ابھی لاتی ہوں۔"

چند منٹ بعد وہ امینہ کو ان کے سامنے چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ امینہ نے پوچھا:

"ابا جی خیر تو ہے۔ میں تو آپ کے پیغام سے ڈر گئی تھی۔"

عبدالکریم نے کہا۔ "بیٹی، یوسف تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ یوسف صاحب کی بات کبھی بری نہیں ہوتی۔ میں جاتا ہوں تم اطمینان سے سُنو۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو بہن امینہ۔ ایک بھائی کی حیثیت سے جتنا میں سمجھ سکتا ہوں اس کے لئے اس گفتگو کی بھی ضرورت نہ تھی، لیکن چونکہ یہ ایک اچھی رسم ہے۔ میں نے تمہیں بلا لیا ہے۔ اگر آج ہی یہ اعلان کر دیا جائے کہ عبدالکریم صاحب کی لاڈلی بیٹی اور میری بہت پیاری بہن کی منگنی مسٹر منظور احمد سے کر دی گئی ہے۔ تو تم اس بات کو

ناپسند تو نہیں کرو گی؟"

امینہ نے سر جھکاتے ہوئے کہا: "آپ نے اپنے دوست سے پوچھ لیا ہے؟"

"وہ کون ہوتا ہے میرے فیصلہ سے انحراف کرنے والا!"

امینہ مسکراتے ہوئے مڑی اور یہ کہہ کر واپس چل پڑی۔ "بھائی جان اگر اُن میں یہ جرأت نہیں تو مجھ میں کیسے ہو سکتی ہے۔"

جب مہمان رات کے کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھ گئے تو یوسف نے اُٹھ کر کہا:

"معزز حضرات، مَیں میاں عبدالکریم صاحب کے حکم سے یہاں آپ کے سامنے یہ اعلان کر رہا ہوں۔ کہ ان کی دُخترِ نیک اختر امینہ بی بی کی نسبت مسٹر منظور احمد ولد محمد جمال احمد سے قرار پائی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس جوڑے، ان کے والدین اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے بھی دُعا فرمائیں۔"

سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیئے اور منظور احمد اور عبدالکریم کو مبارک باد دینے لگے۔

نسرین بھاگتی ہوئی خواتین کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے بڑی مشکل سے اپنا سانس قابو میں لانے کے بعد کہا: "آپا امینہ، آپا امینہ آپ کی منگنی ہو گئی۔ خدا کی قسم آپ کی منگنی بھی ہو گئی۔ ابھی ابھی۔ میں اپنے کانوں سے سن کر آئی ہوں — آپا جان ان کی منگنی بھائی جان کے دوست منظور صاحب سے ہوئی ہے۔ وہ مجھے بلا وجہ پسند نہیں تھے۔"

بلقیس نے کہا۔ "نسرین تمہیں اس خبر پر بھی انعام ملے گا۔ اب تم پہلے اپنے دولہا بھائی کو یہاں بلا لاؤ۔ اسے کہو کہ بہنیں اور چچیاں اسے دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"چچی جان، اب تو وہ کھانا کھانے لگے ہیں۔"

نانی نے کہا: "بے وقوف! لاؤ اسے۔ تمہاری آپا اسے بھوکا نہیں رکھے گی۔ جاؤ جلدی کرو۔"

نسرین بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ یوسف کے ساتھ آ رہی تھی یوسف "السلام علیکم" کہہ کر کمرے میں داخل ہوا۔ اور اس نے سب سے پہلے امینہ کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تین سو روپے کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ اباجی نے تمہیں دعاؤں کے ساتھ بھیجے ہیں۔"

نسرین نے کہا: "بھائی جان انہیں بتا دیجئے کہ منگنی واقعی ہو گئی ہے۔"

"تم نے نہیں بتایا نسرین؟"

"بتایا ہے، لیکن میری کون سنتا ہے۔"

بیگم احمد نے جلدی سے اٹھ کر یوسف کو بازو سے پکڑتے ہوئے کہا: "احمقوں کی طرح بدحواس ہو کر کیا دیکھ رہے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہاری جگہ یہ ہے۔"

یوسف فہمیدہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ خواتین باری باری امینہ کو مبارک باد دے رہی تھیں۔ بیگم احمد نے اُسے پیار کرنے کے بعد دو سو روپے دیئے۔ اور بلقیس نے اپنی ایک انگوٹھی انگلی سے اتار کر اسے پہنا دی۔ صفیہ نے ریشم کا ایک جوڑا اور سو روپیہ اس کے آگے رکھ دیا۔

باہر کھانے کے دوران عبدالکریم، یوسف کے متعلق کہہ رہا تھا:

"یہ لڑکا بڑا خوش نصیب ہے۔ یہ جس گھر میں قدم رکھتا ہے۔ وہاں اس کے پیچھے پیچھے خوش نصیبی آتی ہے۔ پہلی دفعہ یہ شکار سے واپسی پر ہمارے گھر آیا تھا۔ اور وہاں دو مرغابیاں چھوڑ گیا تھا۔ پھر جس رات ڈاکو ہمارے گھر پہ حملہ کرنے والے تھے۔ یہ اچانک

پہنچ گیا تھا۔ اور اس نے علاقے کے سب سے مشہور ڈاکو کو پکڑ لیا تھا۔ ہماری ایک بڑی رقم بھی بچ گئی تھی اور عزت بھی محفوظ رہی۔"

مہمانوں نے ڈاکو کے پکڑے جانے کی تفصیلات پوچھنا شروع کر دیں۔

"بھئی ان دنوں بھائی عبدالعزیز صاحب گورداس پور میں پولیس انسپکٹر تھے۔ اور میں یوسف کی جرأت اور بہادری کا چشم دید گواہ ہوں مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ ملک کا ایک بڑا ایکٹر بن جائے گا تو کوئی اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ اس نے ایسے کارنامے بھی سرانجام دیتے ہیں۔ یہ ایک بہترین سوار، بہترین تیراک اور بہت اچھا کشتی ران بھی ہے۔ اور اسلامیہ کالج میں تحریک پاکستان کے ایک انتھک کارکن کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ سے میرے جیسے لوگ بھی جو سیاسی جلسوں سے دور رہتے ہیں۔ اب پاکستان کی تحریک میں حصہ لے رہے ہیں اور دوسرا نوجوان منظور احمد جس کے ساتھ میری بیٹی کی نسبت قرار پائی ہے۔ اس کا ہم مکتب اور دوست ہے۔ اور ہر بات میں یوسف کی تقلید کرتا ہے۔ منظور زمینداروں کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بعض عزیز کافی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور اچھے اچھے عہدوں پہ فائز ہیں۔"

عبدالعزیز نے کہا: "مہمانانِ گرامی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دونوں بچیوں اور اُن کے والدین اور ان سے نیک توقعات رکھنے والوں کے حق میں دعا فرمائیں۔"

دعا کے بعد چند ثانیے ایک سناٹا چھایا رہا اور اس کے بعد میجر صاحب نے کہا: "حضرات اب کھانا شروع کیجئے۔"

ایک نوکر نے دروازے سے باہر آواز دی:

"بی بی جی! دولہا میاں کا کھانے پہ انتظار ہو رہا ہے۔"

نسرین نے کہا۔ "نانی جان میرا خیال تھا کہ وہ بھول جائیں گے۔ لیکن وہ باتیں بھی انہی کے متعلق کر رہے تھے۔"

یوسف مسکراتا ہوا اٹھا۔ اور باہر نکل گیا۔ دسترخوان پر عبدالعزیز نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ کھانے کے دوران وہ کہہ رہا تھا۔

"بیٹا! میں بار بار یہ سوچا کرتا ہوں۔ کہ جب میں نے نسرین سے کوئٹہ سے آگے کشتی اور پھر گاڑی پر سفر کے واقعات سنے تھے تو گورداسپور میں تمہیں دیکھتے ہی مجھے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ تم وہی ہو۔ جس نے ڈاکو پکڑنے سے کچھ دن پہلے نسرین اور اس کی نانی کے ساتھ سفر کیا تھا۔"

یوسف نے کہا۔ "جناب! میں آپ سے پہلی ملاقات میں ہی بہت متاثر ہوا تھا۔ لیکن، یہ معلوم ہونے پر کہ آپ جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ میں نے اس خیال سے تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کی کہ کہیں آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہ نکل آئے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ مجھے اچانک ایک صبح لاہور والے مکان پر بلانے آئے تھے۔ تو مجھے بہت زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اور میں کوئی سوال پوچھے بغیر امی جان کے ساتھ چل پڑا تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹا اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔ چونکہ وہ دلچسپ کہانی جو کوئٹہ سے شروع ہوئی تھی، مسوری تک پہنچی تھی۔ اس لئے نہ تم نے نسرین اور اس کی نانی جان کا ذکر کیا نہ میں نے پوچھا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جان! اس میں شاید قدرت کی ایک اور بھی مصلحت تھی۔ میں نے اچانک اپنی ماں کی موت کا زخم کھایا تھا۔ اور میرے زخموں پر پھاہا رکھنے کے لئے اللہ نے چچی بلقیس کو منتخب کر رکھا تھا۔ میں آپ کا اور اُن کا آخری دم تک احسان مند رہوں گا۔"

"بیٹا یہ تمہاری سعادت مندی ہے۔ ورنہ بات یہ ہے۔ کہ فہمیدہ ہمیں بہت عزیز ہے اور ہم نے وہی کیا ہے جو ہمیں اس کے لئے کرنا چاہیئے تھا۔ اور یہ تم نے بڑا اچھا کیا۔ کہ عبدالکریم کی سادہ دل بیٹی کو صحیح راستے پر لے آتے اور اسے ایک ایسا نوجوان تلاش کر دیا۔ جس کے ساتھ وہ خوش رہ سکتی ہے۔"

"چچا جان میں نے امینہ کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ بہت اچھی ہے۔ صرف اسے ایک صاف گو اور شفیق بھائی کی ضرورت تھی۔ اور وہ غیر شعوری طور پر یہ محسوس کرنے لگ گئی تھی۔ کہ میں ہی وہ بھائی ہوں۔ وہ میرا احترام بھی کرتی تھی اور مجھ سے ڈرتی بھی تھی۔ ہمارے درمیان جو فاصلے رہنے چاہئیں تھے وہ کبھی کم نہیں ہوئے تھے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری چچی کیا کہتی تھی؟"

"جی ہاں، انہوں نے کہا ہوگا کہ میں جادوگر ہوں۔ لیکن چچا جان میرا خیال ہے کہ خلوص میں ایک جادو ہوتا ہے۔"

کھانے کے اختتام پر رخصت ہونے سے پہلے احمد خان نے کہا۔ "بھائی یوسف، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے میرے گھر میں سامان کا ایک بکس پڑا ہوا ہے۔ اگر بھائی صاحب اجازت دیں تو ابھی نوکر، خان محمد کے ساتھ جا کر اٹھا لے آئے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "خان صاحب آپ کو کسی تکلف کی ضرورت نہ تھی۔"

"نہیں بھئی اگر آپ نے انکار کیا تو ہمیں بہت دکھ ہوگا۔ یوسف صاحب ہمارے بھائی ہیں۔"

"خان صاحب، مجھے معلوم ہے۔ میں بدشگونی نہیں کروں گا، لیکن یہ صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت آپ تکلیف کیوں کرتے ہیں۔"

"بھائی صاحب مجھے تکلیف نہیں ہوگی۔ اگر وہ سامان آج رات میرے گھر پڑا رہا تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔"

"بہت اچھا خان صاحب، میں آپ کے ساتھ اپنا نوکر بھیج دیتا ہوں۔"

"یہ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ ایک فرض پورا ہو جاتے تو انسان کو خوشی ہوتی ہے۔ یوسف صاحب کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کس کے لئے ہے۔ میں نے ان سے چٹیں لکھوا کر بھی لگوا لی تھیں۔"

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب، میں جلد آنے کی کوشش کروں گا اور منظور احمد صاحب میرے پاس ٹھہریں گے۔"

"بھائی ایسے کاموں میں جلدی نہیں کیا کرتے۔ تم اطمینان سے آؤ۔ جس وقت آؤ گے میرا نوکر تمہارا راستہ دیکھ رہا ہوگا۔ اور آتے ہی تمہیں کافی مل جائے گی۔"

یوسف کے والد، عبدالعزیز، اُن کے بھائیوں اور میاں عبدالکریم نے انہیں پھاٹک سے باہر آکر رخصت کیا۔ اور عبدالعزیز کے اشارے پر ان کا ایک نوکر اور فضل دین ان کے ساتھ چل دیئے۔ فضل دین بہت خوش تھا کہ اسے کوئی بہت اہم کام سونپا جا رہا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ خوشی خوشی چمڑے کا ایک خوب صورت بکس اٹھائے واپس آیا تو اس نے براہ راست یوسف سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جناب، خان صاحب کہتے تھے۔ کہ یہ سامان خاتونِ خانہ تک پہنچایا جائے اور انہیں یہ بتا دیا جائے کہ اس بکس کے اندر جس جس کا حصّہ ہے وہ اسے اپنے ہاتھوں سے اسے دیں اور سب سے نیچے ریشمی رومال میں بندھے ہوئے دلہن کے الگ جوڑے ہیں۔ وہ اور یہ بکس اور گٹھڑی میں جو کچھ ہے۔ وہ سب ان کا ہے۔"

رات بارہ بجے کے قریب یوسف، منظور احمد کے ساتھ احمد خان کی قیام گاہ پر پہنچا۔ اور وہ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

صبح وہ ناشتے سے فارغ ہونے کو تھے کہ عبدالعزیز، عبدالرحیم اور میاں عبدالکریم وہاں پہنچ گئے۔ احمد خان، اُن کے بیٹے، منظور اور یوسف نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور نوکر نے ان کے لئے کرسیاں رکھتے ہوئے کہا۔

"صاحب، آپ کے لئے بھی ناشتہ لے آؤں؟"

"نہیں بھئی ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔" عبدالرحیم نے کہا۔

پھر وہ احمد خان سے مخاطب ہوا۔

"خان صاحب، میں اور عبدالکریم آج واپس جا رہے ہیں۔ مجھے تو چھٹی ہی اتنی ملی تھی اور عبدالکریم صاحب بہت سے ضروری کام چھوڑ کر آئے ہیں۔"

احمد خان نے قدرے پریشان سا ہو کر پوچھا: "بھئی کہیں ہمارے بھائی کو تو لے جانے کا پروگرام نہیں بن گیا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا: "نہیں خان صاحب یوسف آپ کی اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں ہلے گا۔ رات اُس نے مجھے بتا دیا تھا۔ کہ آپ نے اسے ایک ذمہ داری سونپ دی ہے۔ جسے وہ ہر حال پورا کرے گا۔ ویسے بھی اسے پہاڑی علاقوں میں گھومنے کا شوق ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "ابھی میں منظور احمد صاحب سے کہہ رہا تھا کہ آپ بھی کچھ عرصہ ہمارے پاس ٹھہر جائیں۔ خان محمد کو اس عمر میں بہت اچھی سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ میاں صاحب، آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، منظور صاحب کے کچھ دن یہاں رہنے پر؟"

"خان صاحب، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کالج میں آج کل چھٹیاں ہیں اور چھٹیوں میں یوسف صاحب سے زیادہ وہ اور کہیں سے نہیں سیکھ سکتا۔ کبھی کبھی

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں خود بھی طالب علم ہوتا۔ تو کسی اور کی بجائے یوسف صاحب کے پاس رہنا زیادہ پسند کرتا ——— منظور بیٹا۔ تم اپنے گھر آج ہی خط لکھ دو۔"

"جی میں لکھ دوں گا۔"

احمد خان نے کہا: "میاں صاحب آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ کہ اللہ نے آپ کو یوسف جیسا بیٹا دیا ہے۔ آپ کو اس کے مستقبل کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا میں جو کام یہ دل لگا کر کرے گا۔ وہی اس کے لئے بہتر ہو گا۔ اس کی مرضی کے خلاف آپ اسے بادشاہت بھی دے دیں تو اسے راس نہیں آئے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ فوج میں ایک افسر بنتے بنتے رہ گیا ہے۔ یہ فیصلہ اس نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ اسے اس بات کا کوئی افسوس نہیں ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے اسے کتابیں لکھنے کا شوق ہے تو اسے پورا کرنے دیجئے۔ اس کے دل میں یہ حسرت نہیں رہنی چاہیئے کہ میں کتابیں لکھ کر بڑا آدمی بن سکتا تھا۔ لیکن مجھے موقع نہیں ملا۔ اس کے روزگار کے متعلق آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے شریفانہ گزارے کے لئے اس کو ایک اچھا کام مل گیا ہے اور اگر اس نے زیادہ پیسوں کی ضرورت محسوس کی تو میں ایک دو اور شاگرد اس کے حوالے کر دوں گا۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "خان صاحب میں نے اب ہار مان لی ہے۔ چند ماہ تک میں ریٹائر ہو کر گاؤں چلا جاؤں گا۔ اور اس کے بعد کوئی مجھے یوسف کا راستہ روکتے ہوئے نہیں دیکھے گا۔ میری یہ خواہش ضرور تھی کہ یوسف اچھے نمبروں سے ایم۔ اے کر لے اور انشاء اللہ میری یہ خواہش ضرور پوری ہو جائے گی ——— خان صاحب! ہر باپ کی طرح میں بھی اپنے بیٹے کے لئے یہی دعا کرتا ہوں کہ اس کی ہر خواہش پوری ہو لیکن ایک بات مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں نے کتابوں سے کسی کو فراغت کی روزی حاصل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

احمد خان نے کہا۔ "سائیں یوسف ہم سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہے کہ فراغت سے روزی دینے والی کتابیں کیسی ہوتی ہیں۔ شاید اس نے ایسی کتابیں پڑھی بھی ہوں۔ جو ہم نے نہیں پڑھیں۔ اور پھر اگر خدانخواستہ کبھی خود اس نے یہ سمجھا کہ وہ غلطی پر تھا۔ تو پھر یہ بیوقوف تو نہیں ہے۔ کہ ایک غلط راستے پر بلاوجہ چلتا رہے۔ آپ اس کے والد ہیں۔ اس لئے آپ کو اس کے لئے دعا ہی کرنی چاہیئے۔"

عبدالرحیم اپنے دل میں ایک تلخ گھونٹ پی کر رہ گئے اور بولے: "ہاں خان صاحب آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ میں دعا کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔"

احمد خان نے پوچھا۔ "آپ کی گاڑی کتنے بجے جاتی ہے؟"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "جناب ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ یہ کھانا کھا کر آرام سے گاڑی پر سوار ہو جائیں گے۔"

احمد خان نے کہا۔ "میاں صاحب ہم سب آپ کو رخصت کرنے جائیں گے۔"

"نہیں جی بالکل نہیں۔ میں تو عبدالعزیز خان صاحب کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا، لیکن یہ چونکہ میرے ساتھ لاہور تک جا رہے ہیں۔ اس لئے میں انہیں روک نہیں سکتا۔ میں اور عبدالکریم صاحب کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔ عبدالعزیز صاحب نے کار کا انتظام کر رکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یوسف نے دو تین دن کی چھٹی لی ہے اس لئے میں اسے یہیں سے خدا حافظ کہوں گا۔ تاکہ یہ اپنا کام شروع کر دے ——— بیٹا کبھی کبھی خط لکھ دیا کرنا۔ ورنہ مجھے یہ اطمینان ہے کہ عبدالکریم صاحب کبھی کبھی فون کرتے رہیں گے اور مجھے تمہاری خیریت کی اطلاع ملتی رہا کرے گی۔ میری بہو اور اس کے والدین کے اصرار پر امینہ چند دنوں کے لئے رک گئی ہے۔"

یہ کہہ کر عبدالرحیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے خان صاحب، ان کے بیٹے خان محمد اور منظور سے مصافحہ کیا۔ جب یوسف کی باری آئی تو وہ باپ سے لپٹ گیا اور بولا:

"ابا جی میں نے جو گستاخیاں کی ہیں۔ اس کے لئے میں معافی کا خواست گار ہوں۔"

باپ نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "بیٹا مجھے کبھی کبھی اس بات پر بھی غصہ آتا ہے کہ تم نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ اور میں اس بات پہ بھی پریشان ہو جاتا ہوں کہ میں تم سے کیوں ناراض ہوتا تھا۔ دیکھو اب میں بوڑھا بھی تو ہو چکا ہوں ناں۔"

"ابا جی آپ ہی تو یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ اچھے بیٹوں کے والدین کبھی بوڑھے نہیں ہوتے میں نیک نیتی سے کوشش کروں گا۔ کہ آپ مجھے اچھا سمجھنے لگ جائیں۔"

وہ چلے گئے۔ اور یوسف کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ اسے اپنے دل کی کیفیت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔

احمد خان نے کہا: "یوسف بھائی اگر آپ اسی طرح سوچتے رہے تو یہ دن بہت لمبا ہو جائے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ کچھ دیر کے لئے اپنے عزیزوں سے مل آئیں آخر آپ کا نکاح بھی تو ہو چکا ہے نا۔"

"خان صاحب میں وہاں ہر وقت جا سکتا ہوں۔ اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے فوراً اپنے کام میں مصروف ہو جانا چاہیئے اور منظور صاحب میری مدد کریں گے ۔۔۔ خان محمد! آپ اپنی کتابیں نکال کر پانچ منٹ کے اندر اندر تیار ہو جائیں۔ میں اور منظور صاحب آپ کے کمرے میں آتے ہیں۔"

احمد خان نے کہا: "یوسف بھائی اگر اجازت ہو تو میں بھی وہاں خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاؤں؟"

یوسف نے کہا: "خان صاحب ضرور آئیے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے یوسف کی گفتگو سن رہے تھے وہ کہہ رہا تھا:

"دیکھو خان محمد! پچھلے دنوں آپ کا جو وقت ضائع ہوا ہے۔ اس کی تلافی کے

لئے ہمیں چند روز زیادہ کام کرنا پڑے گا۔ آج دو گھنٹے آپ کو حساب، ڈیڑھ گھنٹہ انگریزی ایک گھنٹہ تاریخ اور جغرافیہ پہ صرف کرنا ہوگا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آپ کو چار گھنٹے آرام کرنے یا اپنی مرضی سے کچھ پڑھنے کے لئے دیئے جائیں گے۔ شام کو چائے پر میں تمہارے سوالات کا جواب دیا کروں گا۔ تمہارے ذہن میں جو سوال آئیں۔ وہ مجھ سے پوچھا کرو۔ خواہ وہ تاریخ کے متعلق ہوں یا جغرافیہ اور دین کے متعلق ہوں۔ جو الجھن تمہارے دماغ میں ہوا کرے۔ اسے بلا تکلف بیان کیا کرو۔ جو شخص شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے لئے علم کے دروازے نہیں کھلتے ہیں۔ یہ زمین۔ یہ فضا، یہ ہوائیں، یہ پہاڑ، یہ دریا، یہ موسموں کے انقلاب یہ سب ایسی چیزیں ہیں۔ جن کا علم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اور حقیقی علم ہمیں اس خالق اکبر کی طرف لے جاتا ہے۔ جس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں اور بڑی سے بڑی چیزیں تمہارے لئے علوم کے خزانے رکھتی ہیں۔ تم جتنا پڑھو گے اسی قدر محسوس کرو گے کہ تم نے بہت پڑھنا ہے۔ اور علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم اٹھتے بیٹھتے بھی مجھ سے پوچھتے رہا کرو۔ اور پھر تمہاری ذہانت ان لوگوں کی طرف تمہاری راہنمائی کرے گی۔ جو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ تم عام لوگوں کے ساتھ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ بات کیا کرو گے۔ جس طرح آج میں تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ یہ قدرت کا ایک اتفاق تھا۔ کہ تمہارے ابا جان سے میری ملاقات ہوگئی۔ اور انہیں میری کوئی بات پسند آگئی تھی۔ اور پھر ہم ایک دوسرے سے قریب آگئے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔"

احمد خان نے کہا: "بھئی اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں بھی آپ سے بہت کچھ سیکھوں گا۔ مجھے بھی ابھی بہت کچھ جاننے کی ضرورت ہے۔ اب آپ خان محمد کو کچھ پڑھا لیں اور اس کے بعد میری خواہش ہے کہ آپ کچھ وقت اطمینان سے اپنے سسرال

کے ہاں گزاریں۔ انہیں یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے کہ صاحب زادہ کسی کام میں جُتا ہُوا ہے۔"

یوسف نے ہنستے ہُوئے کہا: "خان صاحب! وہ لوگ جس قدر مجھے جانتے ہیں۔ اسی قدر آپ کو جانتے ہیں اور آپ کو میرا بڑا بھائی سمجھتے ہیں۔"

احمد خان نے کہا: "اچھا تو بھائی آپ کچھ دیر خان محمد کو حساب اور انگریزی وغیرہ پڑھائیں اور کھانا کھاتے ہی وہاں سے ہو آئیں۔ آج آپ کو اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کرنا چاہیئے۔"

منظور احمد نے کہا: "خان صاحب میرا خیال ہے کہ یہ ابھی وہاں جائیں اور کھانا وہیں کھائیں۔ تو انہیں زیادہ خوشی ہوگی۔ خان محمد کو میں پڑھاؤں گا۔"

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ بھائی یوسف تم جاؤ۔ لیکن ٹھہرو۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ اور وہاں سے چند نوٹ لاکر یوسف کو پیش کرتے ہُوئے بولا:

"بھئی یہ بات مجھے بہت پہلے سوچنی چاہیئے تھی۔ یہ سات سو روپیہ تمہیں ادھار دے رہا ہوں۔ یہ تھوڑا تھوڑا کرکے تمہاری تنخواہ سے کٹتا رہے گا۔ ایسے موقعوں پر آپ کی جیب خالی نہیں رہنی چاہیئے۔"

یوسف نے جواب دیا: "خان صاحب شکریہ، لیکن میری جیب خالی نہیں ہے رات ابا جی نے مجھے پانچ سو روپے دیئے تھے اور یہاں جو پیسے تقسیم ہونے تھے وہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کر دیئے تھے۔"

احمد خان نے کہا: "بھائی پھر بھی یہ اپنے پاس رکھو۔ اگر مجھے ضرورت پڑ گئی تو میں تم سے لے لوں گا۔ یہ روپے میرے پاس فالتو ہیں اور اسی مقصد کے لئے رکھے ہوئے تھے کہ جب تمہیں ضرورت پڑے گی تو کام آئیں گے۔"

یوسف نے نوٹ پکڑ کر اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لئے اور کچھ دیر تذبذب

کی حالت میں کھڑا رہا ———

"سائیں اب جاؤ ناں!"

یوسف نے ہنستے ہُوئے "اچھا جی السلام علیکم" کہا اور وہاں سے چل دیا۔

سڑک پر اس کے قدموں کی رفتار اور دِل کی دھڑکن ہر لحظہ تیز ہو رہی تھی۔ پھر گھر کے قریب اُس کی رفتار اچانک سست ہو گئی اور وہ آگے بڑھتے ہوئے ایک جھجک سی محسوس کر رہا تھا۔ برآمدے میں اسے نسرین دکھائی دی۔ اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھائی جان یہی گھر ہے۔" اور بھاگتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

یوسف نے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ تم نظر آگئیں۔ ورنہ میں سمجھا تھا کہ میں کسی اور جگہ آگیا ہوں۔"

"واہ بھائی جان۔ اتنے بھولے بھی نہیں ہیں آپ۔ آپ یہ دیکھ کر پریشان ہوئے ہوں گے۔ کہ گھر میں رونق کیوں نہیں۔ بات یہ ہوئی کہ وہ سب چچا عبدالعزیز آپ کے ابا جان اور امینہ باجی کے ابا جان کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ وہ انہیں اسٹیشن سے رخصت کرکے دہرہ دوُن میں اپنے گھر چلے جائیں گے۔ امّی جان باورچی خانے میں ہیں چچی جان بھی وہیں تھیں۔ اب وہ نانی جان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اور ——؛"

یوسف اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ نسرین نے قدرے توقف کے بعد کہا: "آپا فہمیدہ اور آپا امینہ اسی کمرے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپ دبے پاؤں ان کے کمرے میں جائیں۔ اور پھر دیکھیں وہ کیا کرتی ہیں۔ ایسی خاموش ہو جائیں گی جیسے کبھی بولی ہی نہیں ——— بھائی جان آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ کہ وہ دونوں گھنٹوں باتیں کرتی رہتی ہیں۔"

"نسرین یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں پہلے ماں جی، چچی اور تمہاری امّی کو سلام کر آؤں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے بھائی جان۔ دیکھئے امی جان تو خود ہی آ گئیں۔"

یوسف نے السلام علیکم کہا اور صفیہ دعائیں دیتی ہوئی اسے اپنے ساتھ نانی اماں اور بلقیس کے پاس لے گئی۔ نانی نے اٹھ کر پیار سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا:

"بیٹا تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"ہاں جی میں غائب تو نہیں ہوا تھا۔ چچی جان کو معلوم ہے کہ میں یہاں پاس ہی ایک جگہ رہتا ہوں۔ جب آپ کا حکم ملا کرے گا۔ میں بھاگ آیا کروں گا۔"

بیگم احمد نے کہا: "ارے بیٹا! زندگی کی مجبوریوں کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ میں تمہیں پل بھر کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم فہمیدہ سے ملے ہو؟"

"جی میں سب سے پہلے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"بیٹا یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ تمہیں گھر آ کر سب سے پہلے فہمیدہ کے متعلق پوچھنا چاہیئے تھا۔ اسے شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ تم یہاں ہو، یا اپنے ابا جی کے ساتھ واپس چلے گئے ہو۔"

بلقیس نے جواب دیا۔ "خالہ جان، یوسف کے متعلق مجھے یہ اطمینان ہے کہ یہ کوئی کام کرنے سے پہلے کئی بار فہمیدہ سے پوچھا کرے گا۔"

"بیٹی ایسا آدمی تو بڑا اُلو ہوتا ہے۔ اور میرا بیٹا یوسف قطعاً ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں اہم معاملات میں ایک دوسرے کا مشورہ لیا کریں گے۔ حکم چلانے کی نہ میری بیٹی فہمیدہ کو عادت ہے۔ نہ یوسف کو۔"

یوسف نے کہا: "ہاں جی، ہمیں ہمیشہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہے گی۔"

"بیٹا میں جن کے ساتھ پیار کرتی ہوں ان کے لئے ہر سانس کے ساتھ دعا کرتی

ہوں۔ اور شاید تمہیں اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم اور فہمیدہ مجھے کتنے پیارے تھے۔"

"اور میں نانی جان!" نسرین نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ارے تم تو میری آنکھوں کا نور ہو۔"

صفیہ نے کہا: "بیٹا تمہاری منہ بولی بہن بہت اداس تھی۔ میں کھانا لگوا رہی ہوں تم ان دونوں کو لے کر کھانے کے کمرے میں آ جاؤ۔"

بلقیس نے کہا۔ "ہاں بیٹا جاؤ۔"

نسرین دبے پاؤں یوسف کے آگے آگے چل دی۔ اس نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور کہا: معزز خواتین! دیکھئے کون آیا ہے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئیں۔ فہمیدہ نے گردن جھکالی اور امینہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

یوسف نے امینہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "امینہ بہن آپ اُداس تو نہیں ہوئیں؟"

اُس نے جواب دیا: "نہیں بھائی جان، فہمیدہ کے پاس بیٹھ کر کون اداس ہو سکتا ہے۔ میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں کہ مجھے اس کی طرف دیکھنے اور اس کی میٹھی میٹھی باتیں سننے کے سوا کوئی اور کام نہیں ہونا چاہیئے۔"

یوسف نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی بہن سے یہی توقع تھی۔ شاید چچی جان نے فہمیدہ کو بتا دیا ہوگا۔ کہ آپ میرا کتنا خیال رکھتی تھیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "جی انہوں نے بھی کچھ بتایا ہے۔ لیکن جو باتیں آپ سے متعلق ہیں وہ میں بار بار سننا چاہتی ہوں۔ ان سے بھی اور آپ سے بھی۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "فرصت کے وقت میں گذرے ہوئے ایام کے متعلق باتیں کرتے ہوئے تھکاوٹ محسوس نہیں کیا کروں گا۔ لیکن آج سے میں اپنے کام میں

مصروف ہو جاؤں گا۔ اور جو مسودے آپ کے پاس ہیں۔ وہ میں کبھی کبھی آکر پڑھ لیا
کروں گا۔ میں انشاء اللہ آئندہ دو تین ماہ کے اندر اندر اپنی وہ تصنیف جو اس دنیا سے
مجھے متعارف کروائے گی ۔ لکھ لوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسری کتاب لکھنا شروع
کردوں گا۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں۔ کہ پہلی تصنیف کے اختتام پر جس قدر مجھے خوشی ہوگی
اسی قدر مجھے اس کی اشاعت کے لئے دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو ناشر نئے
مصنفوں سے گھبراتے ہیں۔ وہ بہترین کتاب کے لئے بھی یہ عذر پیش کریں گے۔ کہ
جنگ کی وجہ سے کاغذ نایاب ہو چکا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ جنگ کے
اختتام کے بعد بھی کافی عرصہ یہی حالت رہے گی۔"

فہمیدہ بولی۔ "آپ اس بات پر کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ آپ اطمینان سے
لکھتے رہیں۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ جب آپ کی پہلی کتاب شائع ہوگی
تو اس کے بعد آپ کے لئے کامیابی کے تمام راستے کھل جائیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ میں اس بات سے بہت ڈرتا ہوں کہ چند سال بعد بھی
صرف میری رفیقۂ حیات ہی مجھے کامیاب مصنف کی حیثیت سے جانتی ہو۔ اور
باقی دنیا میرا اس قدر مذاق اڑاتی ہو۔ کہ آپ بھی میری دماغی حالت پہ شک کرنے لگیں۔"

فہمیدہ نے پہلی بار اس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔ "آپ میری طرف دیکھ کر
یہ بات کہہ سکتے ہیں ؟"

"نہیں۔ لیکن اس بات سے مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے کہ میری یہ پہلی منزل
کہیں اتنی دور نہ چلی جائے کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے آپ کے پاؤں زخمی
ہو جائیں۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں ان زخموں کو بھی قدرت کا ایک عطیہ سمجھوں
گی۔ کیوں امینہ ؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا ؟"

"بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی۔ کہ آپ میں
سے کسی کے پاؤں زخمی ہو جائیں ۔ کاش ! اللہ مجھے اتنی ہمت دیتا کہ میں آپ کے
اور بھائی جان کے راستے کا ہر کانٹا مسل سکتی۔"

صفیہ کی آواز سنائی دی۔

"یوسف بیٹے آؤ۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

چند ثانیے بعد وہ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگم احمد کہہ رہی تھیں۔ "بیٹے
میں تم میں سے کسی کے چہرے پر خوشی نہیں دیکھ رہی۔ میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تم کسی
سنجیدہ موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "ہاں جی میں کل سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے اب
سنجیدہ ہو جانا چاہیئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، لیکن جو مسکراہٹیں لوگوں کے چہرے خوب صورت بنا
دیتی ہیں۔ وہ بھی قدرت کا ایک عطیہ ہوتی ہیں۔ ہمیں اس کی بھی قدر کرنی چاہیئے۔"

"ہاں جی۔ آپ بالکل درست فرماتی ہیں۔ فہمیدہ تو چہرے کو جس طرح بھی بنائے
مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن میں اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کروں گا۔"

بیگم احمد نے خوش ہو کر کہا۔ "بیٹا خدا تمہیں خوش رکھے۔ اب اطمینان سے کھانا
کھاؤ۔ اور ہمیں کوئی دلچسپ بات سناؤ۔"

نسرین نے کہا۔ "نانی جان ہم نے تو آپا فہمیدہ کو اور بھائی جان کو بہت اطمینان
دلایا ہے کہ اب جو بچ کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اطمینان نہیں
ہوا۔ کبھی کبھی یہ مغموم ہو جاتے ہیں۔"

"ارے وہ جو بچ کون ہے ؟" بیگم احمد نے پوچھا۔

نسرین بولی۔ "نانی جان وہ چھوٹے چچا کا دوست جس نے ہمیں اتنا پریشان کیا تھا

میں نے اس کی تصویر دیکھتے ہی اس کا نام چوپنج رکھ دیا تھا۔"

بیگم احمد نے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹی تم نے ان کو یہ نہیں بتایا کہ فہمیدہ کے ابا اور چچا کیا پروگرام بنا کر دہرہ دون گئے ہیں۔"

"امی جان مجھے موقع نہیں ملا۔ اور میں نہیں سمجھتی تھی کہ ان کو کوئی پریشانی ہے۔ جس کو دور کرنے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے۔"

نسرین نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "امی جان، پریشان تو ہیں یہ آپ نے ان کو تسلی دینے کے لئے کہا ابھی تو کچھ نہیں۔"

صفیہ نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا: بیٹا! فہمیدہ کے ابا جان اور چچا نے میجر صاحب کے ساتھ یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد ان کے گھر سے لندن میں اپنے چھوٹے بھائی کو فون کریں گے اور اسے یہ بتائیں گے۔ کہ کل ایک شریف خاندان کے لڑکے کے ساتھ فہمیدہ کا نکاح ہو چکا ہے۔ اور میجر صاحب اس بات پر خوشی کا اظہار کریں گے۔"

نسرین نے کہا: "امی جان چھوٹے چچا کو یہ نہیں بتایا جائے گا۔ کہ اب چوپنج صاحب کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں؟"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹی اب اس کے ساتھ تمہاری عداوت ختم ہو جانی چاہیئے۔ اگر وہ کبھی تمہارے چھوٹے چچا کے دوست کی حیثیت سے یہاں آیا تو تمہیں اس کی عزت کرنی پڑے گی۔"

"چچی جان! اگر وہ نیک نیتی سے آیا۔ تو میرا دل بھی صاف ہو جائے گا، لیکن اگر میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ بھائی جان سے کینہ رکھتا ہے تو میں اسے قابلِ معافی نہیں سمجھوں گی۔ میں چچا جان کو بھی معاف نہیں کروں گی۔"

عشاء کی نماز کے فوراً بعد یوسف نے احمد خان، خان محمد اور منظور کے ساتھ کھانا کھایا اور اٹھتے ہوئے کہا: خان صاحب مجھے اجازت دیجئے آج سے میرا لکھنے کا کام پوری رفتار سے شروع ہو جائیگا۔ اور آئندہ دو تین ماہ کے لئے میں کبھی سویا ہوا بھی ہوں تو آپ مجھے وقت پر اٹھا دیا کریں۔ ورنہ جتنی دیر سے میں اٹھا کروں گا۔ اتنی دیر زیادہ مجھے جاگنا پڑیگا۔"

"بھئی یہ خان محمد کی ڈیوٹی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ دو گھنٹے کے بعد میں تمہیں کافی بھجوا دوں؟"

"اچھا جی، نوکر سے کہہ دیں کہ سونے سے پہلے مجھے کافی دے جائے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف کے سامنے تپائی پر اس کا قلم اور لکھنے کے کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ اور وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا تھا۔

"میرے اللہ جو کام میں شروع کر رہا ہوں۔ اس کے لئے تجھ سے ہمت اور برکت کا طلب گار ہوں۔"

اور پھر اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا۔ ایک ناول کا پورا پلاٹ اس کے ذہن میں تھا۔ اور سفید اور چکنے کاغذ پر جو اس نے تین ماہ قبل لاہور سے اپنی کتب کے مسودہ کے لئے خریدا تھا اس کا قلم نہایت روانی سے چل رہا تھا۔ جب اس نے کچھ تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا تو دو بج چکے تھے اور منظور اپنے بستر پر آرام سے سو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ تپائی پر کافی کی پیالی پڑی تھی۔ جو ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ منظور کمرے میں کب آیا ہے۔ اور نوکر کافی کب رکھ گیا تھا۔ اس نے ٹھنڈی کافی کی بجائے میز پر رکھے ہوئے جگ میں سے پانی کا ایک گلاس بھر کر پیا۔ اور چند منٹ سوچنے کے بعد پھر لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ تو اس نے قلم رکھ دیا۔ اٹھ کر وضو کیا اور لان

میں جائے نماز بچھا کر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا، تو احمد خان نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"یوسف صاحب آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں؟"

"خان صاحب جب مجھ پر لکھنے کا موڈ طاری ہوتا ہے تو وقت گزرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ منظور صاحب کب آ کر سو گئے تھے اور نوکر کس وقت کافی رکھ گیا تھا۔"

احمد خان نے کہا۔ "بھائی یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ فوراً اپنے بستر پر لیٹ جائیں اور جی بھر کر سوئیں۔ آپ کے کمرے میں کوئی نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں منظور صاحب کو یہ بتا دوں کہ وہ چپکے سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ جائیں۔ اور آپ کی نیند خراب نہ کریں۔"

"جی اسے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسے میری تمام اچھی اور بُری عادات معلوم ہیں۔"

"اچھا بھئی اب جا کر سو جاؤ۔"

یوسف جا کر بستر پر لیٹ گیا اور چند منٹ بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

صبح ناشتہ پر احمد خاں، خان محمد سے کہہ رہا تھا۔ "بیٹا! جن لوگوں نے دنیا میں کچھ پایا ہوتا ہے۔ وہ اسی طرح کام کرتے ہیں، منظور صاحب آپ اپنے دوست کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا یہ اسی طرح ساری ساری رات کام کیا کرتے ہیں؟"

"خان صاحب یہ ان کے موڈ پر منحصر ہے۔ اگر موڈ ہو تو وہ کئی راتیں اسی طرح جاگ سکتے ہیں۔ اگر موڈ نہ ہو تو وہ کئی دن پہاڑوں میں گھومتے رہیں گے۔ یا اُن کی دلچسپیاں گھوڑے کی سواری تیرنے اور کشتی رانی تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کبھی پڑھنے کا جنون طاری ہوتا ہے۔ تو یہ بڑی بڑی کتابیں اٹھاتے ہیں۔ اور دن رات پڑھنے میں گزار دیتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ان کی صحت بہت اچھی ہے۔"

"خاں صاحب صحت کا راز تو خوش رہنے میں ہے۔ اور یوسف صاحب ہمیشہ خوش

رہتے ہیں۔ ان کے اوپر سے پہاڑ گزر جائے تو بھی یہ کسی کو احساس نہیں ہونے دیتے کہ انہیں کوئی تکلیف ہو رہی ہے۔ خاں صاحب ایک اور عجیب چیز جو میں نے اِن میں دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو خطرے سے بھاگنے کی بجائے۔ خطرہ کا سامنا کرنے کے لئے بھاگتے ہیں۔"

"ارے بھائی یہ تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ بیٹا خان محمد۔ تم نے اپنے استاد سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اگر تم میں یوسف کی ایک خوبی بھی پیدا ہو گئی۔ تو بھی میں تم پر فخر کروں گا۔"

منظور نے کہا۔ "خان صاحب، یوسف صاحب کی وجہ سے کئی جوانوں کی زندگی میں انقلاب آیا ہے۔ میں اس بات کا گواہ ہوں۔ کیونکہ میرے اندر اگر کوئی اچھائی پیدا ہوئی ہے تو وہ ان کی وجہ سے ہے۔ اور خان محمد تو ابھی بچہ ہے۔ انشاء اللہ یہ یوسف صاحب سے اِتنا ضرور سیکھے گا۔ جتنا کہ ایک چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی سے سیکھ سکتا ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "بھئی میں تو کوہِ مردار کے بھیڑیوں کا شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے یوسف صاحب میرے دل کے اتنا قریب آ گئے۔"

منظور کے استفسار پر احمد خان نے کوہِ مردار کی سیر کا واقعہ سنانا شروع کر دیا ——— اور اختتام پر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید تم میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اپنے سسرال سے ان کے خاندان کا تعلق اسی واقعہ سے پیدا ہوا تھا۔"

"خاں صاحب یہ مجھے معلوم ہے۔ کہ اُن کے خاندان کی ایک بزرگ خاتون اور اس کی کمسن نواسی نے اِن کے ساتھ کوئٹہ سے سفر کیا تھا۔ یوسف صاحب نے ان کا ایڈریس لکھوا کر اپنے بیگ میں رکھا ہوا تھا۔ اَمرتسر سے انہوں نے گاڑی، '' کہ لیے سوٹ کیس اتارا اور بیگ بھول گئے۔ انہیں اس وقت یاد آیا۔ جب میں اسٹیشن پر اُن سے

بغل گیر ہو رہا تھا۔ اور گاڑی کے پہیے حرکت میں آچکے تھے۔ اگر میری گرفت زیادہ مضبوط نہ ہوتی تو شاید بھاگ کر وہ اپنا بیگ پکڑ لیتے۔ لیکن مَیں نے انہیں موقع نہ دیا۔"

"پھر ناراض تو وہ بہت ہوئے ہوں گے تم سے ؟"

"جی بس لعن طعن کر کے خاموش ہو گئے تھے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھ سے کوئی حماقت ہو رہی ہے۔"

احمد خاں نے کہا۔ "یار مجھے افسوس ہے کہ میں یوسف کا کلاس فیلو نہیں ہوں اور اسے قریب سے نہیں دیکھ سکا۔"

"خان صاحب آپ کو انہیں قریب سے دیکھنے کا جو موقع ملے گا۔ وہ شاید اور کسی کو نہ ملے۔ ایک بات اور کہوں کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کو خوش کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔"

"بھئی منظور، تم یقین نہیں کرو گے۔ لیکن میں نے اُسے پہلے دن دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ اس کی رگوں میں شریف خون ہے اور جس آدمی کی رگوں میں شریف خون ہو۔ وہ ہمیشہ اُن لوگوں کی عزت کرتا ہے۔ جو اُس سے پیار کرتے ہوں۔"

احمد خاں نے باورچی کو بلا کر کہا۔ "بھئی اب کھانا ذرا پہلے تیار کر لیا کرو۔ یوسف صاحب کے لئے ہمیں اپنا کھانے کا وقت تبدیل کرنا پڑے گا —— کیوں منظور صاحب ٹھیک ہے ناں ؟"

"جی ہاں، وہ اٹھتے ہی غسل کریں گے۔ اور اس کے بعد اگر کھانا تیار ہوا تو یہ اچھی بات ہو گی۔ جب وہ کام میں مصروف ہوتے ہیں تو دیر سے اٹھنے کی وجہ سے ناشتے کی بجائے کھانا کھا لیا کرتے ہیں۔ اور پھر ان کے ذہن میں کسی لمبی سیر کا پروگرام ہوا کرتا ہے —— بھائی خان محمد، آپ کو لمبی سیر کا بڑا شوق ہے اور آپ کو عملی تجربہ ہو جائے گا کہ سیر کیا ہوتی ہے۔"

احمد خاں نے کہا: "بھئی میں بھی جاؤں گا۔ صرف ایک خرابی ہے۔ کہ یہ زیادہ تیز چلنے

والے لوگ راستے میں کسی سے بات نہیں کیا کرتے۔ اور اگر کوئی ہمارے ساتھ بات نہ کرے تو ہمیں بڑی اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔"

"خان صاحب یہ کمی میں پوری کر دیا کروں گا۔ ہم یوسف صاحب سے پوچھ لیا کریں گے۔ کہ ہم نے کس طرف جانا ہے اور میں ان کے پیچھے آپ کی رفتار کا ساتھ دیا کروں گا۔ اور اگر یوسف صاحب اور خان محمد بہت آگے نکل جایا کریں گے۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ وہ ہمیں واپسی پر مل جایا کریں گے۔"

"یار یہ ٹھیک رہے گا۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بہت ہی پیچھے رہ جایا کریں گے۔ چند دن مشق کے بعد میں لمبی سیر کا عادی ہو جاؤں گا۔ ہاں بھئی دہرہ دُون سے ایک دوست نے شکار کی دعوت دی ہے۔ اگر یوسف کو شیر کے شکار کا شوق ہو تو وہ سارا انتظام کروا دیں گے۔"

عزائم اور حوصلے

کتاب لکھنے میں یوسف کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ پانچ دن تک وہ فہمیدہ کے گھر بھی نہ جا سکا۔ چھٹے روز وہ حسبِ معمول دیر سے بیدار ہوا۔ تو امینہ کا نوکر فضل دین اور اس کے ساتھ فہمیدہ کا بھائی ظہیر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ خان محمد نے کہا۔ "یہ صبح سے آئے ہوتے ہیں۔ اور انہیں یہ پریشانی تھی کہ شائد آپ کی صحت خراب ہے۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر ظہیر سے مصافحہ کرتے ہوئے پیار سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بھئی، تم نے اندر آ کر مجھے جگا لیا ہوتا۔"

ظہیر نے کہا۔ "مجھے آتے ہی معلوم ہوا تھا کہ آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں۔"

"گھر میں سب بخیریت ہیں ناں؟"

"جی ہاں، ابا جان آپ کا پتہ کرنے آ رہے تھے، لیکن نانی جان نے کہا۔ "تم جاؤ اور ان کو ساتھ لے کر آؤ۔"

"بھئی، اگر نانی جان کا حکم تھا۔ پھر تو تمہیں ضرور جگا دینا چاہیئے تھا۔"

"نہیں جی، اگر نانی جان کو یہ پتہ چلتا کہ آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں۔ اور میں نے آپ کو جگا دیا ہے تو میری شامت آ جاتی۔"

"بھئی، مجھ سے وہ سب بہت ناراض ہوں گے۔ مجھے اب ہر ایک سے معافی مانگنی پڑے گی۔"

"نہیں بھائی جان! ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔ دو دن آپ نہیں آئے تھے۔

تو ہم نے فضل دین کو بھیج دیا تھا۔ اور وہ آپ کے نوکر سے پتہ کر کے واپس آ گیا تھا کہ آپ دیر تک کام کیا کرتے ہیں اور دیر سے اٹھا کرتے ہیں۔ فضل دین ہر روز کسی نہ کسی وقت آپ کے نوکر سے پوچھ جایا کرتا تھا۔ پھر بھی نانی جان کو یہ شک ہو گیا تھا کہ آپ کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "یوسف صاحب آپ نے بھی کمال کیا ہے۔ آپ کو دن میں ایک مرتبہ تو ضرور وہاں جانا چاہیئے تھا۔ اب آپ جلدی سے کھانا کھا لیجئے اور ان کے ساتھ روانہ ہو جائیے۔ اور ان کی نانی جان سے کہیئے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

نوکر نے کھانا لا کر رکھ دیا اور یوسف نے کہا:

"آؤ ظہیر۔"

"جی میں اس وقت تو کچھ بھی نہیں کھاؤں گا۔" —— اس نے جواب دیا۔ "اور شاید آپ نے تو ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔ آپ اس وقت کچھ کھا لیں اور دوپہر کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں۔ گھر میں ابا جان کے جانے سے پہلے سیر کا پروگرام بن رہا تھا۔"

یوسف نے چند نوالے کھانے کے بعد پانی پیا اور اٹھتے ہوئے کہا۔ "خان صاحب میں وہاں سے ہو آؤں۔ منظور صاحب اگر آپ کے لیئے کوئی پیغام ہوا تو میں فضل دین کو بھیج دوں گا۔"

وہ ان کے ساتھ کمرے سے نکلا، لیکن صحن میں پہنچ کر بولا "ظہیر! بھئی ایک منٹ ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ بھاگتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اخبار کے اندر لپیٹے ہوئے کاغذات تھے۔ اس نے چلتے ہوئے فضل دین سے کہا: "فضل دین آج میں تمہیں پیسے دوں گا۔ مجھے ان کاغذوں کے لئے ایک ہینڈ بیگ کی ضرورت ہے۔ شاید یہاں کسی دکاندار سے مل جائے۔"

ظہیر نے کہا "جی اگر یہاں سے نہ ملا تو ڈیرہ ڈون سے مل جائے گا۔ یا کسی دکاندار
سے کہہ کر منگوا لیا جائے گا۔ ورنہ کوئی نہ کوئی وہاں جاتا رہتا ہے۔"

وہ مکان کے اندر داخل ہوئے تو فہمیدہ، امینہ اور نسرین برآمدے میں دکھائی دیں
نسرین نے اٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان آپ نے بہت پریشان کیا۔ اور ظہیر
کے متعلق تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں عقل کی تھوڑی کمی ہے لیکن فضل دین کو کیا ہو گیا تھا۔
میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ آپ نے کوئی اور ڈاکو پکڑ لیا ہے۔ اور فضل دین نے اسے باندھنا
شروع کر دیا ہے۔"

"دیکھو نسرین، ان میں سے کسی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ بات یہ ہوئی تھی۔ کہ میں نے لکھنا
شروع کر دیا ہے۔ صبح ہونے کو آتی ہے تو میں سویا کرتا ہوں۔ اب یہ فیصلہ تمہاری آپا جان
بہتر کر سکتی ہیں۔ کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کے بعد مجھے سونا چاہیئے یا نہیں۔ تم ان لوگوں
کو قصور وار کہہ سکتی ہو۔ جنہوں نے تمہارے ایلچیوں کو مجھے جگانے کی اجازت نہیں دی۔
لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے فہمیدہ اِن کاغذات پر ایک نظر
ڈال لیں۔ تو ان کا فیصلہ زیادہ درست ہو گا۔"

یہ کہتے ہوتے یوسف نے کاغذات کا بنڈل فہمیدہ کو پیش کر دیا۔

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا "میں پڑھے بغیر یہ کہہ سکتی ہوں۔ کہ اگر
آپ ساری ساری رات لکھتے رہے ہیں۔ تو یقیناً کوئی اچھی چیز لکھ رہے ہوں گے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "خیال تو میرا بھی یہی ہے۔ لیکن پورا اطمینان مجھے اس وقت
ہو گا۔ جب آپ اسے اچھی طرح پڑھ کر کوئی رائے قائم کریں گی اور اپنی بہن امینہ سے بھی
میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں ان کا حال پوچھنے نہیں آسکا۔"

نسرین بولی۔ "اور بھائی جان مجھے یہ شکایت ہے کہ مجھے آپ ہمیشہ بھول جاتے ہیں
آپ کو یہ خیال بھی نہیں آیا ہو گا۔ کہ میں ہر روز فضل دین کو آپ کی خیریت معلوم کرنے کے

لئے بھیجا کرتی تھی۔ اور پھر ان سب کو تسلی دیا کرتی تھی۔"

"اچھا نسرین پہلے مجھے نانی جان کے پاس لے چلو۔ اور ان سے میری سفارش کرو۔"

"بھائی جان میں سفارش کروں یا نہ کروں۔ وہ سخت غصہ کی حالت میں سو گئی ہیں۔
اور مجھے یقین ہے کہ نیند کی حالت میں بھی آپ کی آواز سنیں گی تو دعائیں دیتی ہوئی اٹھیں گی
بھائی جان پہلے میں یہ سمجھتی تھی ہمارے گھر میں سب سے زیادہ آپا فہمیدہ کے لئے دعائیں
کی جاتی ہیں۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ آپ کے لئے زیادہ دعائیں کی جاتی ہیں۔"

نانی نے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "باتونی لڑکی" بیٹے کو اندر بھی آنے دو گی۔ یا باہر
ہی اس کا مغز کھاتی رہو گی۔"

"دیکھا بھائی جان" نسرین نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کسی کی تعریف کرو تو اس سے یہ انعام
ملتا ہے۔ بھائی جان جلدی جائیے نا اندر۔ ورنہ نانی جان مجھے باتونی سے کچھ اور بنا دیں گی۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نانی جان، میری ننھی بہن کو کچھ نہ کہا کریں۔ یہ بہت معصوم
ہے اور آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔"

"شکریہ بھائی جان" نسرین مسکرائی۔

بیگم احمد ہنستی ہوئی یوسف کو لے کر اندر چلی گئیں۔ چند منٹ بعد صفیہ اور بلقیس بھی بیگم
فریدہ احمد کے کمرے میں آگئیں۔ نسرین نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"بھائی جان میں نے امی جان اور چچی جان کو بتا دیا ہے کہ آپ کتاب لکھنے میں مصروف
ہو گئے تھے۔ ساری رات لکھتے رہتے تھے اور دن کے وقت سوتے تھے۔ اس لئے یہاں
نہ آسکے۔"

"تمہیں یہ کیسے خیال ہے کہ ہم نے انہیں لکھنے سے منع کیا تھا۔" بلقیس نے تلخ
ہو کر کہا۔

یوسف نے کہا۔ "چچی جان جو کوتاہی مجھ سے ہوتی ہے۔ مجھے اس کا پورا احساس ہے

میں کسی دکان سے فون بھی کر سکتا تھا، لیکن مجھ پر کبھی کبھی ایسا موڈ طاری ہوتا ہے۔ جب میں بہت کچھ بھول جاتا ہوں۔ لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

بلقیس نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو یوسف آئندہ کے لئے یہ یاد رکھو کہ ایسا موڈ مجھ پر بھی طاری ہو سکتا ہے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "چچی جان یہ عجیب بات ہے۔ کہ آج میں نے گھر سے نکلتے ہی یہ محسوس کیا تھا۔ کہ میں آپ کا موڈ خراب کرنے کی غلطی کر چکا ہوں۔"

بلقیس ہنس پڑی۔ "بڑے نالائق ہو تم۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "چچی جان مجھے نالائق کہہ لیا کریں، لیکن اسی طرح مسکراتی رہا کریں۔ ماں جی سے پوچھ لیجئے کہ آپ مسکراتی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہیں۔"

بیگم احمد نے ہنستے ہوئے کہا "ہے تو یہ بات درست، لیکن چالاک بہت ہو تم، ہمیشہ اپنی بات منوا لیتے ہو۔"

"اچھی مائیں ہمیشہ بچوں کی بات مان لیتی ہیں۔"

نسرین نے کہا۔ "بھائی جان امی اور نانی جان بھی تھوڑی بہت ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بعد میری بات مان لیا کرتی ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹا! یہ عجیب بات ہے کہ منظور کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اور ہمیں مل کر بھی نہیں گیا۔"

"چچی جان وہ غائب نہیں ہوا۔ میرے ساتھ رہتا ہے۔ اور چند دن یہیں رہے گا۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا! ہم سب یہاں سے واپسی کی تیاری کر رہے ہیں اور پرسوں اتوار کے روز مسوری کے باہر کسی ندی کے کنارے پکنک کا پروگرام بنا ہے۔ دہرہ دون والے سب یہاں آئیں گے۔ وہ اس جگہ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔"

"جی میں وہ جگہ دیکھ آیا ہوں، غالباً اسے کیمپٹی فالز کہتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہاں آبشاریں ہوں گی۔ ایک دن میں سیر کرتے کرتے وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ یہ ندی ہے۔ جس کا پانی صاف تھا۔ اور جگہ جگہ بے تحاشا موٹے لوگ نہا رہے تھے۔ اور بعض کناروں پر بال بچوں کے ساتھ آم اور لیچیاں کھا رہے تھے۔ اور جگہ جگہ چھلکوں اور گٹھلیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے مکھیاں بھی کافی تھیں وہاں۔"

بلقیس نے کہا۔ "واللہ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ میری توبہ۔"

یوسف بولا۔ "ہم ایک اور طرف اسی قدر فاصلہ طے کر کے ایک ایسے پہاڑ تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو بہت خوب صورت ہے۔ یہ کسی راجا کی ملکیت ہے۔ جو آٹھ آنہ پہاڑ کی سیر کرنے والوں سے لیتا ہے۔ اور یہی اس کا ذریعہ آمدنی ہے۔"

بیگم احمد نے پوچھا۔ "اس بچارے کو اپنے پہاڑ کے راستوں کی نگرانی کے لئے کافی پہرے دار رکھنے پڑتے ہوں گے۔"

"ماں جی میں نے معلوم کیا تھا راجے کی فوج کی تعداد تین آدمیوں پر مشتمل ہے ایک آدمی کے پاس توڑے دار بندوق ہے جسے آپ کمانڈر انچیف کہہ سکتی ہیں اور دو کے پاس نیزے ہیں۔ پہاڑ اتنا خوب صورت ہے کہ میں جب چوٹی تک گھوم کر واپس آیا تو میں نے انہیں ایک روپیہ اور دیتے ہوئے کہا کہ بھئی یہ تمہارا انعام ہے۔ یہ آپس میں تقسیم کر لینا بڑا پہرے دار دور تک مجھے رخصت کرنے آیا تھا اور اس نے مجھے کہا، 'صاحب' آپ اگر برا نہ مانیں تو میری ایک درخواست ہے اور وہ یہ ہے کہ مسوری میں آپ اچھے لوگوں سے ملتے ہوں گے۔ اس پہاڑی کا نام "ہاتھی پاؤں" ہے۔ اگر آپ سیر کا شوق رکھنے والوں کو اس طرف کا راستہ دکھا دیا کریں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" میرا خیال ہے کہ آپ وہاں جا کر بہت خوش ہوں گی۔ پہاڑ کے نیچے اور دامن میں دو تین صاف ستھری جگہوں پر لکڑی کے بینچ رکھے ہوئے ہیں۔ قریب ہی ایک جگہ چھوٹے سے چشمے سے پانی بھی مل جاتا ہے۔"

صفیہ نے کہا۔ "امی جان میرا خیال ہے کہ یہاں "دھرم سالا" سے بہتر کوئی جگہ نہیں

ہے ۔ وہاں پانی کے چشمے ہیں۔ اتنا ٹھنڈا پانی کہ ہم صرف ایک ایک گھونٹ کر کے پی سکتے ہیں۔ وہاں آبشاریں اور ندیاں ہیں۔ وہاں ہم تھوڑا سا چلنے کے بعد جھیل کے کنارے پہنچ جاتے ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی یہاں تو تمہیں دہرہ دون والوں کی وجہ سے آنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہاتھی پاؤں بھی ایک مذاق ہی ہوگا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان اگر آپ اس طرح سوچیں تو میں آپ کو صرف "کیمل بیک روڈ" پر صبح و شام گھومنے کے سوا کہیں اور جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ مسوری مجھے اس لئے خوب صورت لگتا ہے کہ یہاں اچانک نسرین نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اور پھر خالہ جان اور آپ سب مجھے مل گئے تھے۔ ورنہ معلوم نہیں کہ میں کچھ عرصہ بعد کہاں پہنچ گیا ہوتا۔"

بیگم فریدہ احمد نے کہا۔ "بھئی جو لوگ دہرہ دون سے آتے ہیں ان سب کو اسی سڑک پر دو تین چکر لگوا دیتا۔ ہم نہیں جاتے کسی پہاڑی پر۔ شہر سے باہر پہاڑیوں پر درندے بھی ہوتے ہیں ورنہ سانپ تو ضرور ہی ہوتے ہیں۔ کیا نام تھا وہ دوسری جگہ کا جہاں ندی بہتی ہے۔ وہاں بھی ہم نہیں جاتے۔ یہ بڑی توند والے بنئے جہاں کھانے پینے کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں ہیضہ کے جراثیم ضرور ساتھ لے جاتے ہیں۔ تم نے سنا نہیں کہ ہیضہ اور جگہ ہو یا نہ ہو "ہردوار" میں ضرور ہوتا ہے۔ یوسف بیٹا، کیا اچھا ہوتا کہ تم کانگڑہ جاتے اور ہم سب کو خط لکھ کر بلوا لیتے۔"

"ہاں جی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سب میرے خط پر پہنچ جائیں گے تو میں یہ خط لکھ کر روانہ ہوتا کہ میں کانگڑہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں۔ اگر کسی کو میری تلاش ہو تو وہ وہاں پہنچ جاتے لیکن اُن دِنوں حالات نے مجھے اس قدر رنجیدہ بنا دیا تھا کہ اس قسم کی باتیں میرے ذہن میں نہیں آسکتی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ سے رُوٹھ گیا تھا۔"

"ارے بیٹے! تم میرے پاس کیوں نہ آ گئے۔" بیگم احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماں جی، میں آپ کو اپنی پریشانیوں میں حصہ دار بنانا نہیں چاہتا تھا۔"

بلقیس نے کہا۔ "تو بیٹا پھر فیصلہ یہی ہے کہ دہرہ دون والے مہمانوں کے ساتھ یہیں آس پاس چکر لگا لیں گے۔ اب تک تمہیں وہ سارے راستے معلوم ہو گئے ہوں گے۔ جن پر مہمانوں کو جلد از جلد تھکایا جا سکتا ہے۔"

"جی یہ بالکل ٹھیک ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اُن کو آتے ہی ناشتہ وغیرہ کھلا کر سیر کے لئے لے چلیں گے۔ اور پھر انشاءاللہ دو گھنٹے کی سیر کے بعد اُن میں سے کوئی شام تک بھی بستر سے اٹھنا پسند نہیں کرے گا۔"

دوسرے کمرے سے امینہ نے نسرین کو آواز دی۔ وہ بھاگ کر گئی اور پھر چند منٹ بعد واپس آکر اپنی ماں کے کان میں کچھ کہہ کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔

صفیہ نے کہا۔ "بیٹی، جاؤ یوسف کو ابھی بھیجتے ہیں اور وہ چائے پیئے بغیر نہیں جائیں گے۔ اور دیکھو نوکر سے کہنا کہ یوسف کے لئے اچھی سی چائے بنا کر فہمیدہ کے کمرے میں لے جائے۔ فضل دین سے کہنا وہ ان کے لئے کباب بھی تیار کر دے گا۔ اگر یوسف کا نام لو گی تو وہ بڑے اچھے کباب بنائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف دوسرے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچا تو امینہ جو سامنے بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑی ہوگئی، لیکن فہمیدہ جو چمڑے کی ایک خوب صورت فائیل میں نتھی کئے ہوئے کاغذات دیکھنے میں منہمک تھی۔ اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ امینہ نے کہا۔ "فہمیدہ بہن! اگر کتاب لکھنے والا اچانک سامنے آجاتے۔ تو کتاب کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی؟ خصوصاً اس وقت جب کہ آپ ایک دفعہ اسے پڑھ بھی چکی ہوں۔"

فہمیدہ نے اچانک سر اٹھایا، یوسف کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی اٹھی اور کہنے لگی "معاف کیجئے! میں کاغذات فائل میں لگانے کے بعد چیک کر رہی تھی۔ کہ مجھے

کوئی غلطی نہ ہوگئی ہو۔ اور چیک کرتے کرتے بعض صفحات دوبارہ پڑھنا شروع کر دیتی تھی"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر مجھے یہ اطمینان رکھنا چاہیئے۔ کہ میں نصف سے زیادہ کامیابی حاصل کر چکا ہوں"۔

فہیدہ نے جواب دیا۔ "میں آپ کی کامیابی کے ساتھ نصف کا لفظ کبھی پسند نہیں کروں گی۔ میرے خیال میں اگر کامیابی توقع کے مطابق ہو۔ تو وہ سو فیصد ہوتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول کی دنیا میں آپ کی کامیابی آپ کی توقع اور اس کے ساتھ میری توقع سے بھی بہت زیادہ ہوگی۔ آپ لکھتے وقت شائع ہونے والی مشکلات کے متعلق نہ سوچا کریں۔ ظہیر جس دکان سے یہ فائل تلاش کر کے لایا تھا۔ میں نے اسے یہ پیغام بھیج دیا ہے کہ ہمیں اس قسم کی نصف درجن فائلیں اور چاہیئں۔ اگر اس سے بہتر ہوں تو بھی ہم خرید لیں گے۔ آئندہ آپ کا ہر مسودہ محفوظ رہنا چاہیئے۔ اور مجھے اس وقت کا انتظار رہے گا۔ جب آپ کے لکھے ہوئے کاغذ کے ہر پرزے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا"۔

یوسف بولا۔ "فہیدہ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ کہ تم نے میری خود اعتمادی میں ہمیشہ اضافہ کیا ہے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہر بار یہ محسوس کیا کرتا ہوں۔ کہ میری دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور اس لئے قبول ہو رہی ہیں کہ بہت سے پیار کرنے والوں کی خاموش آوازیں میری فریاد میں شامل ہیں"۔

فہیدہ بولی۔ "آپ کو امینہ بہن کو بھی یقین دلانا چاہیئے کہ آپ بھی اس کے لئے دعا کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جتنی دعائیں آپ کے لئے یہ کرتی ہیں۔ اتنی کوئی سگی بہن بھی اپنے بھائی کے لئے نہیں کرتی"۔

یوسف نے مسکراتے ہوئے امینہ کی طرف دیکھا۔ "کیوں امینہ! تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ میں بھی تمہارے لئے دعا کیا کرتا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ تمہارا دل تمہیں کچھ نہیں بتاتا؟"

امینہ بولی۔ "بھائی جان، جب بھی میرے دل میں کوئی خوشی کی لہر اٹھتی ہے تو میں یہی محسوس کرتی ہوں کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہوں گے۔ اور پھر مجھے بھی تو آپ نے ہی دعا کرنا سکھایا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچا کرتی ہوں کہ فہیدہ بہن کا گھر جالندھر کی بجائے ہماری طرح کہیں آپ کے پڑوس میں ہوتا تو چند سال میں آپ انہیں کیا کچھ سکھا دیتے"۔

یوسف نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں کہ میں انہیں کیا سکھا سکتا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں غیر شعوری طور پر ان سے بہت کچھ سیکھ جاتا"۔

فہیدہ بولی۔ "امینہ یہ تمہارے سوال کا درست جواب نہیں دے رہے۔ یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھتے۔ اور یہ بات کسی کو معلوم نہ ہوتی کہ انہوں نے غیر شعوری طور پر مجھ سے کیا سیکھا ہے۔ لیکن جو کچھ میں سیکھتی وہ سب کو معلوم ہوتا مثلاً میں ان سے گھوڑے کی سواری سیکھتی، بندوق اور پستول چلانا سیکھتی۔ اور اگر یہ ممکن ہوتا تو کسی نہر، جھیل یا دریا میں تیرنا بھی سیکھتی۔ شاید میرے دل میں کشتی چلانے کا شوق بھی پیدا ہو جاتا۔ مجھے اب یہ سوچنا پڑے گا کہ مجھے یہ کیا کچھ نہیں سکھا سکتے تھے۔ لیکن تم تو گاؤں میں ان سے بہت کچھ سیکھ سکتی تھیں"۔

امینہ بولی۔ "توبہ بہن! شہر میں بھی میرے متعلق یہ مشہور تھا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ اور گاؤں میں تو میں یہ سمجھ کر گئی تھی کہ وہاں بہت آزادی ہوگی، لیکن وہاں بھائی یوسف کو دیکھ کر میری جان نکل جاتی تھی۔ آپ دیکھئے نا! انہوں نے اس مشہور ڈاکو کو پکڑا تھا جس کا نام سن کر لوگ سہم جایا کرتے تھے۔ لیکن میرے دل میں ان کے خوف کے ساتھ ایک اور جذبہ بھی پیدا ہو چکا تھا جس کا مجھے دیر تک احساس نہیں ہوا۔ اور وہ ان کی اطاعت کا جذبہ تھا۔ میں ان کی ہر بات پوری سنجیدگی سے سنا کرتی تھی۔ اور ان کے گھر کی خواتین کی باتیں بھی میرے دل پر بہت اثر کیا کرتی تھیں۔ شاید شروع سے ہی میں نے انہیں انسانیت کا قابل فخر نمونہ سمجھ لیا تھا۔ اور میرے لئے ان کا معمولی اشارہ بھی حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میرا بھائی چھوٹا ہے۔ اور

ہیں یہ محسوس کیا کرتی تھی کہ اگر یوسف صاحب بھی میرے بھائی ہوتے تو میں کتنا فخر کیا کرتی اور پھر میری زندگی کا اہم ترین دن وہ تھا۔ جب یوسف بھائی نے کسی اور کی بجائے اپنے مستقبل کے بارے میں براہ راست میرے ساتھ بات کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اپنی منگنی کے متعلق اپنے والد اور میرے والدین کی خواہشات کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھے صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ مجھے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس وقت اچانک مجھے محسوس ہوا کہ یہ انسان اتنا بڑا ہے کہ دنیا میں کسی کو فریب نہیں دے سکتا۔ کسی کی دل آزاری برداشت نہیں کر سکتا۔ اس ایک لمحہ کے اندر مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ یوسف صاحب میرے بھائی ہیں اور ہمیشہ میرے بھائی تھے اب مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ایک ثانیہ کے لیئے میں یہ سوچتے ہوتے زمین کے اندر گڑی جا رہی تھی کہ میں نے اُن کے ساتھ منسوب ہو جانے کے تصور سے اپنے مستقبل کے متعلق کیوں سوچا تھا۔ اب میں اپنے بھائی اور بھابی کے سامنے یہ اعتراف کروں گی کہ ہمارے گھر میں جب منگنی کی رسومات کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو میں تصور میں یوسف صاحب کو غضبناک دیکھ کر ڈر جایا کرتی تھی۔ فہمیدہ بہن آپ یقین نہیں کریں گی، لیکن جس دن میں نے پہلی بار آپ کو غور سے دیکھا تھا۔ تو میرے دل میں یہ خیال آیا تھا۔ کہ اگر یوسف صاحب میرے بھائی ہوتے تو میں اپنے والدین سے کہتی کہ میں اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھ چکی ہوں۔ یوسف صاحب کی والدہ کی وفات کے بعد مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ انہیں فہمیدہ بہن بہت پسند تھیں۔ پھر حالات ایسے ہو گئے کہ میں خود ایک بھنور کے اندر پھنس کر بے بس ہو گئی تھی۔ میں یہ جانتی تھی کہ مجھے اس بھنور سے نکالنے کے لیئے یوسف صاحب کے سوا کوئی میری مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ میرا بہادر بھائی خود ایک گرداب میں پھنس گیا تھا۔ اچانک یہ ایک دن ہمارے گھر میں آئے۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ قدرت نے مجھے اور میرے بھائی کو بھی گرداب سے باہر نکال لیا ہے۔ لیکن میرا یہ بھائی اب کہیں دور جا رہا ہے۔ مجھے اس وقت

احساس ہوا کہ ہمارے بزرگوں کی غلطیوں کی وجہ سے یوسف صاحب کے لیئے اتنی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے حسین ترین خواب بھول جانے کے لیئے تیار ہو گئے ہیں۔ اب وہ کتابیں نہیں لکھیں گے، بلکہ ملازمت کر کے کہیں دور چلے جائیں گے۔ یہ جاتے جاتے مجھے بہت سا حوصلہ دے گئے۔ لیکن اس کے بعد میں چھپ چھپ کر رویا کرتی تھی۔ کہ میرا بھائی زخم خوردہ ہو کر گیا ہے۔ منظور صاحب جن سے وہ مجھے متعارف کروا گئے تھے۔ میرے لیئے بہت بڑا سہارا ثابت ہوئے۔ لیکن اس مسئلے پر ان سے کوئی بات کرنے سے پہلے میں نے ایک رات اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ میں چچی بلقیس کے ہاں جاؤں گی خدا کا شکر ہے کہ میرا یہ فیصلہ درست تھا۔ اور چچی بلقیس میری باتیں سن کر جس قدر تڑپی تھیں وہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ پھر میرے دل میں وہی جنون تھا جو ایک بہن کے دل میں اپنے بھائی کے لیئے ہو سکتا ہے۔ میں اپنے ابا کو لے کر یوسف صاحب کے والد کے پاس پہنچی۔ کہتے ہیں کہ وہ سخت دل ہیں۔ لیکن کوئی باپ بھی سخت دل نہیں ہوتا اور یوسف صاحب کے والد کی تو یہ حالت تھی کہ وہ میری باتیں سننے کے بعد بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہے تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "میری بہن مجھے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ آپ کو کس نے چھیڑ دیا ہے۔ آپ نے اتنی باتیں کہہ دی ہیں کہ مجھے فہمیدہ بھی رونے کی تیاریاں کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔"

نسرین جو دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا: "خدا کے لیئے آپا جان اب تو رونا دھونا چھوڑ دیجیئے۔ اب تو فضل دین نے بازار سے گوشت لا کر گرم گرم کباب بھی تیار کر لیئے ہیں، اور چائے دم ہو رہی ہے۔ اگر اجازت ہو تو لے آؤں۔ ورنہ نانی جان، امی جان اور چچی جان آ کر آپ کے مغموم ہونے کی وجہ پوچھیں گی، تو مجھے سب کچھ بتانا پڑے گا۔"

امینہ نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔ "بھائی جان، خدا کے لیئے اسے منع کریں۔ جب یہ

اندر آرہی تھی تو میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔ اس طرح اسے باتیں سننے کا موقع مل گیا۔ اب یہ میری ساری باتیں دہرائے گی۔"

نسرین آگے بڑھ کر ہنستی ہوئی امینہ سے لپٹ گئی اور بولی۔ "آپا جان' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے مجھے باتیں سننے کا موقع دیا ہو اور میں آپ کا اعتماد مجروح کروں۔"

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سبحان اللہ! ہمارے گھر میں ادبیت بڑے زوروں سے آرہی ہے۔"

فضل دین نے دروازے کے قریب آکر آواز دی۔ "جناب' چائے تیار ہوگئی ہے۔ اگر حکم ہو تو لے آؤں؟"

یوسف نے کہا۔ "نہیں بھئی! چائے میز پر رکھو، ہم سب وہاں آتے ہیں۔"

"جناب! جلدی آئیں ورنہ کباب ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

نسرین نے کہا۔ "فضل دین تم فکر نہ کرو۔ ایک منٹ کے اندر اندر سب وہاں جمع ہو جائیں گے۔ ٹھنڈا پانی بھی رکھوا دو وہاں۔"

"بی بی جی، میں لیموں بھی لے آیا تھا۔"

امینہ بولی۔ "دیکھا، فضل دین کتنی دور تک سوچتا ہے۔ پہلے لیموں کا شربت، پھر چائے اور کباب۔ اور اس کے بعد شاید سیر کے لئے بھی کچھ وقت نکل آئے۔ بھائی جان رات کا کھانا آپ کو ہمارے ساتھ کھانا پڑے گا۔ آپ نسرین سے پوچھ لیجئے انہیں اپنی آپا کا چہرہ دیکھ کر معلوم ہو جایا کرتا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔"

نسرین بولی۔ "جی' سب باتیں بتائی تو نہیں جا سکتیں۔ ورنہ میں تو ایک گھنٹہ پہلے ہی یہ سمجھ گئی تھی کہ آپا جان رات کے کھانے کے بعد بھی کچھ دیر باتیں کرنا پسند کریں گی۔ آج شاید دسویں رات کا چاند ہے ناں؟ اس لئے وہ کچھ دیر صحن میں یا سڑک پر گھومنا بھی پسند فرمائیں گی۔ لیکن اس کا انحصار بھائی جان کے موڈ پر ہے۔ کیونکہ اگر بھائی جان لکھنے

کے موڈ میں آگئے۔ تو آپا جان یہ پسند نہیں کریں گی کہ وہ دس منٹ بھی ضائع کریں۔ اور میں خود بھی یہ پسند نہیں کروں گی۔ اُف خدایا! ہم نے پھر باتیں شروع کر دیں۔ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور جب تک بھائی جان میز پر نہیں جائیں گے۔ فضل دین کباب میز پر نہیں لائے گا۔"

وہ سب ہنستے ہوئے اٹھے اور دو منٹ بعد چائے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے سب سے پہلے بیگم احمد نے کباب چکھتے ہوئے فضل دین کی تعریف کی۔ اس کے بعد سب نے باری باری فضل دین سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ "فضل دین وہ خاص چیز کیا ہے جو تم کباب میں ڈالا کرتے ہو؟" بلقیس بولی۔

"کوئی کامیاب باورچی اپنے راز ظاہر نہیں کیا کرتا۔ لیکن ہم امینہ بیٹی سے پوچھ لیں گے اس کی کوئی بات امینہ کے لئے راز نہیں ہو سکتی۔"

فضل دین نے پریشان ہو کر کہا۔ "بی بی جی! خدا کے لئے مجھ پر اعتبار کریں میں نے سب کچھ امینہ بی بی سے سیکھا ہے۔ اور امینہ بی بی نے سب کچھ اپنی امی سے سیکھا ہے میاں صاحب کہا کرتے ہیں کہ کئی سال پہلے ان کے ہاں ایک بہت ہوشیار باورچی ہوا کرتا تھا۔ وہ یو۔پی کے ایک نواب کے باورچی کا بیٹا تھا۔ جب نواب صاحب کی حالت پتلی ہو گئی۔ ان کے تین بڑے بھائیوں نے بڑے بڑے ہوٹلوں میں ملازمتیں کر لیں۔ سب سے چھوٹا بھائی، میاں صاحب کے پاس آگیا۔ اس زمانے میں میاں صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور بیگم صاحبہ نے اسے اچھے اچھے کھانے سیکھنے کے لئے اپنا استاد بنا لیا۔ جب وہ کوئی اچھا کھانا پکانا سیکھ لیتی تھیں تو میاں صاحب دوستوں کی دعوت کیا کرتے تھے اور جب مہمان کھانے کی تعریف کیا کرتے تھے۔ تو میاں صاحب اس باورچی کو انعام دیا کرتے تھے۔ وہ دس سال تک میاں صاحب کے پاس رہا۔ لیکن پھر میاں صاحب کے گھر میں ایک بڑی دعوت ہوئی جس میں کوئی بڑا تاجر بھی مہمان تھا۔ اس دعوت میں اس باورچی نے خاص کھانے تیار کئے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تاجر نے دگنی تنخواہ پر

اس باورچی کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ پھر دوسرے باورچی آتے رہے۔ جن سے مَیں کچھ سیکھتا رہا۔ لیکن وہ نواب صاحب والا باورچی بیگم صاحبہ کو جو کباب بنانا سکھا گیا تھا۔ وہ امینہ بی بی نے مجھے بھی بنانا سکھا دیئے۔"

امینہ نے کہا۔ "بھئی ایک تو ہمارا باورچی جب کوئی کہانی شروع کر دیتا ہے تو وہ ختم ہونے کو نہیں آتی۔ یہ بھی شکر ہے۔ کہ اس نے ڈاکو کو پلنگ کی نواڑ میں جکڑنے کا قصہ شروع نہیں کر دیا تھا۔ ورنہ ہم سب یہ محسوس کرتے کہ ہمیں بھی کسا جا رہا ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی وہ تو اس کا ایک کارنامہ تھا اور جتنا بڑا کسی کا کارنامہ ہوتا ہے اتنا زیادہ وہ اسے فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ امینہ اور اس کے والدین کی خوش قسمتی تو یہی تھی کہ فضل دین پورا باورچی نہیں بن گیا تھا۔ کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو اس کے دل میں ایک خطرناک ڈاکو کو سیروں وزنی نواڑ میں جکڑنے کا خیال کیسے آ سکتا تھا۔ اگر وہ ایک کامیاب باورچی ہوتا تو وہ کہتا۔ "جناب مجھ سے پلاؤ تیار کروا لیجئے، بریانی بنوا لیجئے، شاہی ٹکڑے تیار کروا لیجئے۔ لیکن اس خطرناک ڈاکو کو باندھنے کا کام میرے بس کا روگ نہیں۔"

فضل دین نے فوراً کہا۔ "یوسف صاحب خدا کی قسم! آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کباب تو میں اس لئے بنا لیتا ہوں کہ آپ پسند کرتے ہیں۔ ورنہ میرے اندر باورچیوں والی کوئی خوبی نہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی کباب امینہ بھی تو پسند کرتی ہے ناں؟"

"جی ہاں! وہ بھی میرا دل رکھنے کے لئے پسند کر لیتی ہیں۔"

فہمیدہ نے کباب کھاتے ہوئے کہا۔ "بھئی فضل دین! میں تمہارا دل رکھنے کے لئے نہیں کہتی۔ لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم بہت اچھے کباب بناتے ہو۔"

فضل دین نے کہا۔ "شکریہ بی بی جی! کباب تو وہ کھانے والے ہوں گے جو آپ بنائیں گی۔"

نسرین بولی۔ "میرے خیال میں ایک تعلیم یافتہ آدمی ہی آپا جان کی کسی چیز کی صحیح تعریف کر سکتا ہے۔ اگر کسی میں علم کی کمی ہو۔ تو وہ آپا جان کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کی صحیح تعریف بھی نہیں کر سکے گا۔"

ظہیر نے کہا۔ "آپا نسرین ٹھیک کہتی ہیں۔ ہمارا استاد کہا کرتا ہے کہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے دماغ کے کئی خانے بند رہتے ہیں۔"

فضل دین نے کہا۔ "صاحب جی! یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن کھانے کے ذائقے کا تعلق تو نمک اور مرچ مصالحے سے ہوتا ہے۔"

نسرین بولی۔ "یہی تو بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کھانے کے اندر خاص قسم کی مہک ہوتی ہے۔ جسے علم کے بغیر تم بیان ہی نہیں کر سکو گے۔"

فضل دین نے کہا۔ "جناب! گُڑ والے پلاؤ کی مہک تو میں دور سے سونگھ لیا کرتا ہوں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی اس کے لئے علم کی نہیں تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ تو خدا نے تمہیں ڈھیروں دی ہے۔ نسرین بلاوجہ تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ تمہارا یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ میں ڈاکوؤں کو باندھنا جانتا ہوں۔ اور کچھ نہیں جانتا۔"

"بی بی جی! میں سب کے سامنے جھوٹ تو نہیں بول سکتا ناں! میں ابھی اپنی بیوقوفی سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ میں یوسف صاحب اور آپ سب کی پسند کے کباب بنا سکتا ہوں۔ اصل میں یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں ایک غلط بحث میں پھنس گیا ہوں اور اِن باتوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آپ چائے بھی اطمینان سے نہیں پی رہے۔ یہ ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ میں اور دم کر کے لاتا ہوں۔ کباب بھی اور تل لیتا ہوں۔"

صفیہ نے کہا۔ "نہیں فضل دین! اب تم اطمینان سے باورچی خانے میں بیٹھ کر چائے پیو۔ اگر ہم آواز دیں تو ہمارے نوکر کو ادھر بھیج دینا۔"

"جی میں بھی تو نوکر ہوں۔"

"نہیں فضل دین تم ہمارے مہمان ہو"

نمازِ مغرب کے بعد یوسف نے صفیہ سے کہا:

"خالہ جان اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں شام کے کھانے کے لئے نہیں ٹھہر سکوں گا۔ مَیں تھوڑی دیر فہمیدہ سے چند ضروری باتیں کرنے کے بعد اُن سے معذرت کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ برا نہیں مانیں گی۔ چچی جان ابھی نفل پڑھ رہی ہیں۔ جب وہ فارغ ہو جائیں گی تو مَیں ان سے اجازت لے لوں گا۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا، اگر فہمیدہ تمہارے ساتھ سیر کے لئے جانا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں خالہ جان! ایسا کوئی پروگرام نہیں۔ ہم باہر کھلی ہوا میں چند منٹ کے لئے ٹہل لیں گے۔ اور پھر میں رخصت ہو جاؤں گا۔"

پھر اس نے ظہیر سے کہا۔ "ظہیر! فضل دین کو بلا کر کہو کہ وہ دو کرسیاں اٹھا کر لان میں ایک طرف رکھ دے اور جب میں فہمیدہ کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہو جاؤں تو تم اپنی امینہ آپا اور نسرین کے ساتھ تھوڑی سی سیر کر آؤ تاکہ وہ کہیں بور نہ ہو جائیں۔ لیکن زیادہ دور نہ جانا۔ فضل دین کو یہ بھی کہہ دو۔ کہ وہ خاں صاحب کے گھر جائے اور انہیں یہ کہہ دے کہ میں ایک گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا اور منظور صاحب کو یہ بتا آئیے کہ میں آتے ہی لکھنا شروع کر دوں گا۔"

دس منٹ بعد یوسف کشادہ لان میں کھڑا چاند کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ فہمیدہ اُس کی طرف آ رہی تھی اور گرد و پیش کے تمام مناظر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ سفید لباس کی طرح اس کا دوپٹہ بھی سفید تھا اور پاؤں میں اس کی سینڈل بھی سفید تھی۔ وہ پہلی بار اِس احساس کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ کہ اس سے قبل اس نے پہلے کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ یا شاید اُس کی نگاہیں ایک لمحہ سے زیادہ اس کے چہرے پر نہیں رک سکیں۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک اجنبیت کے پردے حائل ہو جایا کرتے تھے، لیکن اب وہ نسوانی حسن و وقار کے اس پیکرِ مجسم کو اپنے دل کی دھڑکنیں محسوس کئے بغیر دیکھ رہا تھا۔ جب وہ قریب آ کر رُک گئی تو چند لمحوں کے لئے وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا کہنا چاہیئے پھر اس نے اچانک سنبھل کر کہا:

"عجیب بات ہے۔ کہ ہم خوشی کے لمحات میں "السلام علیکم" کہنا بھی بھول جاتے ہیں مَیں نے آپ کو اس جگہ بٹھا کر باتیں کرنے کی اجازت لے لی ہے۔ آپ کو اُس کرسی تک جانے کے لئے میرے سہارے کی ضرورت تو نہیں؟"

"جی! بالکل نہیں!" فہمیدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اور یوسف نے ایسا محسوس کیا کہ کائنات مسرت کے قہقہوں سے لبریز ہو گئی ہے۔ وہ قریب ترین کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں جی! آپ کے لئے وہ کرسی زیادہ آرام دہ ہو گی۔"

فہمیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، اُن دو کرسیوں میں۔"

"جب آپ اس کرسی پر بیٹھ جائیں گی تو آپ کو فرق محسوس ہونے لگے گا۔"

فہمیدہ مسکراتی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا: "اب بتائیے کوئی فرق محسوس ہوا؟"

"جی نہیں بالکل نہیں"۔ "میں وہاں بیٹھی رہتی تو بھی آپ میرے سامنے ہوتے۔ اب یہاں بیٹھی ہوں تو بھی آپ میرے سامنے ہیں۔"

یوسف نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ! سر اٹھا کر اوپر دیکھئے۔"

اس نے ذرا گردن اٹھائی تو یوسف نے کہا۔

"میری خواہش یہ تھی کہ آسمان کا چاند زمین کی طرف دیکھ رہا ہو اور میں کبھی اُس طرف دیکھوں اور کبھی اِس طرف دیکھوں۔ میری امی جان کہا کرتی تھیں کہ فہمیدہ چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور اب میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ تمہارے سامنے چاند بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے میں یہاں گھنٹوں بیٹھا رہوں تو بھی مجھے چاند کی طرف مڑ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔ تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوا۔ کہ میں تمہیں اتنے دن دیکھ نہیں سکا۔"

"جی مجھے تو غصہ بھی آتا تھا۔ لیکن جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ اُسے پڑھ کر میرے سارے گلے دور ہو گئے ہیں۔ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جُدا نہیں تھی۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فرض کیجئے کہ میں پوری کتاب ختم کر کے آپ کے پاس آتا۔ اور اس کتاب کا ہر صفحہ آپ کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہوتا۔ کہ یہ سارا وقت جب کہ میں کتاب لکھنے کے لئے غائب ہو گیا تھا۔ آپ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے تھیں اور میں جب تھک کر لیٹ جایا کرتا تھا تو سونے سے پہلے آپ سے باتیں کیا کرتا تھا۔ اور میں بھی خواب میں آپ کو دیکھا کرتا تھا۔ تو بھی آپ کا موڈ ایسا ہی ہوتا جو اس وقت ہے؟"

"موڈ کا فیصلہ تو اس وقت ہوتا جب میں آپ کا لکھا ہُوا پڑھ لیتی۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا ناں کہ میں، اتنی غضب ناک ہوتی کہ آپ کا مسودہ پکڑتے ہی پھاڑنا شروع کر دیتی۔"

"نہیں فہمیدہ! میں بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے مہینوں کا کام ہفتوں میں کیا ہے۔ میں اس وقت قلم رکھا کرتا تھا۔ جب کہ میرے ہاتھ لکھتے لکھتے شل ہو جاتے تھے اور آنکھیں پتھرا جاتی تھیں۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ میں کتنے گھنٹے لکھتا رہا ہوں اور کتنے بجے سویا ہوں۔ پھر جب خواب میں تمہاری آواز سنائی دیتی تھی تو میری ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔"

"اگر آپ یہ باتیں اس لئے پوچھ رہے ہیں۔ کہ آپ کی جدائی برداشت کرنے کا میرے

اندر کتنا حوصلہ ہے، تو سن لیجئے۔ اگر آپ کے راستے کے پھول میرے لئے ہیں تو میں کانٹوں میں بھی حصہ دار ہوں۔ مجبوری اور بے بسی کی حالت میں میں آپ کے ساتھ زندگی کی ہر تلخی برداشت کر سکتی ہوں۔ لیکن اگر کوئی مجبوری نہ ہو۔ تو میرے لئے ایک دن کی جدائی بھی ناقابل برداشت ہو گی۔ موجودہ حالات میں جو فیصلہ آپ کریں گے وہ یقیناً صحیح ہو گا۔ آپ نے ایک ناول نگار کی حیثیت سے اس دنیا میں متعارف ہونا ہے اس کے لئے آپ کو رات کی تنہائیوں میں کئی کئی گھنٹے لکھنا پڑے گا۔ اور دل پہ پتھر رکھ کر اپنی محنت کے پھل کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ کچھ تعلیم حاصل کر لوں لیکن آپ سے دور رہ کر بھی مجھے یہ اطمینان ضرور ہو گا۔ کہ ہم جن دشوار گزار راستوں پر سفر کر رہے ہیں وہ بالآخر ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔ لیکن ہمیں ایک دوسرے سے یہ عہد ضرور کرنا چاہیئے کہ اس دنیا میں ہماری کامیابی کی توقعات پوری ہوں یا نہ ہوں ہمارے پاس ایک دوسرے کے لئے خوشیوں کی کمی نہیں ہو گی۔ آپ کو کبھی اگر نااُمیدی کے صحراؤں سے گذرنا پڑے تو آپ ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے فراموش نہیں کریں گے آپ اگر ہر روز نہیں تو ہر تیسرے دن یا زیادہ سے زیادہ ہر چوتھے روز مجھے خط ضرور لکھا کریں گے۔ اول تو آپ جس جگہ بھی ہوں وہاں کسی ٹیلی فون سے مجھ سے رابطہ قائم کر سکیں گے۔ ورنہ میں آپ کا حال پوچھ لیا کروں گی۔ اور انتہائی پریشانیوں کے دور میں بھی ہمیں یہ احساس دلانے والے موجود ہوں گے کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ، اس بارے میں تمہیں میں کبھی پریشان نہیں ہونے دونگا میں تم سے ایک اور وعدہ کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی میں لوگوں کی باتیں سن کر اپنے مستقبل کے متعلق اگر نااُمید نہیں تو پریشان ضرور ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اب میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا راستہ کتنا ہی ناہموار کیوں نہ ہو، منزل کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو انشاء اللہ اپنی کامیابی کے متعلق میرا یقین کبھی متزلزل نہیں ہو گا۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ

نا امیدی کے طوفان میں تمہاری دعائیں میرے لئے بہت بڑا سہارا بن جایا کریں گی۔ اللہ نے تمہارے ہاتھ اتنے خوب صورت بنائے ہیں کہ جب بھی یہ اس کی بارگاہ میں اٹھا کریں گے تو تمہاری ہر دعا قبول ہوا کرے گی۔ فہمیدہ، تم سے پیار کرنے اور تم سے دور رہنے کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ لیکن میں انشاء اللہ اس آزمائش میں پورا اتروں گا اب میں اس عزم کے ساتھ جا رہا ہوں کہ میں آج ساری رات لکھوں گا۔ اور میری تحریر میں پڑھنے والوں کو تمہاری وہ تصویریں نظر آئیں گی۔ جو اس سے پہلے میں نے بھی نہیں دیکھی تھیں۔

فہمیدہ، جب میرا یہ ناول شائع ہوگا تو میں اس کی پہلی کاپی دیکھ کر اللہ کا شکر کروں گا اور پھر تمہیں آواز دوں گا۔ فہمیدہ! تمہارا یوسف آج پیدا ہوا ہے۔ اب تمہیں کسی مجلس میں یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوا کرے گی۔ کہ تمہارا رفیقِ حیات ایک ناول نگار ہے، صرف ایک ناول نگار۔"

یوسف یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ فہمیدہ نے اٹھ کر کہا۔ "جی میرا ناول نگار یوسف اس وقت بھی میرے سامنے ہے۔ میں اپنی عمر اس دن سے گنا کروں گی جس دن آپ کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا۔ چلئے میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔"

"شکریہ، ہم باتیں کرتے کرتے تھوڑی دور تک جائیں گے پھر میں آپ کو اچانک خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو جاؤں گا۔ اور مجھے یہ توقع ہے کہ باقی لوگوں سے معذرت کے لئے آپ موزوں الفاظ تلاش کر لیں گی۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "باقی لوگ کافی سمجھ رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کا مسودہ کہاں ہے؟"

"وہ فی الحال آپ کے پاس رہے گا۔ کل مجھ سے ایک کوتاہی ہوئی ہے۔ آپ کل فضل دین کو یہ پیغام دے کر منظور کی طرف بھیج دیں کہ نانی جان نے اسے یاد فرمایا ہے۔ اور امینہ کو بھی یہ کہہ دیں کہ وہ اپنی کتابیں نکال کر رکھ لے منظور کل سے پڑھانا شروع کر دے گا۔"

"ٹھیک ہے! منظور صاحب کو کسی نہ کسی بہانے ضرور آنا چاہیئے۔ ورنہ وہ بور ہو جائے گی۔"

"نہیں فہمیدہ، وہ لڑکی ان لوگوں میں سے ہے۔ جنہیں ایک مدت کے بعد سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلی بار اس کی ظاہری شکل و صورت دیکھنے کے بعد میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کے بعد مجھے اس قدر حیرت ہوگی۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "میرے خیال میں آپ کی پہلی بات جو آپ نے چچی بلقیس سے کہی تھی وہ زیادہ صحیح تھی۔ اور وہ یہ بھی کہ امینہ کو اپنی اچھائیاں ظاہر کرنے کے لئے موقع ملنے کی ضرورت تھی اور یہ سنہری موقع اسے آپ کی وجہ سے ملا ہے۔"

"فہمیدہ! ذرا چاند کی طرف دیکھو۔"

فہمیدہ رُک کر چاند کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر مسکراتی ہوئی بولی۔ "فرمایئے! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"فہمیدہ! میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اگر تم میری زندگی میں نہ آتیں تو مجھے کبھی یہ احساس نہ ہوتا کہ میں کسی پر اپنی جان نثار بھی کر سکتا ہوں۔"

فہمیدہ نے جلدی سے اس کے ہونٹوں پر انگلیاں رکھتے ہوئے کہا۔ "خدا کے لئے، ایسی باتیں نہ کیجئے۔ ہمیں یہ دعا کرنی چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کی خوشیاں دیکھنے کے لئے زندہ رہیں۔ وہ جو دینے والا ہے۔ وہ ہمیں بہت کچھ دے سکتا ہے اور مجھ پر تو وہ بہت ہی مہربان ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر لڑکی اپنے خوابوں کے ساتھ اس دنیا میں آتی ہے۔ آپ نے غلطی سے ایک مسودہ گاڑی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور نسرین نے سنبھال کر مجھ تک پہنچا دیا تھا۔ پھر وہ خواب ایک حقیقت کا روپ دھارنے لگے۔ اور ایک دن میں نے آپ کو دیکھ لیا۔ مجھے ان ملاقاتوں کی ایک ایک بات یاد ہے۔ مجھے وہ دعائیں بھی یاد ہیں۔ جو میں ہر نماز کے بعد مانگا کرتی تھی۔ پھر میں نے وہ سپنے دیکھے جو اچانک

حقیقت بن گئے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ جب آپ مسوری کی سڑک پر ملے تھے۔ تو اپنی خوشیوں کے اظہار کے لئے میرے پاس آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔"

"اگر آپ اپنے آنسو چھپانے میں اتنی مصروف نہ ہوتیں۔ تو شاید میری آنکھوں میں بھی تشکر کے آنسو دیکھ لیتیں۔ یہ وہ ناقابلِ فراموش لمحات ہیں جن کی یاد ہمارے لئے سرمایۂ حیات ہوگی۔ لیکن ہم نے بات کہاں سے شروع کی تھی اور یہ ہم کس طرف نکل گئے ہیں۔"

فہمیدہ بولی۔ "جناب! بات یہ ہو رہی تھی۔ کہ اگر ہم ایک دوسرے سے نہ ملتے، تو ہمیں یہ سمجھنے کا موقع نہ ملتا۔ کہ ہم کتنا پیار کر سکتے ہیں۔ یا خدانخواستہ نہ ملنے کی صورت میں ہم قدرت کے اس انعام سے کتنے محروم رہتے۔"

یوسف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب مجھے اجازت لینی چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح باتیں کرتے کرتے میں صرف ایک شاعر بن کر رہ جاؤں اور میری بجائے آپ کو ناول لکھنا پڑے۔"

"جی! آپ یہ اطمینان رکھیں۔ میں آپ کو شاعر نہیں بننے دوں گی۔"

یوسف نے کہا۔ "باتوں میں ہم اتنے دور نکل آئے ہیں کہ ہمیں وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ اب واپس چلئے میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں۔"

"آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں تنہا واپس نہیں جا سکتی؟"

"خیال آئے یا نہ آئے۔ آپ یہ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں یہاں سے سیدھا گھر جاؤں گا اور اپنا کام شروع کرتے وقت یہ سوال میرے ذہن میں بار بار نہیں آئے گا کہ آپ خیریت سے گھر پہنچیں ہیں یا نہیں۔ اور میں اچانک یہ پوچھنے کے بہانے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ کہ فہمیدہ اس وقت کیا کر رہی ہیں؟"

"اچھا آئیے۔" فہمیدہ نے مڑتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ آپ کے

کام میں حرج ہوگا۔ تو میں آپ سے کوئی بہت طویل راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتی اور آپ یہ دیکھتے کہ گھنٹوں چلنے کے بعد بھی مجھے تھکاوٹ کا احساس نہ ہوتا۔"

یوسف بولا۔ "جب میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں گا تو ہم بہت لمبی سیر کیا کریں گے۔"

تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک اور سڑک کے قریب پہنچے جو اُن کے راستے سے مل جاتی تھی۔ تو یوسف نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ امینہ، نسرین اور ظہیر دوسری طرف سے لمبا چکر لگا کر واپس آ رہے ہیں مجھے نسرین کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے۔"

فہمیدہ بولی۔ "وہ تو میں بھی سُن رہی ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "اگر ہم آہستہ آہستہ چلتے رہیں تو مکان کے قریب وہ ہم سے آ ملیں گے۔ اور میں آپ کو گیٹ تک پہنچاتے ہی واپس چل پڑوں گا۔"

فہمیدہ بولی۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے۔ اور رفتار تیز کر دی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم یہیں رک کر کچھ اور باتیں کر لیں۔ بشرطیکہ آپ کا لکھنے کا موڈ خراب نہ ہو جائے۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ! اگر تم مجھے آزمانا چاہتی ہو۔ تو چلو ہم لان میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر میں اس وقت اٹھوں گا۔ جب آپ کی آواز نیند سے بھاری ہو جائے گی۔ لیکن اس کے بعد بھی واپس جا کر میرا لکھنے کا موڈ خراب نہیں ہوگا۔"

"بھائی جان! بھائی جان!" نسرین نے ہانپتے ہوئے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہم نے آج اتنی لمبی سیر کی ہے کہ آپ نے بھی کبھی نہیں کی ہوگی۔ ظہیر نے شرط لگائی تھی کہ آپا امینہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکیں گی۔ پورے ڈو سیر آموں کی شرط۔ لیکن وہ تھک کر پیچھے رہ گیا۔"

یوسف نے کہا۔ "نسرین، تم کو معلوم ہے کہ بڑی بہنیں چھوٹے بھائیوں سے شرط نہیں جیتا کرتیں"۔

اتنی دیر میں امینہ اور ظہیر قریب پہنچ چکے تھے۔

یوسف نے کہا۔ "امینہ، میری وجہ سے آپ کی پڑھائی کے بہت دن ضائع ہوئے ہیں۔ منظور جلدی جانا چاہتا تھا، لیکن میں نے اسے روک لیا ہے۔ اس لئے روک لیا ہے کہ چند دن جب تک میں تمھیں وقت نہیں دے سکتا منظور آجایا کرے"۔

امینہ نے کہا۔ "بھائی جان میرا بھی یہاں زیادہ دن رہنے کا ارادہ نہیں اور میں نے فہمیدہ کے گھر والوں سے سنا ہے۔ کہ وہ بھی واپس جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں"۔

یوسف نے کہا۔ "اس بات کا مجھے بھی احساس ہے کہ یہاں میرے لئے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوجائے گا۔ لیکن کتاب کے اختتام تک مجھے یہ خلا زیادہ محسوس نہیں ہوگا۔ میں فہمیدہ اور آپ دونوں سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جب ہر دو دن سے مہمان آئیں گے تو احمد خان صاحب کھانے کی دعوت دینے کی کوشش کریں گے اگر یہ معاملہ صرف میری ذات تک محدود ہوتا تو میں انکار نہ کرسکتا، لیکن اس بارے میں گھر کے بزرگ بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں۔ تاہم میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کا ووٹ میرے ساتھ ہونا چاہیئے"۔

نسرین بولی۔ "بھائی جان' میرا ووٹ بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔ اور ظہیر کا بھی۔ اور فضل دین کا بھی' مشورہ یہی ہوگا کہ ہمیں احمد خان صاحب کی دعوت رد نہیں کرنا چاہیئے اور جب میں نانی جان کو یہ یاد دلاؤں گی۔ کہ خان صاحب کوئٹہ میں بھی ہماری دعوت کرچکے ہیں تو وہ بھی دعوت قبول کرنے کے لئے آپ کی طرف داری کریں گی"۔

یوسف نے کہا۔ "یہ میں نے سوچ لیا ہے کہ دعوت کسی ہوٹل میں ہوگی یا خان صاحب کے گھر میں اور انتظام کے لئے میجر صاحب کو بلانے اور کھلانے کے لئے دہرہ دون

سے موزوں آدمی بھیجنے پڑیں گے۔ اگر خاں صاحب نے یہ مسئلہ چھیڑا تو میں ساری تفصیلات ان سے طے کرلوں گا۔ اور مجھے صرف اس بات کا افسوس ہوگا۔ کہ میں ایک دن نہیں لکھ سکوں گا"۔

امینہ نے کہا۔ "بھائی جان آپ کے لئے ایک دن تفریح کا بھی تو ہونا چاہیئے ناں"۔

"مجھے تفریح کا احساس بھی اس وقت ہوتا ہے۔ جب میں کوئی تسلی بخش چیز لکھ لیتا ہوں"۔

دس دن بعد شام کے وقت یوسف اور فہمیدہ پھر ایک بار لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور یوسف کہہ رہا تھا:

"یہ دن کتنی جلدی گزر گئے ہیں۔ اگر بار بار کوئی پروگرام بنانا اور اسے منسوخ کردینا میرے اختیار میں ہوتا۔ تو میں شاید یہی کوشش کرتا کہ میری کتاب کے اختتام تک آپ یہیں رہیں، لیکن ہماری چھوٹی چھوٹی خواہشات وقت کے دھارے نہیں بدل سکتیں!"

فہمیدہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے۔ کہ جب میں یہاں نہیں ہوں گی۔ تو آپ زیادہ سکون سے لکھ سکیں گے"۔

"زندگی یہی تو ہمیں سکھاتی ہے۔ کہ ہر مجبوری اور بے چارگی کو خندہ پیشانی سے قبول کرلیا جاتے۔ اور ہم مستقبل کی روشنی کی امید پر گرد و پیش کی تاریکیوں سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھتے جائیں۔ لیکن جب تک تمہارے تصور سے میری آنکھیں روشن رہیں گی۔ مجھے گرد و پیش کی تاریکیوں کا قطعاً کوئی احساس نہیں ہوگا"۔

فہمیدہ نے کہا۔ "اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ آپ یہیں سے مجھے الوداع کہہ دیں اور اسٹیشن تک جانے کی تکلیف نہ کریں۔ ابا جان، امی جان، چچی بلقیس اور نانی جان سب اس بات میں میرے ہم خیال ہیں۔ کہ رات کام کرنے کے بعد

صبح آپ کو آرام کرنے کی ضرورت ہو گی۔ اسی لئے آپ صبح آکر ہمیں الوداع کہہ جائیں اور پھر آرام کریں۔ آپ یہ تو یقیناً نہیں چاہیں گے۔ کہ ریلوے سٹیشن پر آپ سے جُدا ہوتے وقت لوگ مجھے آنسو بہاتے اور سسکیاں لیتے ہوئے دیکھیں۔"

"میں تمہاری الوداعی مُسکراہٹ کے سوا کسی اور چیز کی خواہش دل میں لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ میں آپ کو صرف اس گھر سے رخصت کر سکتی ہوں لیکن جب میں مسوری سے موٹر پر بیٹھ کر نکلوں گی تو اپنے آنسو ضبط کرنا میرے بس کی بات نہیں ہوگی۔ میں سمجھتی تھی کہ میں بہت بہادر ہوں اور بہت کچھ برداشت کر سکتی ہوں۔ لیکن جب آپ سے جدائی کا مسئلہ آجاتا ہے تو میں کچھ بھی تو نہیں رہتی۔"

"جدائی کا تصور میرے لئے بھی بہت تکلیف دہ ہے۔ اور میں بھی آپ سے یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ کہ میں سب کچھ بھول کر اُسی گاڑی میں سوار نہیں ہو جاؤں گا۔ فہمیدہ! مجھے تو یہ بھی بھول جانے کا ڈر ہے کہ میں ایک ناول نگار ہوں اور ابھی میں نے اپنا ناول ختم کرنا ہے۔"

فضل دین آیا اور اس نے کہا۔ "صاحب! منظور صاحب آئے ہیں۔"

"انہیں یہیں لے آؤ۔ اور ایک کرسی اور رکھ دو۔" یہ کہہ کر یوسف فہمیدہ سے مخاطب ہوا:

"میں نے منظور اور امینہ سے خاص بات کرنی ہے۔ آپ اسے یہاں بھیج دیں۔ کیونکہ میری چھٹی حس بڑے عرصے سے یہ کہتی ہے کہ امینہ اُس کے والدین اور اس کے چھوٹے بھائی کو کسی وقت بھی ایک خطرہ پیش آسکتا ہے۔ میں نے آپ کو شاید بتایا نہیں۔ کہ منظور کو میں وہاں ایک پہرے دار کی حیثیت سے چھوڑ آیا تھا۔ اور اب جبکہ اُمینہ کے ساتھ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ اس کے لئے بھی بعض خطرات پیدا ہو گئے ہیں

اب آپ امینہ کو بھی یہاں بھیج دیں۔ پھر اگر ضروری ہوا۔ تو آپ کو بھی سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔"

فہمیدہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اور اس کے جاتے ہی منظور وہاں آبیٹھا اور تھوڑی دیر بعد امینہ سر پر سفید چادر لئے نسرین کا ہاتھ پکڑے شرماتی اور جھجکتی یوسف کے ساتھ والی کرسی پر آبیٹھی۔

یوسف نے منظور سے کہا۔ "بھئی مجھ سے ایک اور کوتاہی ہوئی ہے —— —— اگر میں تمہارا معاملہ چند گھنٹے پہلے سوچتا اور چند منٹ اور امینہ کے اباجی کے ساتھ بات کر لیتا۔ تو وہ بوجھ جو اتنے دن تک میں اپنے دل پر محسوس کرتا رہا ہوں وہ ٹل جاتا۔ میں اگر تھوڑی سی عقل سے کام لیتا تو اسی شام اس گھر میں ایک نکاح کے بعد ایک منگنی کی بجائے دوسرے نکاح کا اعلان بھی ہو سکتا تھا۔ جس قدر زیادہ میں امینہ، اس کے والدین اور اس کے چھوٹے بھائی کے متعلق سوچتا ہوں اسی قدر زیادہ میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ تمہاری شادی کسی تاخیر کے بغیر ہو جانی چاہیئے۔ کیونکہ جو خدشات میں نے لاہور چھوڑتے ہوئے تم پر ظاہر کئے تھے۔ وہ مجھے اب زیادہ پریشان کرتے ہیں۔ میں نے اپنی سوتیلی والدہ کو معاف کر دیا ہے۔ لیکن جب فہمیدہ کا مسئلہ آئے گا تو میں یہ بھی گوارا نہیں کروں گا کہ یہ اس کے ہاتھ سے پانی کا ایک گلاس لے کر چند گھونٹ پی لے۔ امینہ کے والد کافی دور اندیش ہیں، لیکن سادہ دل بھی ہیں ان پر میں نے تمام صورتِ حال واضح نہیں کی اور نہ شاید امینہ یہ بتا سکے کہ مجھ پر کیا گزرنے والی تھی۔ کسی کو صرف خطرناک کہہ دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ویسے عام حالات میں وہ بڑھیا جسے قدرت کی ستم ظریفی نے میری نانی بنا دیا ہے امینہ کی ماں کے تیور دیکھ کر آپ کے قریب آنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ اس کے خاوند کو میں ایک بے وقوف آدمی سمجھتا ہوں اور بعض حالات میں بے وقوف آدمی بھی کافی خطرناک ہوتا ہے۔ اس لئے خواہ کچھ ہو۔ آپ کو اُن لوگوں کے ہاتھ سے کوئی چیز لے

کر نہیں کھانی چاہیئے۔ فضل دین کو میں نے یہ سمجھا دیا ہے کہ آپ کا باورچی خانہ ان کی آمد و رفت سے قطعاً محفوظ رہنا چاہیئے۔ اور جب وہ کبھی آجائیں تو آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ زیادہ دیر آپ کے پاس نہ ٹھہر سکیں۔ باہر زمین کی دیکھ بھال اور دوسرے کاروباری معاملات میں بھی قائم دین کی حیثیت ایک تنخواہ لینے والے آدمی کی ہونی چاہیئے۔ ویسے ایسی بیوی سے اسے بھی جان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ میں نے آپ سے یہ باتیں کہنے کی اس لئے ضرورت محسوس کی ہے کہ یہ لوگ اگر اتنے خطرناک نہ ہوں تو بھی وہ پیر کوکے شاہ جو زہر فروشی کا کاروبار کرتا ہے اور جس کا حلقۂ اثر کافی وسیع معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ محسوس کرے گا کہ کچھ لوگ اس کے متعلق جانتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے وہ کسی وقت بھی قانون کی زد میں آسکتا ہے تو اس کا اور اس کے حلقۂ اثر کے لوگوں کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ ایسے لوگوں کو جلدی ختم کرنے کی کوشش کرے۔ جو اُن کے جرائم کے خلاف گواہ بن سکتے ہوں یا ثبوت کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہوں۔"

منظور احمد بولا۔ "بھائی صاحب، یہ خطرہ تو ہم سب سے زیادہ آپ کو ہے۔"

"بھئی، میں نے کب اس سے انکار کیا ہے۔ مجھے موقع نہیں ملا۔ ورنہ میں لاہور چھوڑنے سے پہلے اس پیر کا پتہ کرتا۔ اور پہلی ملاقات کے بعد ہی اسے میری طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ اسے صرف یہ بتانے کی ضرورت ہے۔ کہ ہم نے اپنا ایک خطرناک دشمن دیکھ لیا ہے اور صرف ہم نے نہیں۔ ہمیں جاننے والے بیسیوں لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ پیر کوکے شاہ کون ہے کیا کاروبار کرتا ہے اور کن لوگوں کو فوری طور پر گرفتار کر کے اس کے جرائم کے متعلق معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ پھر وہ کون ساز ہر ہے جو وہ اپنے خاص خاص مریدوں کو فروخت کرتا ہے۔ اور وہ کون ہیں جو اس زہر کے اثرات سے بچ گئے ہیں اور یہ زہر کس لیبارٹری میں تیار ہوتا ہے۔ اس کا نمونہ کہاں محفوظ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس وقت آپ کے سامنے یہ مسئلہ ہونا چاہیئے کہ جب تک ان کے زہریلے دانت نہیں نکالے جاتے ان کو گھر سے دور رکھا جائے۔ امینہ! میں آپ سے کہتا ہوں۔ انہیں آپ کی منگنی کی مبارک باد دینے والے لوگوں کے ہجوم میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر آپ یہ محسوس کریں۔ کہ میری سوتیلی ماں تمہارے گھر بار بار آنے پر بضد ہیں اور ان کی وجہ سے اس کے والدین اور پیر صاحب کے مرید وغیرہ بھی وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ تو تمہیں لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے ابا جان کو یہ بتا دینا چاہیئے کہ میرے ساتھ کیا پیش آیا تھا۔ پھر تمہارے ابا جان کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ قائم دین کی بیوی اگر اپنی بیٹی کے ذہن میں یہ ڈال سکتی ہے کہ مجھے راستے سے ہٹا کر وہ خاندان پر اپنی بادشاہت قائم کر لے گی۔ تو تمہارے خلاف، تمہارے بھائی کے خلاف اور تمہارے والدین کے خلاف وہ کیا نہیں کرنا چاہے گی۔"

امینہ نے کہا۔ "کوئی بھائی اپنی بہن کے لئے اتنا بڑا معمہ نہیں ہوگا۔ جتنا آپ میرے لئے ہیں۔ کاش مجھے یہ حق ہوتا کہ میں ایک بہن کی حیثیت سے اپنے غم و غصہ کا اظہار بھی کر سکتی۔"

"امینہ، یہ حق میں تم سے کبھی چھیننے کی کوشش نہیں کروں گا۔ تمہارے دل میں جو بات آئے وہ بے دھڑک کہہ دیا کرو۔"

"بھائی جان! میں اب بھی ڈرتے ڈرتے یہ بات کہہ رہی ہوں کہ مجھے کئی بار آپ پر غصہ آیا ہے، لیکن میں ظاہر نہیں کر سکی۔ آپ کو یاد ہے کہ ایک دن آپ سخت غصہ کی حالت میں اپنی والدہ مرحومہ کی قبر پر چلے گئے تھے۔ گھر والے سب پریشان تھے اور میں یہ سمجھ گئی تھی کہ آپ کہاں گئے ہیں۔ اور آپ کو کس بات پر غصہ آیا تھا۔ بھائی جان، آپ یقین کیجئے کہ میں اس وقت بھی چاہتی تھی کہ چراغ بی بی کا گلا گھونٹ دوں۔ لیکن میں ایسا نہ کر سکی۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔ تو مجھے آپ پر بہت غصہ آتا تھا۔ کہ جب آپ یہ محسوس کر رہے تھے کہ میں اس زہر کے اثر سے

مر رہا ہوں۔ اور چراغ بی بی آپ کا حال پوچھنے آئی تھی تو آپ نے اس کی گردن کیوں
نہیں مروڑ دی تھی۔ خدا کی قسم اگر آپ کو کچھ ہو گیا ہوتا اور مجھے پتہ چل جاتا تو میں آپ کا
انتقام ضرور لیتی۔ میں اپنے قاتل کو معاف کر سکتی تھی۔ آپ کے قاتل کو نہیں۔ بھائی جان،
میں اب بھی سوچا کرتی ہوں۔ کہ آپ کے بغیر یہ دنیا کتنی ویران ہو جاتی۔"

"ارے پگلی، یہی وجہ تھی کہ مجھے تمہارے مستقبل کے لئے ایک قابلِ اعتماد ساتھی
کی تلاش تھی۔ میرے والد کو تمہارے اباجی کی دولت کا کچھ کچھ علم تھا، لیکن شاید پورا
علم نہیں تھا۔ تاہم ایک دن انھوں نے کہا تھا کہ میاں صاحب دولت کمانے کے
معاملے میں جس قدر ہوشیار ہیں اس قدر شاید دولت سنبھالنے میں ہوشیار ثابت نہ ہوں۔ میں
یہ خدشہ محسوس کروں گا کہ کئی دور اور نزدیک کے رشتے دار ان کی دولت ہتھیانے کی
کوشش کریں گے۔ میں نے اس وقت اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ لیکن زہر آلود
کھانا حلق میں اتارنے کے بعد مجھے محسوس ہوا۔ کہ لالچی لوگ کتنی آسانی سے اپنے
راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کے سر پر کتنے خطرات منڈلا
رہے ہیں۔ میں نے لاہور چھوڑنے سے پہلے اشارۃً آپ کو چند باتیں سمجھانے کی کوشش
کی تھی۔ لیکن منظور بھائی کو میں نے پوری طرح چوکس کر دیا تھا۔"

امینہ نے کہا۔ "بھائی جان! میں اس بات پر فخر کیا کروں گی۔ کہ آپ میری سلامتی کے
بارے میں اس قدر سوچتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اس بوڑھی چڑیل
اور اس کالے پیر سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو امینہ، تمہارے لئے اس کالے پیر کے وہ جاہل مرید زیادہ
خطرناک ہیں۔ جو سوچے سمجھے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان مریدوں میں کوئی ایسی
عورت بھی ہو سکتی ہے۔ جو کوئی تحائف لے کر آپ کے گھر آئے، مہمان کی حیثیت سے
ٹھہرے اور کھانے میں زہر ملا دے۔ یا کوئی ایسا جرائم پیشہ بھی ہو سکتا ہے جو پیچھے سے

چھرا مار کر بھاگ جائے۔ تمہاری آنکھیں اپنے گرد و پیش کے متعلق ہر وقت کھلی رہنی
چاہئیں۔"

نوکر ٹرے میں شربت کے گلاس رکھ کر لایا۔ اور نسرین نے جو اس کے ساتھ آ رہی
تھی۔ ٹرے سے ایک ایک گلاس اٹھا کر انہیں پیش کیا۔ یوسف نے لیموں کے شربت کے
چند گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "نسرین، تمہاری آپا جان کیا کر رہی ہیں؟"

"بھائی جان، وہ اپنے کپڑے رکھنے میں مصروف ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "کیوں بھئی تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ ایسے موقعوں پر چھوٹی بہنیں کام
آیا کرتی ہیں۔ تم جاؤ اور انہیں بھیج دو اور فضل دین سے کہو کہ چند اور کرسیاں یہاں رکھ دے۔"

نسرین بولی۔ "بھائی جان، میں ایک اور کرسی یہاں بھجوا دیتی ہوں۔ امی جان کہتی ہیں
کھانا تقریباً تیار ہو چکا ہے اور آپ کو کھانے کے لئے اٹھنا پڑے گا۔ ابا جان بھی آنے
والے ہیں اور ان کے آتے ہی کھانا لگا دیا جائے گا۔ آپا جان بھی یہی کہتی ہیں کہ آج آپ
کھانا کھا کر جائیں گے۔"

"اچھا، ٹھیک ہے، تم فہمیدہ کو یہاں بھیج دو۔"

نسرین بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد فہمیدہ نمودار ہوئی۔ امینہ نے اٹھ کر اسے
قریب بٹھاتے ہوئے شکایت کے لہجہ میں کہا،

"بہن اگر کوئی کام تھا تو میں کر دیتی۔ مجھے چیزیں سنبھال کر رکھنے کا ویسے بھی شوق ہے،
اور آپ کی چیزیں تو سنبھال کر رکھنے سے خوشی بھی ہوتی۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس
ہے۔ کہ آپ ہماری گفتگو نہیں سن سکیں۔"

"بھئی میں راستے میں ساری باتیں تم سے سن لوں گی۔"

امینہ، یوسف سے مخاطب ہوئی۔ "بھائی جان، مجھے یہ بات سن کر تعجب ہوا ہے
کہ آپ دہرہ دون ریلوے سٹیشن تک ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔"

"نہیں بھئی، یہ میرا اور فہمیدہ دونوں کا فیصلہ ہے اور باقی لوگوں کی ذمہ داری فہمیدہ نے لے لی تھی۔ منظور کو مجھ سے اتفاق ہے اور اب تم کہو کیا کہتی ہو؟"

"بھائی جان، مَیں یہ کہنا چاہتی ہوں۔ کہ جب گاڑی چلنے لگتی ہے اور چھوٹی بہن کھڑکی سے سر باہر نکالتی ہے۔ اور اسے خدا حافظ کہنے والا بھائی اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ دیتا ہے تو میں کسی قیمت پر اپنے بھائی کی اس شفقت سے محروم ہونا نہیں چاہتی کتابیں آپ بعد میں بھی لکھتے رہیں گے، لیکن بہن کو الوداع کہنے کے لئے تو بار بار نہیں آیا کریں گے۔"

یوسف چند ثانیے خاموش رہا پھر اس نے کہا ____

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب فہمیدہ صاحبہ کا کیا حکم ہے، میری اس چڑیل بہن نے ایک آسان مسئلہ مشکل بنا دیا ہے۔"

فہمیدہ نے امینہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"یہ چڑیل صرف آپ کی پیاری بہن نہیں میری بھی ہے۔ اور دوسرے دن اسے رخصت ہوتے ہوئے مَیں شاید اپنے آنسو چھپانے میں کامیاب ہو جاؤں، لیکن امینہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا برداشت نہیں کر سکوں گی۔"

"بھئی، میں ہار مانتا ہوں اور مجھے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے قطعاً جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ مجھے خود بھی یہ یقین نہیں تھا کہ جب آپ لوگ یہاں سے رخصت ہوں گے تو میں یہاں کھڑے کھڑے آپ کو خدا حافظ کہہ سکوں گا۔ آپ کو اس طرح رخصت کرنے کے تصور سے میرا موڈ اس قدر خراب ہو رہا تھا کہ لکھنا تو درکنار میں شاید سوچ بھی نہ سکوں۔"

امینہ بولی۔ "فہمیدہ بہن کو بھی تو اس خیال سے نیند نہیں آتی تھی۔ یہ آپ کو خوش کرنے کے لئے بہادر بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ورنہ مجھے ان کے دل کا حال معلوم ہے ____ بھائی جان! اگر یقین نہیں آتا تو ان سے پوچھ لیجئے۔ کہ کیا یہ اس بات پر افسوس نہیں کر رہی

تھیں کہ انہوں نے یہیں سے الوداع کہنے کی تجویز مان کیسے لی۔"

یوسف نے کہا۔ "میری بہن ہمیں یہ سبق سیکھنے کی ضرورت تھی۔ کہ آئندہ ہمیں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فیصلے کرنے میں بھی بہت سوچنا چاہیئے۔ ہم چند سال بعد یقیناً یہ سوچتے کہ اس وقت ہم دونوں اچانک اتنے بیوقوف کیوں بن گئے تھے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "آپ تو شاید بھول جاتے، لیکن میں کبھی نہ بھولتی۔"

بلقیس، بیگم احمد کے ساتھ باہر نکلیں اور منظور نے جلدی سے اٹھ کر دو کرسیاں لا کر وہاں رکھ دیں۔ اور پھر بیگم احمد کو ادب سے سلام کرتے ہوئے بولا۔

"ماں جی، تشریف رکھیئے۔"

بیگم احمد نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"جیتے رہو بیٹا، تمہیں اور امینہ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

منظور نے کہا۔ "ماں جی، جب یوسف صاحب کوئٹہ کے سفر کے حالات سناتے ہوئے آپ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ تو یہ کہا کرتے تھے کہ ماں جی کی بہت سی باتیں میری امی جان سے ملتی ہیں، جب میں نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا۔ تو مجھے اچانک ایسے محسوس ہوا تھا۔ کہ امی جان اچانک کوئٹہ پہنچ گئی ہیں۔"

"بیٹا، یوسف نے یہ بات مجھے پہلے بھی کہی تھی۔ لیکن جب تک میں نے قدسیہ کو نہیں دیکھا تھا میں اپنے متعلق بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا تھی۔ لیکن ان کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ "کاش! میں ایسی ہوتی"۔ بلقیس تو یہ کہتی تھی۔ کہ میں بھی دنیا میں بہت گھومی ہوں، لیکن ایسی عورت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ خدا یوسف کو سلامت رکھے۔ مجھے کبھی کبھی اس کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے بعض لوگ دیکھنے والوں کو بہت پیارے لگتے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتی وہ کیا چیز تھی۔ ابھی قدسیہ میرے سامنے آ جائے تو پھر میں کبھی اس کی پیشانی، کبھی اس کے چہرے کے نقوش

کبھی اس کی آنکھوں اور کبھی اس کے قد و قامت کی تعریف شروع کر دوں گی۔ اور تم سب یہ محسوس کرو گے کہ بعض لوگ سر سے پاؤں تک قدرت کی ان نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں، جنہیں دیکھنے والوں کی زبان پر بے اختیار "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کے الفاظ آجاتے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "ابا جان آگئے۔ میں کھانے کا پتہ کرتی ہوں۔"

امینہ نے کہا۔ "میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

کھانے کی میز پر سب بہت اچھے موڈ میں تھے۔ خصوصاً فہمیدہ کے ابا جان جنہوں نے باہر سے آتے ہی یوسف سے بغلگیر ہو کر اس کی پیشانی اور دونوں گالوں پر بوسے دیئے تھے، بہت خوش نظر آتے تھے۔ وہ منظور احمد سے بھی بغلگیر ہو کر ملے تھے اور انہوں نے امینہ کے سر پر بھی شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔ کھانے کے دوران انہوں نے کہا،

"یوسف بیٹا! میں ضروری بات اکثر بھول جایا کرتا ہوں۔ صبح رخصت ہوتے وقت تو مجھے بالکل یاد نہیں رہے گا۔ اس لئے دل میں رکھنے کی بجائے ابھی کہہ دیتا ہوں۔ فہمیدہ بیٹی نے تمہاری اجازت کے بغیر مجھے وہ فائل دکھادی تھی جس میں تمہارا تازہ مسودہ رکھا جا رہا ہے۔ اور مجھے پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس بات پر تمہارا یقین کبھی متزلزل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ تم ایک بڑا مصنف بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ فہمیدہ کہتی تھی کہ کاغذ کی نایابی کے باعث پبلشروں کے متعلق تم بہت پریشان ہو۔ بیٹا! تمہیں چاہیئے کہ تم اطمینان سے لکھتے جاؤ اور اس یقین کے ساتھ لکھتے جاؤ۔ کہ وہ کسی دن شائع بھی ہو گا اور پسند بھی کیا جائے گا اور اس میدان میں کامیابی کے راستے تمہارے لئے کھل جائیں گے۔ تمہیں اللہ کی اعانت پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "جی، اللہ کی اعانت ہی تو میرا سب سے بڑا سہارا ہے اور اب بھی جس طرح کچھ دن بے نشان راستوں پر بھٹکنے کے بعد اپنے اصلی راستے اور منزل

کی طرف لوٹ آیا ہوں اور جس طرح انتہائی مایوسی کی حالت میں اس نے میری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا ہے، میں بدترین آزمائشوں میں بھی اس کی طرف سے مایوس نہیں ہوں گا۔"

"بیٹا، میں تمہارے لئے ہر وقت دعا کیا کروں گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لئے بہت سے لوگ دعائیں کرتے ہیں، اگر تم نے رات بھر کام کرنا ہے۔ تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ تم صبح ہمیں رخصت کرنے کے لئے یہاں آؤ۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم صبح لکھنے کے بعد آرام کرو۔ اور ہم کھانا ختم کرنے کے بعد یہیں سے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ لیں۔"

فہمیدہ بولی۔ "ابا جان! وہ پروگرام منسوخ ہو چکا ہے۔ یوسف صاحب اب ہمیں ریلوے سٹیشن پر خدا حافظ کہیں گے۔"

"اور اس تبدیلی کے لئے میں کس کو مبارک باد دوں؟"

فہمیدہ بولی۔ "ابا جان۔ اس کے لئے مبارک باد کی پہلی مستحق تو امینہ بہن ہیں۔ اور ہمیں یوسف صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ یہ اپنا پروگرام تبدیل کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "خالو جان، اس نادانی میں ہم دونوں شریک تھے۔ اور دونوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم بوقت ضرورت پتھر بن سکتے ہیں۔ لیکن پھر ہمیں اچانک احساس ہوا کہ ہم صرف انسان ہیں۔ اور انسان کو تھوڑی دیر کے لئے بھی پتھر بنتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

"بیٹا، میں خوش ہوں۔ کہ میں کچھ دیر اور تم سے باتیں کر سکوں گا۔ بہت سی باتیں ہیں۔ جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ جب تم اس کتاب سے فارغ ہو جاؤ گے۔ تو مجھے لکھ دینا میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا ورنہ تم میرے پاس آجانا۔"

"خالو جی، کتاب ختم کرنے کے بعد مجھے کسی اچھے پبلشر کی تلاش میں لاہور جانا پڑے گا۔ اور راستے میں انشاء اللہ آپ کو بھی سلام کر لوں گا۔"

"بیٹا، صرف سلام نہیں تم وہاں ٹھہرو گے۔ اور ہماری اجازت کے بغیر آگے نہیں

جاؤ گے۔"

"خالو جان، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا اشارہ بھی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔"

بیگم احمد نے کہا۔"بیٹا اب اس طرف آتے جاتے تمہیں لدھیانہ میں بھی رکنا پڑے گا۔"

"ہاں جی، میں لاہور سے فارغ ہو کر واپسی پر لدھیانہ آؤں گا۔"

"بیٹا، واپسی پر کیوں، جاتے ہوئے کیوں نہیں۔ اور پھر ہر مرتبہ کیوں نہیں؟"

"ہاں جی، اصل میں بات یہ ہے۔ کہ جاتے ہوئے میرے پاس کتاب کا مسودہ ہو گا اور مجھے ہر وقت یہ خیال رہے گا۔ کہ میں اسے کہیں گم نہ کر بیٹھوں۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ میں پورے اطمینان کے ساتھ آپ کے پاس آؤں۔"

"بیٹا! میں تو یہ دعا کیا کروں گی کہ خدا وہ دن جلد لاتے۔ جب تم دونوں اطمینان سے میرے پاس آیا کرو۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد منظور کے ساتھ اپنی قیام گاہ کے راستے کی مسجد میں یوسف نے عشاء کی نماز پڑھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا تو بزرگ صورت مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"یوسف صاحب! ظہیر کہتا تھا، کہ کل وہ واپس جا رہے ہیں۔ شکر ہے کہ آپ سے بھی ملاقات ہو گئی۔"

"جی، میں شاید کافی عرصہ یہاں رہوں۔ اور آپ سے انشاء اللہ بہت سی ملاقاتیں ہوں گی۔"

مولوی صاحب نے کہا۔"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ تحریکِ پاکستان کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ شہر کے سرکردہ لوگوں کو جمع کیا جائے اور آپ کو کچھ کہنے کی دعوت دی جائے۔"

یوسف نے جواب دیا۔"جناب، اس کام کے لئے آپ جب چاہیں مجھے بلا سکتے

ہیں۔ لیکن میرے لئے صرف ظہر اور مغرب کے درمیانی اوقات موزوں ہوں گے۔"

"اگر ہم نمازِ جمعہ کے ساتھ ہی آپ کو تقریر کی دعوت دیں تو۔؟"

"جناب، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور منظور صاحب! آپ بھی تقریر کر سکیں گے؟"

"جناب، مجبوری کی حالت میں تو انسان ہر کام کر سکتا ہے، لیکن میں کل جا رہا ہوں"

یوسف نے کہا۔"اچھا مولانا! اب ہمیں اجازت دیجئے۔"

اور مولوی صاحب مسجد کے دروازے تک پہنچا کر دونوں سے باری باری بغلگیر ہوئے۔ اور وہ دونوں خدا حافظ کہہ کر مسجد سے باہر نکل گئے۔

یوسف جاتے ہی لکھنے بیٹھ گیا اور پچھلے پہر تک لکھتا رہا۔ پھر وہ نصف گھنٹے کے لئے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ فجر کی اذان سنائی دی۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور نوکر کو آواز دے کر کہا۔

"بھئی، میرے لئے جلدی سے ناشتہ لے آؤ۔ اور جب منظور صاحب اٹھیں تو انہیں کہہ دینا کہ میں سیر کے بعد یہاں آنے کی بجائے خالو جی کے گھر پہنچ جاؤں گا۔ اور فضل دین کو تمہارا سامان اٹھانے کے لئے بھیج دوں گا۔"

احمد خاں اپنے کمرے سے نمودار ہوا اور اس نے پوچھا۔"یوسف صاحب، کہاں کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ اور آج تو آپ بالکل نہیں سوئے۔"

یوسف نے جواب دیا۔"خاں صاحب! میں انہیں گاڑی پر بٹھا کر دہرہ دون سے آنے کے بعد آرام کروں گا۔ اگر میں نے زیادہ تھکاوٹ محسوس کی، تو ممکن ہے چند گھنٹے کے لئے میجر صاحب کے ہاں چلا جاؤں۔"

احمد خاں نے کہا۔"بھائی آرام یہیں آ کر کرو تو زیادہ ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے، خان صاحب، میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ دہرہ دون رکنے

کا پروگرام وہاں پہنچتے پہنچتے بدل جائے گا۔"

احمد خان نے کہا "میرا خیال ہے کہ ابھی نماز کا وقت ہے۔ آپ منظور صاحب کو بھی جگا دیں۔ میں بھی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہم اکٹھے ناشتہ کریں گے۔"

یوسف نے کہا "خان صاحب، مجھے اس لئے جلدی تھی کہ میں میاں صاحب سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا۔"

"یوسف صاحب، ایک بات میں نے بھی آپ سے کہنی ہے مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ تمہارے سسرال والے یہ ضرور جاننا چاہیں گے۔ کہ اس وقت تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔ آپ انہیں یہ بتا سکتے ہیں۔ کہ آپ خان محمد کے اتالیق ہیں اور میرے سیکرٹری ہیں فی الحال آپ کی تنخواہ پانچسو روپے ماہوار ہے اور تمہارے طعام و قیام کے تمام اخراجات ہمارے ذمہ ہیں۔ بعد میں اس تنخواہ میں ایک معقول اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ مسوری میں رہتے ہوئے تمہیں لکھنے پڑھنے کی عام آزادی ہوگی۔"

نوکر نے چائے اور ناشتہ لاکر یوسف کے سامنے تپائی پر رکھ دیا اور احمد خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یوسف آپ جلدی سے ناشتہ کرکے چلے جائیں۔ میں منظور اور خان محمد کو نماز کے لئے اٹھاتا ہوں۔"

فہیمہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن کی تلاوت کر رہی تھی کہ نسرین بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے کہا۔ "آپا جان! بھلا بتائیے اس وقت کون آیا ہے؟"

فہیمہ قدرے توقف کے بعد قرآن مجید بند کرکے جزدان لپیٹنے کے بعد اٹھی اور اسے چوم کر الماری میں رکھنے کے بعد نسرین کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "نسرین، تم مجھ سے یہ پوچھ رہی تھیں کہ کون آیا ہے؟"

"جی ہاں"

فہیمہ بولی۔ "تمہارے سوال کا جواب تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم یوسف صاحب کو دیکھ کر آئی ہو۔"

"آپا جان، میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بھائی جان اس وقت آجائیں گے۔ یہ اُن کے کاغذات رکھ لیجئے۔" اس نے ایک چھوٹا سا پیکٹ دیتے ہوئے کہا۔

باہر سے آواز آئی "بھئی، میں بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں اس وقت یہاں پہنچ جاؤں گا۔ اب اگر اجازت ہو تو میں اندر آجاؤں؟"

فہیمہ نے دبی زبان میں نسرین سے کچھ کہا۔ اور وہ باہر نکلتے ہوئے بلند آواز میں بولی۔ "بھائی جان، آئیے نا! آپا جان بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"کیا انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ انتظار کر رہی ہیں؟"

"جی ہاں، اُن سے پوچھ لیجئے۔"

"میں کیوں پوچھوں، اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو صحیح ہوگا۔"

فہیمہ نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ "نسرین، تم کب تک ان کا راستہ روکے رہو گی؟ تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ انہوں نے رات بھر آرام نہیں کیا۔"

یوسف نے کہا۔ "یہ درست ہے کہ میں نے رات بھر لکھنے کے بعد سونے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور اگر میں غلطی پر نہیں تو شاید آپ بھی نہیں سو سکیں۔ اس کے باوجود کوئی ہمیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہم تھکے ہوئے ہیں۔ میں اس سے گھنٹہ پہلے آسکتا تھا لیکن سوچا کہ آپ پریشان ہوں گی۔"

"اگر آپ ایک کی بجائے دو گھنٹے پہلے آجاتے تو بھی میں پریشان نہ ہوتی۔ اور آپ یہ محسوس کرتے کہ میں آپ کی منتظر ہوں ـــــ نسرین! جاؤ، نوکر سے کہو کہ جلدی سے ناشتہ تیار کرے۔ ابا جان، پندرہ بیس منٹ تک سیر سے واپس آجائیں گے۔"

صفیہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ یوسف نے سلام کیا۔ اس نے آگے

بڑھ کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹا یہ عجیب بات ہے کہ میں نماز کے لئے اُٹھی تھی، تو فہیدہ باہر ٹہل رہی تھی۔ اور اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ بہت جلد آئیں گے، اور میں اسے کہتی تھی۔ کہ صبح تک لکھنے کے بعد وہ کم از کم دس بجے تک سوئے گا۔ جب ہم تیار ہو جائیں گے۔ تو فضل دین کو اسے بلانے کے لئے بھیج دیں گے۔ ورنہ اگر منظور پہلے آ گیا تو روانگی سے پہلے اسے یوسف کو لانے کے لئے بھیج دیں گے۔"

بلقیس نے کمرے سے باہر نکل کر کہا۔ "دیکھا بہن! میں نہیں کہتی تھی۔ کہ یوسف اچانک پہنچ جائے گا۔"

یوسف نے کہا "چچی جان! میں نے سوچا تھا۔ کہ تھکاوٹ دور کرنے کے لئے کچھ دیر سونے کی بجائے، آپ سے باتیں کرنا بہتر ہے۔"

بلقیس بولی۔ "دیکھو بیٹا! تم فہیدہ کی حق تلفی نہ کیا کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں صبح کے انتظار میں نہیں سوئے۔ اب تم اطمینان سے باتیں کرو۔ میں اور صفیہ تمہارا ناشتہ تیار کرواتی ہیں۔"

یوسف، فہیدہ اور نسرین کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ امینہ، جو بستر پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "السلام علیکم! بھائی جان، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج میرے سوا کسی کو بھی نیند نہیں آئی۔ دو تین بار میری آنکھ کھلی تھی۔ تو میں نے ایک بار دیکھا کہ فہیدہ بہن آپ کا پرانا مسودہ پڑھ رہی ہیں۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو کمرے سے باہر نکل رہی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر میں پھر سونے کا ارادہ کر رہی تھی تو مجھے محسوس ہوا کہ بہن فہیدہ اضطراب کی حالت میں اندر اور باہر پھر رہی ہیں۔ شاید میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔ کہ آپ آنے والے ہیں پھر میں نے یہ کتاب اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی۔

یہ عجیب سی بات ہے بھائی جان۔ میرا دل بھی یہ گواہی دیتا تھا کہ آپ نماز کے بعد آرام کرنے کی بجائے سیدھے اس طرف آئیں گے۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے۔ کہ مجھ سے پیار کرنے والے لوگ مجھے اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ میرے ارادے بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔"

فہیدہ نے کہا: "اللہ کی اطاعت کرنے والوں کی کوئی بات اس کی مخلوق سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ نیکی اور پاکیزگی اُن کے چہرے کو ایسا آئینہ بنا دیتی ہے جس کے باعث ان کے دل کی کیفیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ مجھے یہ خطرہ تھا۔ کہ آپ میرے لئے ایک بہت بڑا معمہ بن جائیں گے۔ لیکن آج سے یہ خطرہ دور ہو چکا ہے۔"

"اور پھر مجھے خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ ہماری شب بیداری ضائع نہیں گئی۔ میں بھی آپ کو یہ بتا دوں تو شاید بُری بات نہ ہو۔ کہ رات لکھتے وقت جب میری توجہ اس طرف ہوتی تھی۔ تو میں یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ آپ بھی میری طرح صبح کے متعلق پریشان ضرور ہوں گی۔"

امینہ نے کہا۔ "فہیدہ بہن! میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر رات بھر جاگا جائے تو بھوک بہت لگتی ہے۔ میں ناشتے کا پتہ کرتی ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی بات یہ ہے کہ میں نے نماز پڑھتے ہی اس طرف کا رُخ کرنے سے پہلے نوکر کو ناشتہ لانے کے لئے کہہ دیا تھا کہ اس طرح کچھ اور وقت گزر جائے گا۔ بہرحال جب ناشتے پر سب بیٹھیں گے تو میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ جو بھوک مجھے محسوس ہونی چاہیئے تھی۔ وہ اس وقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔"

فہیدہ بولی۔ "اگر آپ نماز پڑھتے ہی آ جاتے تو آپ دیکھتے کہ میں آپ کے انتظار میں گیٹ کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔"

"بھئی! اپنی اس غلطی کا مجھے بڑی دیر تک افسوس رہے گا۔"

"افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آئندہ آپ اپنے دل سے پوچھ لیا کریں کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے معاملے میں آپ کا دل آپ کو غلط مشورے نہیں دیا کرے گا!"

"رات میں نے جو صفحات لکھے تھے۔ وہ نسرین کو پکڑا دیئے تھے۔ آپ احتیاط سے انہیں اپنی فائل میں لگالیں۔ میں ہر پندرہ دن کے بعد آپ کے لئے ایک پیکٹ بھیج دیا کروں گا۔ اور کتاب کے آخری صفحات لے کر جالندھر آؤں گا۔ اور وہاں سے پورا مسوّدہ لے کر لاہور چلا جاؤں گا۔ لاہور کے سفر کی کامیابی کے لئے آپ کو ابھی سے دُعا شروع کر دینی چاہیئے۔"

فہمیدہ بولی۔ "میں آپ کے لئے بہت سی دعائیں کیا کروں گی۔ اور پہلی دعا ہمیشہ آپ کی صحت کے لئے ہوگی۔"

یوسف نے کہا۔ "میرے لئے ایک اور دُعا بھی کیا کریں وہ یہ کہ مجھ سے زندگی میں کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ میں آپ کو کھو بیٹھوں۔ کیونکہ میرے لئے اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی!"

"میں بہت دعائیں کیا کروں گی میرے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آئے گا کہ ہم ہزار غلطیاں کرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہو سکتے۔"

صفیہ نے آواز دی۔ "بیٹی فہمیدہ، تمہارے ابا جان آ گئے ہیں۔ اب فوراً ناشتے کے لئے آ جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانے کے کمرے میں بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔ نسرین کے والد کہہ رہے تھے "دس بجے سے پہلے میجر بشیر اور ان کے دوست جو اس کوٹھی کے مالک ہیں، یہاں پہنچ جائیں گے۔ اور اس کے بعد ہم اسٹیشن کی طرف روانہ ہوں گے۔ جن لوگوں نے ملنا ہے۔ وہ سب وہیں آ جائیں گے —— بیٹا یوسف،

ابھی کافی وقت ہے۔ اس لئے تم کچھ دیر اندر جا کر لیٹ جاؤ۔ ہم تمہیں دس بجے جگا لیں گے۔ اور میرا خیال ہے کہ ہم سب کو بھی کچھ دیر آرام کر لینا چاہیئے۔ جب موٹریں پہنچیں گی تو ہم دس منٹ میں سوار ہو کر چل پڑیں گے۔ اور گاڑی چلنے میں کافی وقت ہوگا!"

گیارہ بج کر دس منٹ پر کاریں ڈیرہ دون کے اسٹیشن سے باہر رکیں۔ اور وہ نیچے اترنے لگے۔ فضل دین اور منظور سامان اٹھوا رہے تھے۔

یوسف نے فہمیدہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ بہت سے لوگ آپ کو رخصت کرنے آئے ہوں گے۔ اندر جا کر شاید مجھے آپ کو خدا حافظ کہنے کا موقع بھی نہ ملے۔ اس لئے آپ کے دل میں اگر کوئی بات ہو تو فوراً کہہ دیجیے۔"

فہمیدہ بولی۔ "اس وقت تک اور اس کے بعد گھر پہنچنے تک اور پھر اس وقت جب تک میں آپ کو دوبارہ نہیں دیکھتی، میرے دل میں آپ کے لئے دعاؤں کے سوا کچھ نہیں۔"

یوسف امینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "امینہ، شاید میں تم جیسی بہن کا کبھی شکریہ ادا نہیں کر سکوں گا۔ کتنا بوجھ ہے جو تم چپکے سے میرے سر پہ لاد چکی ہو۔ میں اس احسان کا شکریہ فہمیدہ کے سامنے ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر تم کل میری اعانت نہ کرتیں۔ تو میں شاید عمر بھر اس بات پر پشیمان رہتا کہ میں مسوری میں کڑھتا رہا اور آپ کو خدا حافظ کہنے کے لئے نہ آ سکا۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں، امینہ۔"

"بھائی جان، میری یہ خواہش بھی تو کوئی چھوٹی خواہش نہیں تھی کہ جب گاڑی چلنے لگے اور میں کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھوں تو میرا عظیم بھائی پیار سے میرے سر پہ ہاتھ رکھ دے۔ بھائی جان، جو حالات آپ نے بیان کئے ہیں۔ ان کے پیش نظر میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں۔ کہ جب آپ لاہور آئیں تو ہمارے ہاں ٹھہریں۔ میں منظور صاحب

سے یہ کہہ دوں گی کہ وہ آپ کے پروگرام سے باخبر رہیں ——— منظور صاحب! آپ سنتے ہیں۔"

"بھئی میں سن رہا ہوں۔ اور آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے۔ کہ ان کے پروگرام کی سب سے پہلے مجھے خبر ہوگی۔"

یوسف نے کہا۔ "احمد خان صاحب نے کرائے کے مکان میں ٹیلی فون لگوانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ انہوں نے کل مالکِ مکان کو بلایا تھا اور مجھے اُمید ہے کہ چند دن تک میں آپ کو ٹیلی فون کی اطلاع دے سکوں گا۔"

امینہ بولی۔ "بھائی جان، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہوگی، لیکن آپ کا پہلا ٹیلی فون فہمیدہ بہن کو آنا چاہیئے۔"

"ارے پگلی، یہ تمہیں کیسے خیال آیا۔ کہ میں ٹیلی فون کا اس سے بہتر مصرف بھی سوچ سکتا ہوں، بہر صورت میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" پھر یوسف کو اچانک کوئی خیال آیا۔ اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ، یہ لو۔ مجھے خان صاحب نے تنخواہ میں سے کچھ رقم ایڈوانس دے دی تھی۔ یہ اپنے پاس رکھ لو۔"

"نہیں جی، بالکل نہیں، کبھی بھی نہیں۔ پردیس میں آپ کو بہت ضرورت ہوگی۔"

یوسف نے پریشان سا ہو کر کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ اس بات پر خوش ہوں گی۔"

"میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میرے پاس جتنے پیسے جمع ہوگئے ہیں وہ آپ کو دے جاؤں۔ لیکن میں ڈرتی تھی کہ آپ کو غصہ نہ آجائے۔ دیکھیئے جب تک آپ کی کتاب شائع نہیں ہوتی۔ اس وقت تک ہمیں ایک ایک پائی سنبھال کر رکھنی پڑے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم اس دنیا میں سر اٹھا کر چل سکیں۔"

چند منٹ بعد وہ ویٹنگ روم کے اندر اور باہر ڈیرہ دون کے رشتہ داروں اور میجر صاحب کے دوستوں، ان کی بیگمات اور بچیوں کے جھرمٹ میں کھڑے تھے۔ یوسف،

منظور اور امینہ کا تعارف کروایا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رخصت کرنے والوں سے مصافحہ کرنے اور بغلگیر ہونے کے بعد گاڑی پر سوار ہوگئے اور نسرین نے گاڑی پر سوار ہونے سے پہلے یوسف سے لپٹتے ہوئے کہا۔

"نانی جان کہتی تھیں کہ آپ کو اتنی محنت نہیں کرنی چاہیئے اور اپنی صحت کا خیال ضرور رکھا کریں۔ مجھے یہ اطلاع دیتے رہیں کہ آپ ٹھیک ہیں۔ ورنہ میں بیمار ہو جاؤں گی۔"

"میں اپنی ننھی بہن کو بیمار نہیں ہونے دوں گا۔ اب جلدی سے گاڑی پر سوار ہو جاؤ۔"

سب سے آخر میں نصیر الدین اور منظور، یوسف کے ساتھ گرمجوشی سے بغلگیر ہوتے۔ اور گاڑی پر جو حرکت میں آچکی تھی۔ سوار ہوگئے۔ یوسف چند ثانیئے پلیٹ فارم پر کھڑا رہا۔ جب گاڑی دور نکل گئی۔ تو کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "چلیئے یوسف صاحب ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" یہ میجر بشیر تھے۔ وہ ان کے ساتھ اسٹیشن سے باہر نکلا۔ تو مرتضیٰ خان نے پوچھا۔

"یوسف صاحب آپ میرے ساتھ مسوری چلیں گے یا میجر صاحب کے ساتھ جانے کا پروگرام ہے۔"

میجر بشیر نے کہا۔ "بھئی، تم دونوں ہمارے ہاں کھانا کھاؤ گے اور پھر جاؤ گے۔"

مرتضیٰ خان نے کہا۔ "نہیں جناب، مجھے ابھی بھوک نہیں۔ میں کھانا مسوری پہنچ کر کھاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "میجر صاحب، اگر آپ مجھے بھی اجازت دے دیں تو میں بھی سیدھا مسوری پہنچ جاؤں۔ وہاں احمد خان صاحب کھانے پر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں رات بھر لکھنے میں مصروف رہا ہوں اور اب یہ چاہتا ہوں کہ مسوری پہنچتے ہی کھانا کھا کر سو جاؤں۔" پھر اس نے بیگم بشیر کی طرف مڑتے ہوئے کہا "چچی جان، امید ہے کہ آپ برا نہیں مانیں گی۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی آپ کا حکم آئے گا۔ میں حاضر ہو

جایا کروں گا۔"

"نہیں بیٹیا، اِس میں بُرا ماننے کی کون سی بات ہے۔ تم جاکر آرام کرو۔ ہم کسی دِن ڈرائیور کو بھیج کر تمہیں، تمہارے خان صاحب اور ان کے لڑکے کو بلوالیں گے۔ ہمارے دِل پر خان صاحب کی مہمان نوازی کا بہت اثر ہے۔"

میجر بشیر نے کہا۔ "بھئی اُن کو تو میں نے ضرور بلانا ہے۔ بڑے اچھے آدمی ہیں وہ۔ اچھا بیٹیا، السلام علیکم۔" میجر بشیر نے مصافحہ کیا اور وہ مرتضیٰ خان کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ مسوری تک پہنچتے پہنچتے وہ ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہو چکے تھے۔ مرتضیٰ خان، یوسف کو بڑے اصرار کے ساتھ شکار کی دعوت دے چکا تھا۔ لیکن یوسف نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ "خان صاحب ابھی کچھ عرصہ کے لئے میں بہت مصروف ہوں۔ جب مجھے اپنے کام سے فرصت ملے گی۔ تو میں دن رات آپ کی رفاقت میں شکار کھیلتے ہوئے تھکاوٹ محسوس نہیں کروں گا۔"

مسوری پہنچ کر یوسف نے محسوس کیا کہ یہ شہر جو اس کے لئے ایک پُررونق دنیا تھی اچانک سمٹ کر بہت چھوٹا ہو گیا ہے۔ وہ جگہ جہاں خان صاحب نے اپنی کار کے لئے گیراج لیا ہوا تھا۔ مکان سے کوئی ایک میل دور تھی۔ وہاں سے اتر کر وہ مرتضیٰ خان صاحب کی قیام گاہ تک آیا تو اسے یہ محسوس ہوا کہ یہ گھر بھی بہت چھوٹا ہو چکا ہے۔

مرتضیٰ خان نے کہا۔ "بھئی اگر آپ کو مسوری ٹھہرنے میں کوئی دِقت ہو تو آپ میرے پاس ٹھہر سکتے ہیں۔"

"جی شکریہ۔ احمد خان صاحب مجھے کہیں اور نہیں ٹھہرنے دیں گے۔ ویسے اس دعوت پر میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں تو خان صاحب بہت خوش ہوں گے۔"

"بھئی پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ آپ کو میری فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہاں میرے نوکر

نے انتظام کر رکھا ہو گا۔"

یوسف مصافحہ کر کے وہاں سے چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ احمد خان اور خان محمد کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد احمد خان نے کہا۔ "دیکھو بھائی یوسف، اب تم سیدھے اپنے کمرے میں جاؤ۔ اور وہاں بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لو۔ اور جب تک تم خود نہیں اٹھو گے یہاں تمہیں کوئی نہیں جگائے گا۔ ہاں تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسی ہفتہ یہاں ٹیلی فون لگ جائے گا۔ میں نے مکان کے مالک کو ایک سال کا مزید ایڈوانس دے دیا ہے اور اگر تمہیں سردیوں تک یہاں ٹھہرنا پڑا تو اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ مزید کرایہ لئے بغیر دہرہ دون میں انتظام کر دے گا۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "خان صاحب میں کل سے دن کے وقت تین گھنٹے خان محمد کے لئے نکالا کروں گا اور رات کو اپنے کام میں مصروف رہوں گا۔ اور جس رفتار سے میں لکھ سکتا ہوں۔ اس سے مجھے امید ہے کہ میں ستمبر تک اپنا کام ختم کر لوں گا۔"

"بھئی اتنی جلدی کتاب ختم کر لو گے؟"

"خان صاحب اس کے بعض حصے میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس کتاب کو ترتیب دیتے وقت شاید ان میں کچھ کاٹ چھانٹ کرنی پڑے۔ اور اس کام کے لئے مجھے دسمبر تک یہیں ٹھہرنا پڑے۔ مجھے برفباری دیکھنے کا بھی شوق ہے۔"

"اور وہ مسودہ، جسے تم گاڑی میں بھول گئے تھے؟"

"خان صاحب وہ ایک الگ چیز ہے۔ وہ کبھی بعد میں مکمل ہو گا۔"

"یار بڑا حوصلہ ہے تمہارا۔ میرے لئے تو ایک خط لکھنا بھی مصیبت ہوتا ہے۔ تم اب جاکر سو جاؤ۔"

مسوری سے واپسی

خان محمد کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اور احمد خان اور یوسف اسے دہرہ دون پہنچا
کر واپس آ گئے تھے۔ اس کے بعد یوسف نے احمد خان کو اس کی درخواست پر انگریزی
اور تاریخ پڑھانی شروع کی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اخبارات پڑھتے اور ملک
کی سیاست پر تبصرے کیا کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے متعلق یوسف جو تڑپ اپنے
گھر کے ماحول اور اس کے بعد اسلامیہ کالج لاہور سے لے کر آیا تھا۔ اس میں آئے دن
اضافہ ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ ہندوؤں کی تنگ نظری اور مستقبل کے عزائم اور کانگرس کے
مکر و فریب کے متعلق مضامین لکھ کر اخبارات کو بھیجا کرتا تھا اور اس کا ہر مضمون پڑھنے
والے اس کی زبان میں پہلے سے زیادہ تلخی محسوس کرتے تھے۔ وہ یہ بات بار بار دہرایا کرتا
تھا۔ کہ مسلمانوں کے لئے متحدہ قومیت کا نظریہ قبول کر لینے سے اس کے سوا اور کچھ نہیں
ہوگا کہ وہ اس برہمنی سامراج کے نئے شودر بن جائیں۔

زمانہ قدیم میں برہمنی سماج کے بانی، یعنی آرین لوگ ہندوستان کی قدیم اقوام پر غالب
آ گئے تھے۔ اور پھر انہوں نے، انہیں دائمی طور پر مغلوب رکھنے کے لئے ایسے مذہبی ضابطے
بنا لئے تھے کہ یہ سر نہیں اٹھا سکتے تھے یعنی، شودر ایک بار شودر بن جانے کے بعد
ہمیشہ شودر رہتا تھا۔ اس لئے اگر مسلمان اپنے اندر انسانیت کا ذرہ بھر شعور رکھتے ہیں
تو انہیں آنے والے معرکوں میں یہ ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور

ہندوستان کی متحدہ قومیت کے شودر بننے کی بجائے مرجانا بہتر سمجھتے ہیں۔"

ایک دن اس نے احمد خان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ "خانصاحب میرے ناول
کے آخری صفحات اسی ہفتہ ختم ہو جائیں گے اور میں چاہتا ہوں کہ میں ان پر نظرِ ثانی کرنے
کے بعد چند دنوں کے لئے لاہور سے گھوم آؤں۔"

احمد خان نے کہا۔ "دیکھو بھئی یوسف ــــــ میرے ساتھ تمہارا کام کبھی ختم نہیں
ہوگا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم عمر بھر کے لئے میرے ساتھی ہو۔ اور جب تم ضرورت محسوس کیا
کرو گے تو تم خود ہی میرے پاس پہنچ جایا کرو گے۔ ہمارا ایک گھر پنجاب میں ہے اور دوسرا
سندھ میں۔"

"خان صاحب! یہ دونوں گھر مجھے یکساں عزیز ہوں گے۔ میں مستقبل کے افق پر آندھیوں
کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کی جنگ کے لئے ہمیں اچانک
میدان میں آنا پڑے گا۔ اور پھر معلوم نہیں، مجھے کتنے محاذوں پر لڑنا پڑے گا۔"

احمد خان نے کہا۔ "بھائی، میں کبھی کبھی یہ سوچا کرتا ہوں، کہ تمہاری صلاحیتوں سے
پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ہمیں ایک اخبار کی ضرورت ہے۔ میں کراچی سے اخبار نکالنے
کے لئے سرمایہ فراہم کر سکتا ہوں اور میرا ایک دوست بلوچستان سے اخبار نکالنا چاہتا ہے
اگر تم چاہو۔ تو دونوں اخباروں کی نگرانی تمہارے سپرد کی جا سکتی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب! اس کا جواب میں سوچ کر دوں گا کہ وہ کون سا محاذ
ہے۔ جہاں میری زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن اس وقت میں یہ کتاب چھپوانا اور دوسری کتاب
لکھنا چاہتا ہوں۔"

احمد خان نے کہا۔ "بھئی وہ بھی ہو جائے گا، تمہاری کوئی خواہش ایسی نہیں جو پوری
نہ ہوئی ہو۔ جب تم تنہائی محسوس کرو۔ تو یہاں آ جایا کرو۔ تمہاری خدمت کے لئے ایک نوکر
مکان پر رہے گا۔ سردیوں میں تم دہرہ دون میں بھی رہ سکو گے۔ وہاں یہ فائدہ ہوگا۔ کہ

خان محمد چھٹیوں کے دن تمہارے ساتھ گزارا کرے گا۔ اور تم سے کچھ سیکھتا رہے گا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تم لاہور اور اپنے گاؤں میں اپنے کام اطمینان سے ختم کر کے واپس آؤ۔ اگر مجھے جلدی سندھ نہ جانا پڑا تو میں تمہیں رخصت کر کے جاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم جہاں ہو گے۔ جس حال میں ہو گے۔ مجھے خط لکھتے رہو گے۔ اور کتاب شائع ہونے کا انتظام اب نہیں تو کچھ عرصہ بعد ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تمہیں جس مقام تک پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ تم حاصل کر کے رہو گے۔ اور ہاں دیکھو، کبھی یہ بھی لکھ دینا۔ کہ ہماری دوستی کا رشتہ مضبوط کرنے کی وجہ وہ دو بھیڑیئے تھے۔ جو خدا جانے کہاں کہاں سے گھومتے ہوئے کوہ مردار میں پہنچ گئے تھے ورنہ مجھے کوئٹہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جس نے اس پہاڑ پر بھیڑیئے دیکھے ہوں۔"

اکتوبر کے آخری دن تھے۔ فہمیدہ بالاخانے کی چھت پر دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نسرین نے بھاگتے ہوئے سیڑھی سے آواز دی۔ "آپا جان! آپا جان! جلدی نیچے آیئے۔ وہ آ گئے ہیں۔"

فہمیدہ کا دل دھڑکنے لگا۔ نسرین نے نچلی چھت پر نمودار ہو کر کہا۔ "آپا جان، خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بولتی۔ بھائی جان آ گئے ہیں اور نیچے امی جان سے باتیں کر رہے ہیں۔ ظہیر، ابا جی کو بلانے گیا ہے۔ جلدی آئیں نا۔ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

فہمیدہ نے اطمینان سے نیچے اترتے ہوتے کہا: "بے وقوف، مجھے معلوم ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہے، آپا؟ آپ انہیں چھت سے کیسے دیکھ سکتی تھیں؟"

"بس کہہ جو دیا، مجھے معلوم ہے۔"

"آپا جان، عجیب بات ہے۔ آپ خوش ہونے کی بجائے مجھے ڈانٹ رہی ہیں۔"

"نہیں بھئی، تم مجھے بہت پیاری ہو۔ لیکن جو باتیں تمہیں معلوم نہیں ہوتیں۔ ان کے متعلق خاموش رہا کرو۔" فہمیدہ نے یہ کہہ کر پیار سے اُسے گلے لگا لیا۔

"آپا جان، مجھے بتائیں تو سہی کہ مجھے کیا معلوم نہیں ہے؟"

"بھئی، تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تمہارے بھائی جان نے کل رات گیارہ بجے فون کیا تھا کہ میں آ رہا ہوں۔ اب جتنی دیر وہ یہاں رہیں گے۔ بے حد مصروف رہیں گے۔ اس لئے تم نے ڈھنڈورا پیٹ کر لوگوں کو یہاں جمع نہیں کر لینا۔ تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ اوپر والے کمرے میں ان کا سامان رکھواؤ۔"

"آپا جان! سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ نیچے تو چلیں۔ بھائی جان پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

فہمیدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بڑی بے وقوف ہو تم۔ دیکھو اب نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ تم جا کر یہ کہو کہ میں نماز پڑھ کر آؤں گی، لیکن یہ بات یوسف صاحب سے نہیں، امی جان سے کہنا۔ وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔"

"آپا جان میں اُن سے کان میں بھی تو کہہ سکتی ہوں۔ اگر میں کان میں کہنے کی بجائے بلند آواز میں کہہ دوں تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔"

"چڑیل، مجھے معلوم ہے کہ تم اپنی مرضی کرو گی۔ اگر تم اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتیں تو تم یہ بھی کہہ سکتی ہو۔ کہ فہمیدہ آپ کو سلام کہتی ہے۔ اور وہ عصر کی نماز پڑھتے ہی نیچے آ کر آپ کا خیر مقدم کریں گی۔"

"آپا جان، وہ تو بہت خوش ہوں گے۔ لیکن میری پٹائی ہو جائے گی۔ اس لئے میں امی جان کے سامنے بات کرنے کی بجائے مناسب وقت کا انتظار کروں گی۔"

"اچھا جاؤ، میرا سر نہ کھاؤ۔"

نماز کے بعد فہمیدہ نیچے اتری۔ تو یوسف برآمدے میں بیٹھا صفیہ اور نسرین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ "السلام علیکم" کہہ کر آگے بڑھی اور یوسف "وعلیکم السلام" کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ فہمیدہ بولی:

"جناب آپ بیٹھے رہیں۔ اور مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

یوسف نے فہمیدہ کو جواب دینے کی بجائے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا: "کیوں، خالہ جان، میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟ کیا انسان جن لوگوں کا احترام کرتا ہے۔ ان کے لئے اُٹھتے ہوئے خوشی محسوس نہیں کرتا؟"

صفیہ بولی "بیٹا، میں سمجھتی ہوں۔ کہ لوگ اگر ایک دوسرے کے دل کا حال جانتے ہوں، تو انہیں ظاہرداری کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیئے۔"

"نہیں خالہ جان، فہمیدہ کے لئے میرا اُٹھنا ایک غیر شعوری حرکت تھی اور غیر شعوری طور پر مجھ سے اس قسم کی کئی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یوں ہوتا ہے۔ کہ میری نگاہ کہیں مرکز ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور مجھے گرد و پیش کا احساس نہیں رہتا۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جب میں اچانک فہمیدہ کے خیر مقدم کے لئے اٹھا تھا۔ تو میں یہ بھول گیا تھا۔ کہ یہاں مجھے دیکھنے والا کوئی اور بھی ہے۔"

صفیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بیٹا میں تمہاری باتیں کچھ کچھ سمجھنے لگ گئی ہوں لیکن اس بات سے ڈر آتا ہے۔ کہ ہم میں سے کوئی اچانک تمہارے سامنے جائے اور تم اس سے یہ پوچھنے لگ جاؤ کہ آپ کون ہیں؟"

"نہیں خالہ جان، مجھے ڈر ہے۔ کہ میں کئی لوگوں کو بھول جایا کروں گا۔ کئی نقوش میرے ذہن سے مٹ جائیں گے۔ کیونکہ زیادہ سوچنے والوں کو بہت کچھ بھول جانے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ لیکن ان میں سے اس گھر کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔"

"اچھا بیٹا! میں ذرا باورچی خانے سے ہو آؤں۔ تم اطمینان سے باتیں کرو۔" صفیہ اُٹھ کر چلی گئی تو یوسف نے صحن میں اپنے سوٹ کیس کے اوپر چمڑے کے ایک خوب صورت بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "فہمیدہ، کتاب کا باقی مسودہ اس بیگ میں ہے آپ اسے اطمینان سے پڑھ لیجئے۔ اور جو مسودے میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ وہ نکال کر

میرے کمرے میں رکھوا دیجئے۔ میرا مطلب وہ مسودہ نہیں جو میں گاڑی میں بھول گیا تھا بلکہ ان مسودوں سے ہے۔ جو اس ناول سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر نظرِ ثانی کر کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اور تمہیں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی اصلاح کر دینا۔"

نسرین بولی "بھائی جان مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ کہ میں آپ کے کام میں کوئی مدد نہیں کر سکتی ــــــ شاید ابا جان آگئے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں بیٹھک میں چلنا چاہیئے۔"

وہ بیٹھک کا رخ کر رہے تھے کہ نسرین کے والد اور ظہیر ڈیوڑھی سے نمودار ہوئے یوسف آگے بڑھا اور محمد نصیر الدین نے گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے گلے لگا لیا اور پھر بیٹھک میں اپنے قریب بٹھا کر بجلی کی روشنی میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا: "بیٹا، خدا کا شکر ہے کہ تمہاری صحت پہلے سے بہت بہتر ہے۔"

"جی، میں نے کام بھی بہت کیا ہے۔ اور صحت کا بھی بہت خیال رکھا ہے۔ میں نے اپنا ایک اہم پروگرام پورا کر لیا ہے اور اب کتاب کا مسودہ لے کر لاہور جا رہا ہوں دوستوں نے جو خطوط مجھے بھیجے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نئی کتابوں کی اشاعت میں جو مشکلات حائل تھیں وہ کم نہیں ہوئیں اور میری مشکلات میں تو اس لئے بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ کہ اب نام نہاد نقادوں کے ایک گروہ نے ایسے ادب کے خلاف ایک محاذ بنا لیا ہے۔ جو کسی قومی مقصد کی تائید کرتا ہو۔ یا کسی اخلاقی نظریہ کا داعی ہو۔"

"بیٹا جب آپ کسی چیز میں حسن پیدا کر لیتے ہیں۔ تو کوئی نقاد لوگوں کو اس کی طرف دیکھنے سے منع نہیں کر سکتا۔ میں کوئی نقاد نہیں ہوں۔ لیکن تمہاری تحریر میں وہ حسن دیکھ سکتا ہوں جسے عوام کی طرف سے مقبولیت کی سند عطا ہوا کرتی ہے۔ بعض اوقات اس کے لئے دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن حوصلہ قائم رکھنے اور صبر سے انتظار کرنے والوں کو اپنی محنت

کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ بیٹا میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ تمہیں زندگی میں کبھی حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔"

یوسف نے کہا۔ "مجھ پر اللہ کا یہ خاص کرم ہے کہ میں حوصلہ نہیں ہارتا۔ اگر میں آپ کے سامنے ان تمام مشکلات کا ذکر کروں جو میرے راستے میں حائل تھیں۔ تو آپ یہ محسوس کریں گے۔ کہ اس قدر حوصلہ شکنی کے باوجود اگر میں کوئی اچھی کتاب لکھ لوں۔ تو یہ ایک معجزہ ہو گا اور خالو جان اب تو میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ قدرت کے اس احسانِ عظیم کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں ناکام نہیں رہوں گا۔ مجھ پر بے یقینی کا ایک مختصر سا دور آیا تھا۔ لیکن یہ اتنا ہی تھا کہ اچانک میرے چاروں اطراف اندھیرے چھا گئے تھے پھر یکایک روشنی نمودار ہوئی۔ اور میری دنیا چکا چوند ہو گئی۔ خالو جان! اگر میں نے اس دنیا میں آپ کی، خالہ جان اور چچی بلقیس کی شفقت نہ دیکھی ہوتی، تو بھی اللہ کی رحمت پر میرا یقین متزلزل نہ ہوتا۔"

"بیٹا، یہ ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی کا رفیقِ حیات شریف، نیک اور بہادر ہو۔ فہمیدہ کا مستقبل میری زندگی کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ کیونکہ میں یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ یہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے۔ جب تمہیں دیکھا تو میں نے یہ محسوس کیا۔ کہ اللہ کی بارگاہ میں میری کوئی دعا قبول ہوئی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "خالو جان، میرے لئے دعا کیا کریں۔ کہ میں آپ کی نیک توقعات پر پورا اتر سکوں۔"

نسرین نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "ابا جان امی پوچھتی ہیں کہ کھانا لگا دیا جائے۔ یا آپ عشاء کی نماز پڑھ کر کھائیں گے؟"

"بیٹی ساتھ والی مسجد میں نماز ہونے والی ہے۔ ہم پہلے نماز پڑھ لیں تو بہتر ہو گا ممکن ہے کہ تھوڑی دیر تک دوسرے مہمان بھی آجائیں۔ آؤ یوسف بیٹا۔"

یوسف اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔

نسرین نے پوچھا۔ "امی جان، دوسرے مہمان کون ہیں؟"

صفیہ نے جواب دیا۔ "بیٹی مجھے چند دنوں سے خالدہ کی آمد کی امید ہے لیکن انہوں نے کوئی خط نہیں بھیجا۔"

فہمیدہ بولی۔ "امی جان، آپا خالدہ کو تو خط لکھنے کی عادت ہی نہیں۔ جب بھائی جان حسن علی کا کوئی پروگرام بنتا ہے تو وہی کبھی خط لکھ دیتے ہیں۔ ورنہ کسی کی معرفت پیغام بھیج دیا کرتے ہیں۔"

کھانا کھانے کے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد یوسف بالائی منزل کے کمرے میں پورے انہماک کے ساتھ مسودہ کے پہلے اجزاء پر نظر ثانی کر رہا تھا۔ لیکن اُسے خلافِ معمول جلد ہی نیند آگئی۔ علی الصباح اذان سنتے ہی وہ اٹھا۔ اور نماز کے لئے باہر نکل گیا۔ جب وہ واپس آیا تو فہمیدہ اس کے بکھرے ہوئے کاغذات درست کر رہی تھی۔ اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے رات باقی مسودہ پڑھ لیا ہے اور اسے دوسری فائل میں لگا دیا ہے، لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ ایک بار پھر شروع سے لے کر آخر تک یہ کتاب پڑھ لوں۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ اس قابل ہے کہ آپ اسے دوبارہ پڑھنا پسند کریں۔ تو مجھے اپنی کوشش کے متعلق بہت پُر امید ہو جانا چاہیئے۔"

فہمیدہ بولی۔ "میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میں اسے بار بار پڑھوں آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ گاؤں [illegible] کے متعلق میں نے آپ کی کتاب کا مسودہ تین بار پڑھا تھا۔ اور چوتھی بار اس کی ایک نقل [illegible] ہاتھ سے لکھی تھی۔ اس کے بعض حصے ایسے تھے جن کو میں بار بار سن۔۔ پڑھوا کر سنا کرتی تھی۔ اگر پڑھنے والوں نے آپ کی تصانیف سے میرے مقابلے میں نصف

یا ایک تنہائی دلچسپی لی تو بھی آپ اپنے زمانے کے ایک کامیاب ترین مصنف ثابت ہوں گے۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرا پہلا مسودہ آپ نے پڑھا تھا۔ اور جب بھی میں آپ کے منہ سے ایسی بات سنتا ہوں تو میرے دل سے نسرین کے لئے اَن گنت دُعائیں نکلتی ہیں کہ اس نے ایک انتہائی گم نام مصنف کو اس ذہین خاتون سے متعارف کروا دیا تھا جس کی کوئی رائے غلط نہیں ہو سکتی۔"

"نسرین عجیب لڑکی ہے۔ اس نے آپ کا تعارف اس انداز سے کروایا تھا کہ جب میں نے آپ کا مسودہ دیکھنا شروع کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ آپ میرے لئے اجنبی نہیں تھے۔"

یوسف بولا: "آپ کو یاد ہے کہ امی جان نے جب آپ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ تو ان کی کیا حالت تھی۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ آپ ہی ان کی بہو بن سکتی ہیں! اور وہ اس بات سے خوفزدہ تھیں کہ قدرت کی اتنی بڑی نعمت کہیں ان سے چھن نہ جائے۔"

فہمیدہ بولی "چچی بلقیس آخری وقت تک ان کے پاس تھیں۔ اور وہ مجھے ایک ایک بات بتا چکی ہیں۔ میں نیچے جا کر ناشتے کا پتہ کرتی ہوں۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے ہانپتے ہوئے کہا: "ناشتہ تیار ہے آپا جان! ابا جان بھی آ گئے ہیں اور آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

فہمیدہ بولی "آپ نسرین کے ساتھ چلیں، میں ابھی آتی ہوں۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی: "بھائی جان، آپ ایک امتحان کے لئے تیار ہو جائیں۔"

"دیکھو نسرین اگر تم باتیں کرنا چاہتی ہو تو کچھ دیر خاموش بیٹھی رہو، میں یہ کام ختم کر لوں

تو پھر تم سے باتیں کروں گا۔"

"بھائی جان، کچھ لوگ آپ کو دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ اور ہم نے انہیں نیچے بٹھا لیا تھا کہ وہ آپ کا وقت ضائع نہ کریں۔ ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چند گھنٹے آپ کا انتظار کر سکتے ہیں۔ بڑے ضدی معلوم ہوتے ہیں وہ۔"

ایک خوش وضع خاتون کمرے میں داخل ہوئی اور بولی: "دیکھو صاحبزادی! تم ہماری سفارش کرنے آئی ہو اور آتے ہی ہماری شکائتیں شروع کر دیں۔"

"جی، میں بھائی جان کا موڈ ٹھیک کر رہی تھی ——— بھائی جان! آپ کو معلوم ہے یہ کون ہیں؟"

یوسف اچانک اٹھ کر مؤدب کھڑا ہو گیا اور بولا: "آپا خالدہ، السلام علیکم۔"

ایک نوعمر لڑکا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا: "اچھا جی یہ بتائیے، میں کون ہوں؟"

"تم آپا خالدہ کے بیٹے، محمد عمر ہو۔"

عمر نے پیچھے مڑ کر آواز دی: "ابا جان! آپ آ ہی جائیں۔ بھائی یوسف سب کچھ جانتے ہیں۔"

خالدہ کا خاوند حسن علی ہنستا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور نسرین جلدی جلدی دوسرے کمرے سے کرسیاں لا کر وہاں رکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد فہمیدہ اور صفیہ بھی وہاں آ گئیں اور وہ سب کرسیوں پر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرنے لگے۔

حسن علی نے کہا: "یوسف صاحب، میں دریا عبور کر کے کبھی کبھی گرم کپڑا لینے کے لئے دھاریوال جایا کرتا تھا۔ اور میں اس گاؤں سے گزرا کرتا تھا۔ جس کے باہر مسجد کے ساتھ ہی ایک نئی کوٹھی بن رہی تھی۔ وہ شاید ذرا بلندی پر تھی اس لئے بہت دور سے نظر آیا کرتی تھی۔"

"جی، وہ ہمارا مہمان خانہ ہے اور ذرا اونچی جگہ پہ ہے۔"

میں سنا کرتا تھا کہ اس گاؤں میں ایک بہت مشہور خاندان رہتا ہے۔ لیکن یہ بدقسمتی تھی کہ میں ان سے متعارف نہ ہُوا اب میں سفر نہیں کیا کرتا، لیکن اگر کبھی موقع ملا تو سیدھا آپ کے گھر آؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "بھائی جان! جب آپ ہم سے متعارف ہوں گے تو آپ کو گاؤں میں ہمارے گھر اور جالندھر کے اس گھر میں کوئی بات مشترک نظر آئے گی۔"

عمر بولا "جی! میں ضرور آپ کے پاس آؤں گا۔ اور شکار کے لئے آپ کو اپنے گاؤں لے جاؤں گا۔ بہت شکار ہوتا ہے ہمارے علاقے میں۔"

"عمر صاحب، اگر آپ کا گاؤں پتن سے دریا عبور کرنے کے بعد دو تین میل دور ہے تو میں بھی وہاں سے چند بار گذر چکا ہوں۔"

"بھائی جان، شکار میں مَیں ہمیشہ آپ کا ساتھ دیا کروں گا۔ ابا جان تو اب شکار پر نہیں جاتے، لیکن اُن کی بہت سی یادگاروں میں سے ۔ ہمارے گھر میں دو چیتوں ایک ریچھ اور ایک شیر کی کھال اب تک موجود ہے۔"

خالدہ بولی۔ "بھائی یوسف، باپ بیٹے کو شکار کے سوا اور کوئی شوق نہیں۔ عمر نے اپنے باپ کے شوق میں کچھ اور اضافے کئے ہیں۔ شکار اور کھالوں تک تو معاملہ شاید ٹھیک ہی تھا، لیکن عمر جو جانور مار کر لاتا ہے۔ خواہ وہ نیل گائے ہو، ہرن ہو یا مور ہو اسے کسی کاریگر کو کافی معاوضہ ادا کرنے کے بعد بھرواتا ہے اور ایک کشادہ کمرے میں لا رکھتا ہے ۔ دہرہ دون کے آس پاس شکار ہوتا ہے۔ عمر کو آپ کے شکار کے متعلق سننے کا بہت شوق ہے۔"

"بھئی! شکار کے لئے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں مسوری چھوڑنے سے صرف ایک ہفتہ پہلے، پہلی مرتبہ میجر صاحب کے شکاری دوست ناصر علی خان کے ساتھ گیا تھا میں نے وہاں ایک بارہ سنگا، دو ہرن اور ایک چیتا مارا تھا۔"

عمر بولا، "آپ نے مسوری میں بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا ہوگا۔"

"بھئی، دعوت کا انتظام میں کس کے لئے کرتا، مَیں نے ایک ہرن اور ایک بارہ سنگا میجر صاحب کو پیش کر دیا تھا اور باقی شکار خان صاحب لے گئے تھے۔ دعوت ان کے گھر ضرور ہوئی تھی اور میں وہاں موجود تھا۔"

"بھائی صاحب، میں نے سُنا ہے کہ وہاں بڑے بڑے اژدھے ہوتے ہیں"

"ضرور ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک جو کوئی قریباً پندرہ فٹ لمبا تھا میں نے بھی مارا تھا۔ کافی بھاری تھا ۔ خان صاحب کے ایک ساتھی نے اس کی کھال اتروانے کے لئے دہرہ دون کسی کاریگر کے پاس بھیج دیا تھا۔"

عمر نے پوچھا۔ "آپ نے وہاں کوئی شیر نہیں مارا، بھائی جان!"

"بھئی، میں صرف ایک ہی بار وہاں شکار کے لئے گیا تھا۔ اگر دوسری بار جاتا تو شاید شیر بھی مل جاتا۔"

محمد عمر نے کہا: "بھائی جان، جب آپ دوبارہ جائیں گے تو میں آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گا۔"

خالدہ بولی۔ "لیکن یوسف صاحب! ہمارے گھر میں مزید کھالوں کے لئے جگہ نہیں ہوگی۔"

"آپا جی! میرا خیال ہے کہ مردہ جانوروں کی کھالوں کے اندر روئی وغیرہ بھر کر رکھنے کا شوق عارضی ہوتا ہے۔ عمر کا دل بہت جلدی ان سے بھر جائے گا۔ آپ نے شاید یہ پڑھا ہو کہ آسٹریلیا کے بعض قبائل اپنے دشمنوں کے سر اُتار کر انہیں کسی طریقے سے بہت چھوٹا کر لیتے تھے اور ایک رسی میں پرو کر ہار کی طرح گھروں میں رکھتے تھے۔ ہار جتنا لمبا ہوتا تھا۔ اسی قدر اس کے مالک کو بڑا سردار سمجھا جاتا تھا۔"

عمر نے پریشان ہو کر کہا۔ "بھائی جان، یہ تو آپ نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ میں اپنے حنوط شدہ جانوروں کو دیکھ کر بیزار ہو جایا کروں گا۔ لیکن ان کی کھالیں رکھنے پر تو

آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"بھائی! جو بات بھی آپ شوق سے کریں گے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دن آپ اس سے زیادہ شوق کے ساتھ کتابیں پڑھنا شروع کر دیں اور گھر بیٹھے چند سال میں اتنی کتابیں پڑھ لیں کہ آپ کی گفتگو سے لوگ مرعوب ہو جایا کریں۔"

حسن علی نے کہا۔"یوسف صاحب، میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ عمر آپ سے بہت میل جول رکھے گا۔ اگر آپ کسی ایسے آدمی کو تلاش کر سکیں جو اسے پڑھا سکے تو یہ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔ میں اُسے معقول تنخواہ دے سکوں گا۔"

"بھائی جان، انشاء اللہ! عمر کو ایک اچھا استاد مل جائے گا۔"

حسن علی نے کہا۔"جو تنخواہ آپ مقرر کریں گے وہ ہم بخوشی دیں گے۔"

"بھائی جان، جسے میں بھیجوں گا وہ لالچی نہیں ہوگا، جو تنخواہ آپ دیں گے، خوشی سے لے لیا کرے گا۔"

خالدہ نے کہا"بھائی یوسف، میں دوہری مبارک باد کی مستحق ہوں، ایک اس لئے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی، دوسرے اس لئے کہ میری زندگی کی ایک بہت بڑی الجھن دور ہو گئی: اگر آپ کبھی کبھی شکار کے بہانے ہمارے گاؤں میں آجایا کریں تو عمر آپ سے بہت کچھ سیکھ سکے گا۔"

"آپا جان، اگر مجھے شکار کا شوق نہ ہو تو بھی میں فرصت کے وقت وہاں ضرور آیا کروں گا۔"

فہمیدہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ نسرین نے اچانک کہا،"بھائی جان! آپ نے آپا جان کو بہت پریشان کیا ہے۔ میں نے انہیں آنکھیں پونچھتے ہوئے دیکھا ہے"

"میں نے انہیں پریشان کیا ہے؟"

فہمیدہ خاموش رہی تو یوسف نے مضطرب ہو کر کہا۔"کیوں فہمیدہ! میں نے ایسی کونسی بات کہی؟"

فہمیدہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا:"آپ ایسے جنگل میں کیوں گئے تھے۔ جہاں چیتے بھی ہوتے ہیں اور اژدھے بھی۔"

نسرین بولی۔"بھائی جان، آپا جان کو معلوم ہے کہ آپ بہت بہادر ہیں لیکن درندوں اور خوفناک اژدھوں کو بہادری دکھانے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ میں تو ابھی تک اس خوف سے کانپ رہی ہوں کہ اژدھا پندرہ فٹ لمبا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہو آپ نے ناپ کر تو نہیں دیکھا تھا۔" اس پر سب ہنس پڑے۔

یوسف کو رخصت ہوئے دس دن ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں لاہور سے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ ایک دن صفیہ نے لاہور میں بلقیس کو فون کر کے اس کے متعلق پوچھا:"بلقیس، آپ کو معلوم ہے کہ یوسف کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا:"بہن، جب میں لاہور میں تھی، تو یوسف اور کہاں ٹھہر سکتا تھا۔ امینہ اپنے والدین کے ساتھ آئی تھی۔ اور وہ اسے اپنے ہاں لے جانے پر مُصر تھے۔ لیکن اُس نے جواب دیا تھا کہ جب میں فارغ ہو جاؤں گا۔ تو چچی جان کے ساتھ آپ کے پاس آؤں گا۔ انہوں نے دو بار ہماری بڑی پُر تکلف دعوت کی ہے۔ یوسف کے والد پچھلے دنوں ریٹائر ہوتے ہی لاہور کا مکان چھوڑ کر گاؤں چلے گئے تھے۔ یوسف بھی چند دنوں تک گاؤں جانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ نسرین کے چچا چھٹی پر آ رہے ہیں۔ پروگرام یہ بنا ہے کہ ہم سب یوسف کے ساتھ ہی اس کے گاؤں روانہ ہو جائیں گے۔ میری بڑی خواہش ہے کہ وہ پردیسی درخت دیکھوں۔ جن کے متعلق اتنا کچھ سن چکی ہوں۔ یوسف اس وقت یہاں نہیں ہے۔ جب وہ رات کو آئے گا۔ تو میں اسی وقت فون کروا دوں گی۔ میرا خیال ہے۔ کہ یوسف نے کسی پریشانی کی وجہ سے آپ کو لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی تک یہاں کسی ناشر سے اسے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا۔ لیکن آپ کو اس کے متعلق فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ، اس کے سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے ٹیلی فون پر بات ہو تو اس کی حوصلہ افزائی کیجئے۔ ہاں وہ منظور احمد سائے

کی طرح اس کے ساتھ رہتا ہے۔ بڑا اچھا لڑکا ہے وہ۔ بہن، فہمیدہ، نسرین اور ظہیر کو میری طرف سے بہت پیار دینا۔ خدا حافظ۔"

گیارہ بجے کے قریب یوسف گھر پہنچا، تو بلقیس بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"چچی جان" اس نے کہا۔ "پروفیسر صاحب سے باتوں میں دیر ہو گئی۔ دراصل انہوں نے مجھے ایم۔ اے کی تیاری کے سلسلے میں مشورہ دینے کے لئے بلایا تھا۔"

"بیٹا، تم نماز پڑھ چکے ہو؟"

"چچی جان، میرا ارادہ تھا کہ میں گھر پہنچ کر نماز پڑھوں گا۔"

یوسف وضو کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اور بلقیس نے اٹھ کر ٹیلی فون کال بک کروا دی۔

جب یوسف نماز سے فارغ ہوا۔ تو وہ برآمدے میں ٹیلی فون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی یوسف نے اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "چچی جان معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں ـــــ بہت سنجیدہ بات۔"

"ہاں بیٹا! میں یہ پوچھنا چاہتی تھی۔ کہ تم نے صفیہ کو خط کیوں نہیں لکھا؟"

"چچی جان، میں نے آج ہی خط لکھا ہے۔ لیکن انہوں نے آپ سے کوئی شکایت کی ہے؟"

"نہیں بیٹا، صفیہ اگر شکایت بھی کرتی تو میں پریشان نہ ہوتی۔ لیکن وہ جو شکایت نہیں کر سکتی۔ اس کے متعلق میں بڑی پریشان ہوں۔ اور ابھی اُس کا فون آنے گا۔"

یوسف مسکرایا۔ "چچی جان، جب آپ ٹیلی فون سنیں گی تو آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ میرے متعلق جو بات کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ وہ فہمیدہ کو معلوم ہو جاتی ہے۔ میں نے آتے ہی اس بات کا انتظام کیا تھا کہ اسے ہر تیسرے دن یہ اطلاع ملتی رہے۔ کہ میں بخیریت ہوں۔"

"بیٹا اگر تم خط لکھ رہے ہوتے تو وہ یقیناً ذکر کرتیں۔"

"چچی جان یہاں میری ایک بہن ہے وہ ہر تیسرے دن فون پر فہمیدہ کو یہ بتایا کرتی ہے۔ کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کس حال میں ہوں اور گھر والوں کو اس لئے نہیں معلوم ہوا ہوگا کہ میرا پیغام صرف فہمیدہ کے لئے ہوا کرتا ہے۔ ہمارے بعض معاملات ایسے ہیں۔ جن میں ہم کسی کو شریک نہیں کرتے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور بلقیس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ بیٹی! میں بلقیس بول رہی ہوں۔ آج صفیہ نے مجھے ٹیلی فون پر یہ بتا کر بہت پریشان کیا تھا کہ انہیں یوسف کی کوئی خبر نہیں۔ بیٹی، یوسف کا یہ اولین فرض تھا کہ وہ تمہیں اپنے حالات سے باخبر رکھتا۔ اور اگر اس نے اپنا یہ فرض پورا کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنے والدین کو یوسف کے متعلق نہیں بتایا؟"

فہمیدہ نے جواب دیا۔ "چچی جان، یوسف صاحب کی پریشانی میں شریک ہونا میں صرف اپنا حق سمجھتی ہوں، اس لئے میں نے امی جان اور ابا جان کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور آپ کے متعلق تو میں یہ جانتی ہوں۔ کہ آپ ہر بات سے واقف ہوتی ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو میں آپ کو ضرور لکھتی یا ٹیلی فون کرتی ـــــ ہاں، چچی جان کیوں نہیں۔ دیجئے انہیں ریسیور۔"

بلقیس نے ریسیور یوسف کو تھما دیا۔ وہ بولا "جی میں بخیریت ہوں۔ بہت پھرتا رہا ہوں۔ اس لئے صحت اچھی ہو گئی ہے۔ امینہ کی ڈیوٹی اس لئے لگائی تھی۔ کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ اور کبھی کبھی اپنے والدین کو بھی یہ تسلی دے دیا کریں کہ میں ٹھیک ہوں۔ کتاب کا مسئلہ وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ آج ایک سنجیدہ پبلشر نے مسودہ پڑھنے کا وعدہ کیا ہے لیکن کاغذ کی کمیابی اور گرانی کے باعث تمام پبلشر پریشان ہیں۔ میں اسے مسودہ دے کر چند دنوں کے لئے اپنے گاؤں جاؤں گا۔ آج ایک پروفیسر صاحب کے مشورے

سے میں نے تاریخ میں ایم۔ اے کی تیاری شروع کردی ہے۔ کچھ کتابیں میرے پاس پہلے ہی موجود تھیں۔ اور کچھ میں نے خرید لی ہیں۔ گاؤں میں اگر کوئی خاص کام نہ پڑ گیا تو مجھے زیادہ دن نہیں لگیں گے۔ مَیں ایم۔ اے کی تیاری کے ساتھ ساتھ دوسری کتاب شروع کردینا چاہتا ہوں۔ یہاں آکر میں نے محسوس کیا ہے۔ کہ تحریک پاکستان میں بھرپور حصّہ لینے کے لئے مجھے لاہور، کراچی یا کوئٹہ میں سے کسی ایک جگہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنانا پڑے گا۔ مَیں احمد خان صاحب سے مل کر کوئی پروگرام بناؤں گا۔ مَیں انہیں خط لکھ رہا ہوں۔ اور ان کا جواب آنے پر مجھے کوئٹہ یا کراچی جانا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرا خط ملتے ہی مجھے تار بھیج دیں گے ___ بھئی کوئی الجھن نہیں، میں نے احتیاطاً یہ بات کہہ دی تھی کہ گاؤں میں ایسے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ کہ کبھی ایک ہفتے کا پروگرام بنا کر جائیں تو ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ رکنا پڑتا ہے۔ ویسے اس وقت میرے سامنے کوئی ایسا مسئلہ نہیں، زیادہ سے زیادہ دو تین دن گاؤں میں رہوں گا۔ اور واپس آجاؤں گا۔ اگر چچی جان اور چچا جان کا میرا ساتھ دینے کا پروگرام بن گیا تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ خالہ جان کو میرا مؤدبانہ سلام کہہ دیجئے۔ میں گاؤں جانے سے پہلے کسی وقت اُن سے بات کرلوں گا۔"

اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ "چچی جان شکریہ۔ اب تو آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں؟"

"بیٹا، میں پہلے بھی تم سے خفا نہیں تھی۔ اگر تم فہمیدہ کو خوش رکھ سکو، تو دنیا میں مجھے تم سے زیادہ عزیز کوئی نہیں ہوگا۔"

"چچی جان، ہمارے لئے دعا کیا کریں۔"

"بیٹا، آج صبح تمہارے چچا جان کا فون آیا تھا کہ وہ دو دن کے اندر یہاں پہنچ رہے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ تمہارے گاؤں جائیں گے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے چچی جان!"

"ہم موٹر پر جائیں گے۔ اور موسم ایسا ہے کہ سیدھے تمہارے گاؤں پہنچ جائیں گے۔"

"چچی جان، مجھے یقین ہے کہ گاؤں کی عورتیں آپ کو دیکھ کر یہ محسوس کریں گی۔ کہ میری امی زندہ ہو کر واپس آگئی ہیں"

"نہیں بیٹا، مجھے یہ خوش فہمی کبھی نہیں ہو سکتی، کہ میں کسی کو قدسیہ کی طرح نظر آسکتی ہوں"

تیسرے دن اتوار کے روز یوسف میاں عبدالرحیم کے گھر پہنچا۔ منظور، امینہ اور اس کے بھائی علی اکبر کو برآمدے میں پڑھا رہا تھا۔ وہ سب اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ یوسف نے کہا: "بھئی آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ امینہ، تمہارے ابا جی کہاں ہیں؟ مَیں ان سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں"

"جی وہ ناشتہ کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ آئیے میں آپ کو ان کے پاس لے جاتی ہوں"

یوسف نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "امینہ اگر میری گفتگو کا تعلق شروع سے لیکر آخر تک تمہارے مستقبل کے ساتھ ہو تو تم بُرا تو نہیں مانو گی؟"

"بھائی جان، ابھی تک آپ کو اس بات پر شبہ ہے کہ میں آپ کی بہن ہوں؟"

"قطعاً نہیں۔ تم بہن سے بھی کچھ زیادہ ہو۔ لیکن کبھی کبھی میں یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ میں کہیں اپنے فرائض سے تجاوز نہ کر جاؤں"

"بھائی جان، ایک بہن کی ذمہ داریاں اور بھائی کے فرائض کی حدود کہیں ختم نہیں ہوتی ہیں"

"ارے تم تو ادیب بنتی جا رہی ہو"

"بھائی جان، میں ایک بہت بڑے ادیب کی بہن ہوں۔ اور اتنی کند ذہن نہیں

ہوں۔ کہ آپ سے کچھ نہ سیکھوں"۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک کشادہ کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ یہاں میاں عبدالکریم آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اٹھ کر یوسف سے مصافحہ کیا۔ اور یوسف کو اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے"۔

یوسف نے اٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا: "جناب، میں چوتھے روز یہاں سے اپنے گاؤں جاؤں گا۔ چچا عبدالعزیز صاحب پرسوں تشریف لائیں گے۔ وہ اور چچی بلقیس بھی میرے ساتھ جائیں گے لیکن وہ جلد واپس آجائیں گے۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کتنے دن وہاں رہنا پڑے۔ آج ایک اہم ذمہ داری کا احساس مجھے آپ کے پاس لے آیا ہے۔ میں بہت سوچنے کے بعد یہ محسوس کر رہا ہوں کہ آپ جتنی جلدی امینہ کی شادی کر دیں گے۔ اسی قدر میرا ذہنی اضطراب کم ہو جائے گا۔ چچا جان، اگر امینہ میری سگی بہن ہوتی تو بھی میں منظور احمد سے بہتر لڑکا تلاش نہ کر سکتا۔ وہ ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور انتہائی شریف اور قابلِ اعتماد ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ اسے کسی تاخیر کے بغیر اِس گھر سے متعلق اپنی ذمہ داریاں سنبھال لینی چاہئیں"۔

"بیٹا ہم اُن پرانے لوگوں میں سے ہیں۔ جو کسی کو ایک بار اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھ لیتے ہیں۔ تو پھر اس کے متعلق اپنی رائے تبدیل نہیں کرتے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ تم امینہ کے نیک اور بہادر بھائی ہو۔ میں اپنی طرف سے اور اپنی بیوی کی طرف سے تمہیں تاریخ مقرر کرنے کا اختیار دیتا ہوں۔ اور اس مسئلہ میں تمہیں امینہ سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف ایک بات ہے۔ کہ ہمیں تاریخ کے اعلان کے بعد بیس دن کا وقفہ ضرور ملنا چاہیئے"۔

یوسف نے کہا۔ "چچا جان، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ کیا آپ آج سے بیس یا پچیس دن بعد کی تاریخ مناسب سمجھیں گے"؟

"بیٹا، پچیس دن بعد کی تاریخ کا تم آج ہی اعلان کر سکتے ہو۔ اور منظور احمد سے بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ اسے اپنے گھر جا کر انتظامات کرنے کے لئے آج سے چھٹی ہے۔ دعوت نامے چھپوانے کے لئے میرا منشی بہت ہوشیار ہے، لیکن تم اپنے گاؤں سے آجاؤ گے نا اس دن تک"؟

"جی، اب تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گاؤں میں میرا قیام اور مختصر ہو جائے گا۔ چچا جان، آپ نے اچھی طرح سوچ لیا ہے"؟

"بیٹا، جب سوچنے کے لئے تم جیسے جوان بیٹے موجود ہوں، تو ہم بوڑھوں کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب عبدالعزیز صاحب آئیں، تو مجھے فون کر دینا۔ جی تو میرا بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ تمہارے ساتھ جا کر اپنا گاؤں بھی دیکھ آؤں۔ لیکن جب سے تم لاہور آگئے ہو۔ میرا وہاں ٹھہرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مجھے قائم دین اور اپنے منشی پہ بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ کبھی میں وہاں جانے کا ارادہ کرتا ہوں تو امینہ اور اس کی ماں بڑی مزاحمت کرتی ہیں۔ انہیں قائم دین کی بیوی عالم بی بی سے کچھ چڑ سی ہو گئی ہے۔ امینہ کو کسی پر بلاوجہ غصہ نہیں آیا کرتا۔ لیکن ایک دن تو وہ میرے ساتھ جھگڑتے ہوئے اس قدر جذباتی ہو گئی تھی۔ کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اور اس نے صاف یہ کہہ دیا تھا۔ "ابا جی، ہم میں سے کوئی اس جگہ نہیں جائے گا۔ جہاں عالم بی بی باورچی خانے تک پہنچ سکتی ہو۔ آپ اس کے کالے پیر کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ جو جرائم پیشہ لوگوں کو زہر فروخت کرتا ہے۔ میں نے بہت پوچھا کہ کالے پیر نے کس کے پاس زہر فروخت کیا ہے، لیکن امینہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ شاید اس نے سنی سنائی بات آگے چلا دی تھی"۔

یوسف نے پوچھا۔ "آپ نے پیر کُوکے شاہ کو دیکھا ہے"؟

"یار، میں نے اسے کئی بار دیکھا ہے۔ وہ جاہل لوگوں کو تعویذ دے کر پیسے بٹورا کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے تعویذوں کے اثرات دیکھ کر اس کے مرید بھی بن گئے ہیں"۔

"اور ان میں سے ایک عالم بی بی بھی ہے۔"

"وہ تو یقیناً ہے اور قائم دین کو اس کے پیچھے چلنا پڑتا ہے۔ شاید چراغ بی بی پر بھی اس کا کوئی اثر ہو، لیکن میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ وہ آدمی جو ساری رات عبادت کرتا ہے۔ زہر بھی فروخت کر سکتا ہے۔"

"چچا جی! امینہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اس نے اگر کوئی بات محسوس کی ہے۔ تو وہ بلاوجہ نہیں ہوگی۔ وہ پیر کوکے شاہ کبھی آپ کے گاؤں میں آیا ہے؟"

"ہاں کبھی کبھی آیا کرتا تھا۔ لیکن چونکہ قائم دین کا گھر حویلی کے کونے میں ہے اور اس کا ایک دروازہ باہر کی طرف بھی کھلتا ہے۔ اس لئے میری ملاقات اس سے بہت ہی کم ہوتی تھی۔ اور میں ہر ملاقات پر اسے کم از کم ایک روپیہ ضرور دیا کرتا تھا۔ اور وجہ اس کی یہ تھی۔ کہ عالم بی بی، قائم دین اور ان سے ملنے والے لوگ اس کی کرامات کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔"

"چچا جی، میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن میرا خیال ہے کہ جن ذرائع سے اس جرائم پیشہ پیر کے متعلق بعض معلومات امینہ کو حاصل ہوئی ہیں۔ ان سے مجھے بھی کئی معلومات حاصل ہوئی ہیں اور میرا پہلا ردعمل یہ ہے۔ کہ آپ کے گھر کی ہر ایسے انسان سے حفاظت کی جائے جس پر پیر کوکے شاہ کے زیر اثر ہونے کا شبہ کیا جا سکے۔ مجھے موقع نہیں ملا۔ ورنہ کوکے شاہ کے متعلق میری تحقیقات مکمل ہو چکی ہوتی۔ اور آپ کے سامنے ناقابلِ یقین باتیں آتیں۔"

عبدالکریم نے کہا۔ "یار یہ عجیب بات ہے۔ اس موضوع پر تم سے باتیں کرنے سے قبل میں اسے اگر اچھا آدمی نہیں تو کم از کم بے وقوف ضرور سمجھتا تھا۔ یہ بات میرے دماغ میں کبھی آئی ہی نہیں تھی کہ وہ بدمعاش بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اب میں اس کا تصور کرتا ہوں تو مجھے وہ انتہائی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ ارے یار، یہ بات میری سمجھ میں اب آئی ہے

جب تمہارے والد نے چراغ بی بی سے شادی کی تھی۔ تو میں اس بات پر خوش تھا کہ اسے ایک اچھا گھر مل گیا ہے۔ لیکن امینہ کہا کرتی تھی کہ یوسف صاحب پر ظلم ہوا ہے وہ ان کی سوتیلی ماں بننے کے قابل نہ تھی، لیکن بھئی میں تو آپ سے اپنی بیٹی کی شادی کی باتیں کر رہا تھا۔ ہم کوکے شاہ بدمعاش کا قصہ کسی اور وقت نہیں چھیڑ سکتے تھے؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "چچا جی، اس بات پر میں بھی خوش نہیں ہوں، لیکن بُرے لوگوں پر اچھے وقتوں میں بھی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں سانپ سے کسی وقت بھی بے خبر نہیں رہنا چاہیئے۔"

"بیٹا میں تو اب یہ سوچ رہا ہوں۔ کہ علی اکبر بہت چھوٹا ہے۔ اس لئے مجھے جگہ جگہ پاؤں پھیلانے کی بجائے اپنی بیشتر جائیداد لاہور اور لائل پور میں سمیٹ لینی چاہیئے۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جی، مجھے یقین ہے کہ ان مسائل پر منظور احمد آپ کو بہترین مشورہ دے سکے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں امینہ کے کان میں یہ کہہ جاؤں۔ کہ تمہارے متعلق ایک اہم فیصلہ ہو چکا ہے۔"

یوسف نے کمرے سے باہر نکل کر سیدھا امینہ اور منظور احمد کی طرف جانے کی بجائے لان کی طرف اتر کر گلاب کے درخت سے خوبصورت پھول توڑے اور واپس آگیا۔ امینہ نے مسکراتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا۔ "علی اکبر بھاگ کر جاؤ اور مالی سے کہو کہ وہ بھائی جان کو گلاب کے بہترین پھولوں کا گلدستہ بنا دے۔"

"بھئی اس وقت مجھے صرف دو پھولوں کی ضرورت تھی۔ یہ لو اور ان کے ساتھ میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔ منظور بھائی، تمہیں تیاری کے لئے آج کے دن سمیت چوبیس دن ملے ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم سارے کام چھوڑ کر اپنے گھر پہنچ جاؤ۔ کیوں کہ پچیسویں دن تم نے اپنے عزیزوں کے ساتھ یہاں حاضری دینی ہے۔ میں چند دنوں کے لئے اپنے گاؤں جاؤں گا، لیکن میری کوشش یہ ہوگی۔ کہ

میں وقت سے چند دن پہلے یہاں پہنچ جاؤں۔"

منظور کچھ کہنے کی بجائے حیرت زدہ سا ہو کر یوسف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور امینہ نے اپنی گردن جھکا رکھی تھی۔ یوسف نے کچھ سوچ کر کہا: "دیکھو بھئی اس وقت وہ ساری گفتگو دہرانے کی ضرورت نہیں جو میں میاں صاحب سے کر چکا ہوں، لیکن یہاں سے رخصت ہوتے ہوتے میں امینہ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں نے اتنی جلدی شادی کا فیصلہ کروانے میں زیادتی تو نہیں کی؟"

امینہ نے آبدیدہ آنکھیں اوپر اٹھائیں اور کہا: "بھائی جان! جب آپ ایک بھائی کے فرائض محسوس کرتے ہیں۔ تو آپ کی بہن آپ کو بھائی کا اختیار استعمال کرنے سے کیسے روک سکتی ہے؟"

"ارے چڑیل، میں تمہیں ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔"

امینہ بولی۔ "بھائی جان یہ کوئی ہنسنے والی بات تو نہیں تھی، لیکن آپ کو مجھ سے خفا نہیں ہونا چاہیئے۔ کبھی کبھی بہنوں کی آنکھوں میں آپ جیسے بھائیوں کے سامنے اظہارِ تشکر کے لئے بھی آنسو آجاتے ہیں۔"

یوسف کے گاؤں میں

چوتھے روز کار ریلوے لائن کے کراسنگ پر پہنچی جہاں سے ایک کچا راستہ یوسف کے گاؤں کی طرف جاتا تھا۔ وہاں شیشم کے درختوں کے نیچے سردار بیلا سنگھ اور چند اور آدمی کھڑے تھے۔ بھلو بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے یوسف اور عبدالعزیز کو جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا: "جی، آگے راستہ گھر تک ٹھیک ہے۔ کل صبح سے ہمارے گاؤں کے آدمی اس کام پر لگ گئے تھے۔ سردار بیلا سنگھ کو جب یہ خبر ملی کہ آپ اور انسپکٹر صاحب تشریف لا رہے ہیں، تو وہ بھی اپنے آدمی لے کر پہنچ گئے تھے۔"

بیلا سنگھ آگے بڑھا تو یوسف جو کار چلا رہا تھا اور عبدالعزیز جو اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، نیچے اُتر گئے۔ بیلا سنگھ نے دونوں کے ساتھ گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور یوسف سے پوچھا: "بھتیجے یہ بتاؤ کہ تمہارے مہمان بٹیر پسند کرتے ہیں نا؟"

"سردار جی! بٹیر کون پسند نہیں کرتا۔"

"بھئی میں یہ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ بٹیر اس سال بہت آتے ہیں۔ میرے پاس کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ جب میں نے یہ سُنا کہ یوسف آ رہا ہے، تو میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ آئندہ ہمارا شکار کسی اور کے لئے نہیں ہو گا۔ آپ کے مہمان جتنے دن یہاں ٹھہریں گے انہیں دونوں وقت بٹیر ملا کریں گے۔ اب تم جاؤ۔ گاؤں میں تمہارا انتظار ہو رہا ہو گا۔"

جب کار چلنے لگی تو اس نے کہا: "دیکھو یوسف! اجیت کہتی تھی کہ میرا بھائی اگر موٹر پر آ رہا ہے۔ تو اسے ہمارے گھر کے سامنے سے گذرنا چاہیئے۔ میں نے راستہ بنوا دیا ہے۔

اگر تم وہاں ایک منٹ کے لئے رک گئے۔ تو وہ اور اس کی ماں انسپکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ
کو سلام کر لیں گی۔ بات تو یہ کچھ نہیں۔ وہ تمہارے گھر بھی جا سکتی ہیں، لیکن اجیت اس بات
پر فخر کیا کرے گی۔ کہ میرا شیر بھائی اس کار کو جس میں اتنے بڑے لوگ سوار تھے۔ سیدھا
ہمارے گھر کے دروازے پر لے آیا تھا۔"

یوسف نے کچھ پریشانی ظاہر کی تو پچھلی سیٹ سے بلقیس بولی: "بھائی، ہم تمہاری
بیٹی کو ضرور دیکھیں گے، چلو یوسف۔"

یوسف نے کار سٹارٹ کر دی۔ تھوڑی دور جا کر بلقیس نے کہا: "بیٹا، مجھے ایسا محسوس
ہوا تھا کہ یہ نام میں نے پہلے بھی سنا ہے ـــــ ہاں شاید وہ صفیہ اور بچیوں سے ملی تھی۔
تمہیں کسی نے بتایا؟"

"ہاں، چچی جان، یہ شاید ان دنوں کی بات ہے۔ جب وہ دھرمسالہ جا رہی تھیں۔ اور یہ
لڑکی اپنے گاؤں کی چند عورتوں کے ساتھ راستے کے اسٹیشن سے ان کے ساتھ سوار ہوئی
تھی۔"

بلقیس نے کہا: "بیٹا یوسف، تمہارے چچا شاید اس بات پر میرا مذاق اڑائیں۔ لیکن میں
وہ پردیسی درخت ضرور دیکھوں گی۔"

"چچی جان، اگر آپ نے پہلے کہا ہوتا۔ تو میں نے خط لکھ کر اس طرف کا راستہ ٹھیک کروا
دیا ہوتا۔ اور ہم پردیسی درختوں میں سے ہوتے ہوئے گاؤں پہنچتے۔ اب کسی دن بہت
سویرے میں گھوڑوں کا انتظام کر دوں گا۔ آپ کی سیر بھی ہو جائے گی۔ صبح صبح آپ جنگلی
مور بھی دیکھیں گی۔ اور پردیسی درختوں کو بھی جی بھر کر دیکھ سکیں گی۔"

کار بیلا سنگھ کی حویلی کے پھاٹک کے سامنے رکی۔ اندر سے کتوں نے شور مچانا شروع
کر دیا۔ اجیت اور اس کی ماں باہر نکلیں۔ اور آن کی آن میں گاؤں کی کئی عورتیں اور بچے
وہاں جمع ہو گئے۔

یوسف نے کار سے اترتے ہوئے کہا: "چاچی آپ ٹھیک ہیں؟ اجیت بہن تم بھی
ٹھیک ہو ناں؟"

اجیت نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا، "ویر جی، جب میں نے یہ سنا تھا۔
کہ چاچی جی مر گئی ہیں، تو میں باپو کی بہت منت کیا کرتی تھی۔ کہ مجھے لاہور لے چلو۔ تو وہ کہتے
تھے۔ پگلی تم وہاں جا کر کیا کرو گی؟ ویر جی اگر بھگوان ایک کے بدلے دوسرے کی جان لے سکتا
تو میں رو رو کر منتیں کرتی۔ کہ مجھے لے لو۔ اور میری چاچی کو چھوڑ دو۔ آپ آئے بھی تو اس
بہن کو دلاسا نہ دے سکے۔ جسے مرنے والی بیٹی کہہ کر پکارا کرتی تھیں۔"

یوسف نے کہا: "اجیت، خدا کو یہی منظور تھا۔ تم حوصلہ سے کام لو۔"

"ویر جی، ایک منٹ ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں۔ ماں! ان کو جانے نہ دینا۔ ورنہ
جو بات آپ خود بھول گئی ہیں۔ اس کے لئے مجھے گالیاں سننا پڑیں گی۔"

یوسف نے پریشان ہو کر پوچھا: "چاچی جی، کیا بات ہے؟"

"بیٹا بات یہ ہے، کہ اجیت کے پتا انسپکٹر صاحب کو بہت یاد کرتے تھے۔ جب
انہوں نے یہ سنا کہ تم انسپکٹر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے ساتھ آ رہے ہو۔ تو
بہت خوش ہوئے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ انسپکٹر صاحب کی بیگم کو ہمارے گھر سے خالی ہاتھ
نہیں جانا چاہیئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ یہاں رک گئی ہیں ـــــ لیجئے اجیت
آ گئی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ ہمارا چھوٹا سا تحفہ قبول کر لیں تو ہمیں بڑی خوشی ہو گی۔"

اجیت نے آگے بڑھ کر ایک چھوٹی سی گٹھڑی بلقیس کو پیش کر دی۔ بلقیس نے
عبدالعزیز اور یوسف کی طرف دیکھا تو یوسف بولا: "چچی جان یہ آپ کو لینی پڑے گی۔"

بلقیس نے گٹھڑی پکڑ کر ایک طرف رکھ دی۔ اور پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر اجیت
کے سر پر رکھ دیئے۔ "بیٹی! تم بہت اچھی بچی ہو۔ خدا تمہاری قسمت بھی اچھی کرے۔"

یوسف نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "چاچی جی، اگر میں جلد واپس نہ چلا گیا

تو چاچا جی سے ملنے ضرور آؤں گا۔"

تھوڑی دُور جا کر بلقیس نے گٹھڑی کھول کر دیکھی تو اس میں سُرخ رنگ کے کپڑے کی دو پھلکاریاں تھیں۔ جن پر مختلف رنگوں کے ریشمی دھاگوں سے خوب صورت ڈیزائن اور بیل بوٹے بنائے گئے تھے۔ اس نے کہا: "یوسف اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ دو ہیں۔ تو ان میں سے ایک واپس کر دیتی۔ ان دونوں چادروں پر کئی کئی مہینے کام کیا گیا ہے۔ اور یہ کام اتنا نفیس ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دیہات میں ایسی چیزیں بن سکتی ہیں۔"

"چچی جان! یہ کام ہمارے علاقے میں بہت ہوتا ہے۔ امی مرحومہ کی کاڑھی ہوئی چادریں بہت پسند کی جاتی تھیں۔ شاید ہمارے گھر میں کسی صندوق سے کوئی نکل آئے۔"

بلقیس نے کہا۔ "اپنی ماں کی ہر نشانی تمہیں سنبھال کر رکھنی چاہیئے۔ میں اب یہ سوچ رہی ہوں کہ میں اس لڑکی کو کیا دوں۔"

"چچی جان! وہ لڑکی آپ سے کچھ بھی نہیں لے گی۔"

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہیں میری سفارش کرنی پڑے گی۔"

"چچی جان! اگر آپ ضروری سمجھتی ہیں۔ تو اس کے لئے ہم کل شہر سے گرم کپڑے کا جوڑا اور ایک گرم چادر منگوالیں گے اور جب اس کی شادی ہو گی تو بھی اسے آپ کی طرف سے کوئی تحفہ بھیج دیا جائے گا۔"

چند منٹ بعد وہ گھر میں کھانا کھا رہے تھے۔ عبدالرحیم، عبدالعزیز اور بلقیس کے آنے پر بہت خوش تھے۔ کھانے میں ایک بڑی ڈش بھنے ہوئے بٹیروں سے بھری ہوئی تھی۔ عبدالرحیم کہہ رہا تھا۔ "یہ بٹیرے اس آدمی کا تحفہ ہیں جو دل سے آپ کی عزت کرتا ہے۔ اس نے آپ کی آمد کا سنتے ہی یہ کہا تھا۔ کہ جب تک انسپکٹر صاحب آپ کے مہمان ہیں انہیں دونوں وقت کے کھانوں پر بٹیر ملا کریں گے۔ وہ کہتا تھا کہ اس

سال جتنا بٹیر آیا ہے، پہلے کبھی نہیں آیا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں جی! وہ ریلوے لائن کے پار ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اور جب ہم اس کے گاؤں سے گزر رہے تھے۔ تو اس کی بیٹی نے بلقیس کو ایک ایسا خوب صورت تحفہ دیا تھا کہ یہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھیں۔ یہ ریشم کے رنگا رنگ دھاگوں سے کاڑھی ہوئی چادریں ہیں جنہیں ہم پھلکاری کہتے ہیں۔"

یوسف دن بھر گاؤں کے لوگوں سے ملاقاتوں میں مصروف رہا۔ اور گاؤں کی عورتوں نے بلقیس کو گھیرے میں لئے رکھا۔ کسی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بلقیس کو ذرا دور سے دیکھا جائے تو وہ قدسیہ معلوم ہوتی ہے اور سادہ دل عورتوں کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ بلقیس انہیں قریب سے بھی قدسیہ نظر آنے لگی۔ میاں عبدالرحیم، عبدالعزیز کو مہمان خانے میں لے گئے اور مغرب کی طرف وہ جگہ دکھائی جہاں نیا مکان تعمیر ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا: "عبدالعزیز صاحب میں آپ کو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارا نیا مہمان خانہ ہو گا۔ پہلے مہمان خانے میں فی الحال ایک کمرہ اور تعمیر کرا دیا جائے گا۔ اور یہ میرے بیٹے اور بہو کا گھر ہو گا۔ میں نے آتے ہی یہ کام شروع کروا دیا تھا۔ اور انشاءاللہ دو ماہ تک یہ مکمل ہو جائے گا۔ مغرب کی طرف ہمارے اپنے کھیت ہیں۔ اور یوسف جب چاہے گا۔ وہ نئے مہمان خانے سمیت جتنی زمین کی ضرورت ہو گی۔ اپنے مکان میں شامل کر سکے گا۔ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ خواہ کچھ بنے یا نہ بنے لوگ اسے ملنے ضرور آیا کریں گے۔ اس لئے میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر وہ بڑے سے بڑا مکان بھی بنوانا چاہے تو اسے دقت نہ ہو۔ مغرب کی طرف تین ایکڑ کھیت ہمارے ہیں اور اگر وہ چاہے تو وہاں باغ لگا کر ساری زمین مکان کے احاطے میں لا سکتا ہے۔ بھائی صاحب، میری زندگی کی ایک خواہش ہے جو آپ پوری کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں صبح اٹھ کر جب نماز کے لئے مسجد میں جایا کروں تو وہاں

سے فارغ ہو کر اپنی بہو اور اس کے بچوں کو دیکھا کروں۔ میں نوکری سے ریٹائر ہونے کے بعد یہ محسوس کرتا ہوں کہ ملازمت کے دنوں کی طرح کسی دن زندگی کے یہ دن بھی پورے ہو جائیں گے۔ اگر میں فہمیدہ بیٹی کو نہ دیکھتا تو شاید یہ خواہش اتنی شدت سے پیدا نہ ہوتی۔ کہ اسے اس گھر کی ذمہ داریاں میری زندگی میں ہی سنبھال لینی چاہئیں۔ مسوری سے آتے ہی میں نے یہ پروگرام بنانا شروع کر دیا تھا۔ نصیر صاحب یا صفیہ بہن سے یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا لیکن آپ یوسف کے چچا بن چکے ہیں اور اپنی ماں کے بعد بہن بلقیس کی وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ عزت کرتا ہے۔ میں اپنا یہ مسئلہ آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس نے زندگی میں جو کچھ بننا ہے۔ یہ تو اس کی قسمت کی بات ہو گی۔ لیکن اب میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے۔ کہ میں ان پیارے پیارے بچوں کے ساتھ دل بہلایا کروں۔ جو مجھے فہمیدہ اور یوسف نظر آیا کریں گے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں صاحب یہ تو میری اور مجھ سے کہیں زیادہ بلقیس کی خواہش بھی ہے۔ اور ہم اس کے لئے پوری کوشش کریں گے۔ لیکن ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ابھی سے ہو جانا چاہیئے۔ جب ہم اداس ہو جایا کریں گے۔ تو ہم بن بلائے آپ کے پوتے اور پوتیوں کو دیکھنے آ جایا کریں گے اور ہمارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہو گا۔ جو بن بلائے مہمانوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔"

"بھائی جان آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ کے لئے ساری عمر یہ گھر بلقیس کے بھائی کا گھر ہو گا۔ اور جب آپ نہیں آیا کریں گے تو میں یوسف کو بھیج کر آپ کو بلا لیا کروں گا۔ اور جب فہمیدہ لاہور میں ہوا کرے گی۔ تو میں وقت بے وقت بھی وہاں پہنچ جایا کروں گا۔ پھر میں ان بچوں کو چڑیا گھر کی سیر کرایا کروں گا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں صاحب یہ سب کچھ ہو جائے گا، لیکن اگر یوسف اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے کچھ وقت مانگے تو آپ جلد بازی نہ کریں۔"

"عزیز صاحب! یوسف میرا بیٹا ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ جب وہ گھر بسانے کا فیصلہ کرے گا تو یہ نہیں دیکھے گا کہ اُسے اس دنیا میں کھڑا ہونے کی جگہ ملی ہے یا نہیں۔"

"میاں صاحب، ہم سب اسی طرح کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ ابھی آپ یہ بات بلقیس سے نہ کریں۔ ورنہ اگر اس کے ذہن میں یہ بات آ گئی کہ یہ کام جلد ہو جانا چاہیئے تو وہ مجھے کچھ اور سوچنے بھی نہیں دے گی۔"

"عزیز صاحب، میں اللہ کا شکر کرتا ہوں۔ کہ قدسیہ کی موت کے بعد بلقیس اور آپ کی شفقت اس کے لئے اتنا بڑا سہارا بن گئی ہے۔ جب میں فہمیدہ کے والدین اور آپ کے خاندان کے دوسرے لوگوں کے متعلق سوچتا ہوں تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ قدرت نے ایک زخمی بچے کو ہاتھ سے پکڑ کر اس گھر تک پہنچا دیا تھا۔ جہاں بہت شفقت اور پیار کرنے والے لوگ موجود تھے۔"

"میاں صاحب، وہ بچہ بھی تو ایسا ہے۔ جسے دیکھ کر سب کو پیار آتا ہے۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوا کرتی تھی۔ کہ اس کا باپ اس سے کیسے ناراض ہو گیا تھا۔"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "عزیز صاحب! انسان خطاؤں کا پتلا ہے۔ اگر ہر بات وقت پر سمجھ میں آ جایا کرتی۔ تو زندگی بڑی آرام دہ ہوتی۔ میں کبھی کبھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ یوسف میری الجھنوں کے متعلق جس قدر زیادہ جانتا ہے۔ اُسی قدر مجھے بتانے سے گریز کرتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں جی، ہمیں ایسی باتوں کا کھوج لگانے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ جنہیں سمجھ لینے کے نتائج ہمارے لئے بہتر نہ ہوں اور دنیا میں ہر بات جاننا ضروری بھی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی بات آپ کو بتانا ضروری ہوتی تو یوسف نے بتا دی ہوتی آپ کے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ آپ ماضی کے معمے حل کرنے کی بجائے مستقبل کے سنہری خواب دیکھا کریں۔"

"عزیز صاحب! فہمیدہ کو دیکھنے سے پہلے یہ بات میرے ذہن میں کبھی نہیں آئی تھی کہ ایک باپ کے اپنے بیٹے کے متعلق سنہری خواب بھی ہو سکتے ہیں۔"

اگلے روز علی الصباح یوسف اور اس کے مہمان گھوڑوں پر سوار ہو کر سیر کے لئے نکلے۔ بیلا سنگھ نے عبدالعزیز کی سواری کے لئے اپنی خوب صورت گھوڑی بھیج دی تھی روانہ ہونے سے پہلے بلقیس نے کیمرہ نکال کر عبدالعزیز کو دیتے ہوئے کہا: "جناب آپ مجھ سے اچھے فوٹوگرافر ہیں۔ اور میں چاہتی ہوں۔ کہ یہاں سے پردیسی درختوں کی تصویریں ساتھ لے جاؤں۔"

عبدالعزیز نے کیمرہ پکڑتے ہوئے کہا۔ "تصویروں کے لئے سورج کی مناسب روشنی کا ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔"

بلقیس نے کہا: "جی کوئی بات نہیں۔ ہم اتنی دیر آس پاس گھوم لیں گے۔"

طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر بعد وہ پردیسی درختوں کے گرد چکر لگانے اور تصویریں لینے کے بعد واپس آتے ہوئے عبدالکریم کے نئے گاؤں سے گزر رہے تھے۔ کہ یوسف کو دیکھ کر چند آدمی وہاں جمع ہو گئے۔ ہردیال سنگھ نے جھک کر پہلے عبدالعزیز کو سلام کیا اور دوسرے آدمی سے کہا: "یار تم جلدی سے جاؤ اور قائم دین سے کہو کہ مکان کھول دے مہمان آتے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "بھئی ان کے پاس یہاں ٹھہرنے کا کوئی وقت نہیں۔ حویلی کے اندر قائم دین کے ساتھ اور کون رہتا ہے؟"

"جی! اس کی بیوی، اس کا بیٹا اور وہ پیر جی بھی آئے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ کچھ دنوں سے دو اور آدمی بھی رہتے ہیں۔ جنہیں میں نہیں جانتا۔"

یوسف نے کہا: "چچا جان، آپ موقع ملتے ہی ان کی تصویریں لے لیں۔ یہ بہت

ضروری ہے ـــــ یوسف نے ہردیال سنگھ سے پوچھا۔ "اُس کے پاس کوئی اور بھی ایسے لوگ آیا کرتے ہیں۔ جن کو تم نہیں جانتے؟"

"بہت آتے ہیں، جی!"

"بھئی ایسے لوگوں کا خیال رکھا کرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ کوئی جرائم پیشہ واردات کر جائے۔"

"بہت اچھا جناب! ویسے اس کے پاس جو لوگ آکر بیٹھا کرتے ہیں یا کبھی کبھی رات کو بھی رہتے ہیں۔ وہ اکثر چرس پینے والے ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کالا پیر جسے لوگ کوکے شاہ کہتے ہیں۔ خود بھی چرس پیتا ہے یا نہیں، لیکن اس کی آنکھیں بڑی خوف ناک ہیں۔"

حویلی سے تین آدمی باہر آئے یوسف نے ان کے درمیان ایک لمبے تڑنگے آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا، "کیوں جی! پیر کوکے شاہ آپ ہیں؟"

وہ ذرا جھجک کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا: "جناب! مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ مجھے جانتے ہیں۔ کچھ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یاد نہیں کب ملاقات ہوئی تھی۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "اصل میں ہم قائم دین کے لئے رُکے تھے۔ اور اس کا حال پوچھنا چاہتے تھے۔"

کوکے شاہ بولا: "وہ کہیں باہر گیا ہے۔"

یوسف نے مڑ کر عبدالعزیز کی طرف دیکھتے ہوئے انگریزی زبان میں کہا: "یہ آدمی ایک وسیع علاقے میں زہر کا کاروبار کرتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کوکے شاہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے انگریزی زبان میں کہا: "اس سے یہ بھی بعید نہیں کہ یہ انگریزی سمجھتا ہو۔ میں اس عرصہ میں ان کی تین تصویریں لے چکا ہوں۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ ہوشیار ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے کوکے شاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "پیر جی آپ سے ایک چھوٹا سا کام تھا

جب قائم دین آئے گا۔ تو میں کسی کو آپ کے پاس بھیج دوں گا۔"

"جناب چھوٹا بڑا کام قائم دین کو بیچ میں لائے بغیر بھی ہو سکتا ہے، فرمایئے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں"۔

یوسف نے گھوڑی سے کود کر کوکے شاہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "پیر جی ایک خدمت تو آپ ابھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے مہمانوں کو دیہاتی عجائبات کی تصویریں لینے کا بہت شوق ہے۔ آپ ایک قدم آگے ہو جائیں اور اپنے ساتھیوں کے بازو پکڑ کر کھڑے رہیں اور جب وہ ریڈی کہیں تو آنکھیں کھول دیں۔ جب وہ شکریہ کہیں تو آپ آنکھ جھپک سکتے ہیں"۔

کوکے شاہ نے کہا۔ "یہ معزز لوگ ہم غریبوں کی تصویریں لے کر کیا کریں گے"۔

"سائیں جی! تصویر امیر یا غریب نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی ایک غریب آدمی کی تصویر دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی بادشاہ ہے۔ اور آپ تو جی ہیں ہی بادشاہ لوگ"۔

عبدالعزیز نے "ریڈی" کہا، تو یوسف جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اور وہ آنکھیں کھول کر کیمرے کی طرف دیکھنے لگے۔ "شکریہ" عبدالعزیز نے کہا، اور پھر ذرا آگے بڑھ کر تینوں کے کلوز اَپ لے لئے۔

یوسف گھوڑے کی باگ موڑنے لگا، تو عالم بی بی کونے کے مکان سے باہر نکلی۔ وہ دُور سے پکار رہی تھی: "بھئی مہمانوں کو روکو۔ قائم دین ابھی آجاتے گا۔ میں آپ کے لیئے ٹھیکیدار صاحب کا مکان کھلوا دیتی ہوں"۔ پھر اس نے قریب آکر کہا۔ "ارے بیٹا یوسف، تم نے مجھے نہیں پہچانا، میں چراغ بی بی کی ماں ہوں"۔

"جی، میں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ لیکن مَیں جلدی میں ہُوں۔ وقت ملے گا۔ تو پھر آجاؤں گا"۔

بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹا یوسف، وہ چڑیل کون تھی؟"

"چچی جان، اس چڑیل کا نام عالم بی بی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اسے ایک بار پہلے بھی دیکھا ہو گا"۔

"بیٹا یہ ان چڑیلوں میں سے ایک ہے۔ جو ہر منٹ کے بعد اپنی شکلیں بدلتی ہیں۔ مَیں اَب امینہ کی اس بات کا مطلب سمجھی ہوں۔ کہ چراغ بی بی کو یوسف صاحب کی سوتیلی ماں بنانے والوں نے اس پر کتنا ظلم کیا ہے"۔

عبدالعزیز نے یوسف کی طرف رخ کیا: "کیا تم نے اس پیر کو پہلی مرتبہ دیکھتے ہی پہچان لیا تھا؟"

"جی ہاں! اُس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کے متعلق کئی لوگوں سے پوچھنے کے بعد میرے ذہن میں اس کی تصویر پہلے سے موجود تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ دو اجنبی آدمیوں کے درمیان وہ جس لیڈرانہ شان سے آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا۔ کہ یہ پیر کوکے شاہ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، مجھے اس سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی"۔

عبدالعزیز نے کہا۔ "میں ان دو لمبے تڑنگے آدمیوں کی طرف دیکھ رہا تھا جو اُس کے ساتھ آ رہے تھے۔ اور پولیس میں میرا تجربہ مجھے یہ بتا رہا تھا کہ وہ چور، ڈاکو اور قاتل بھی ہو سکتے ہیں۔ تمہیں گاؤں کے ذمہ دار لوگوں کو ایسے لوگوں پر نظر رکھنے کے لئے کہہ دینا چاہیئے۔ مجھے ان دو آدمیوں کے متعلق شبہ ہُوا تھا۔ کہ وہ چرس وغیرہ کا نشہ بھی کرتے ہیں۔ میں نے اچانک اِس گاؤں کے آس پاس کسی واردات کا خدشہ محسوس کیا تھا۔ اس جرائم پیشہ فقیر پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے"۔

وہ کماد کے کھیتوں میں سے گزرنے والی پگڈنڈی پر جا رہے تھے۔ کہ اچانک ایک طرف سے سرپٹ گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور جگجیت سنگھ نے جو ٹٹو کی ننگی پیٹھ پر سوار تھا۔ ان کا راستہ روک لیا اور یوسف سے مخاطب ہو کر کہا۔ "صاحب جی! آپ نے مجھے کوئی حکم نہیں دیا؟"

یوسف نے عبدالعزیز سے کہا: "چچا جی یہ وہی لڑکا ہے۔ جس نے جامن کے درخت کے اوپر چھپ کر ارجن سنگھ ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کی باتیں سنی تھیں"۔

عبدالعزیز نے پوچھا "کیوں بھئی، پڑھنا شروع کیا ہے تم نے یا نہیں؟"

"جی میں باقاعدہ سکول جاتا ہوں"۔

یوسف نے پوچھا "جگجیت، تم اس پیر کو جانتے ہو۔ جو قائم دین کے پاس رہتا ہے"

"جی ہاں، اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور میں ان دو آدمیوں کو بھی جانتا ہوں جن سے شراب کی بُو آتی ہے۔ پیر جی کو میں نے ایک دن پنڈت دینا ناتھ کی بیٹھک سے نکلتے دیکھا تھا اور تین آدمی اس کے ساتھ تھے دو تو یہ تھے جو آج آپ نے دیکھے ہیں۔ تیسرا سکھ تھا جس نے منہ پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ ایک دن میں نے سردار بیلا سنگھ کے گاؤں کے آدمی بھگوان سنگھ اور اس کے بھائی لشمن سنگھ کو پیر کے ایک ساتھی کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ جس کی ایک آنکھ ذرا بھینگی ہے"۔

یوسف نے کہا "میں بھی حیران تھا کہ تم اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔ بہت اچھا ہوا کہ تم ملاقات کے لئے یہاں پہنچ گئے۔ اب تم واپس جاؤ۔ اور اس پیر کے ساتھیوں کے متعلق جو کچھ سنو اور جو کچھ دیکھو مجھے بتاتے رہو۔ کوئی خاص بات ہو۔ تو خود میرے پاس آنے کی بجائے اپنے باپ کو بھیج دیا کرنا"۔

وہ اپنے گاؤں کے قریب امرود کے باغ میں پہنچے تو انہیں قائم دین آتا ہوا دکھائی دیا یوسف نے اسے دیکھتے ہی عبدالعزیز کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "چچا جان، جب میں اس سے بات کروں تو آپ بے پرواہی سے آگے نکل جائیے گا۔ وہ عام لباس میں آپ کو پہچان نہیں سکے گا اور چچی جان کے ساتھ ہوتے ہوئے تو اس کا دماغ اس طرف جا ہی نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے گاؤں میں وہ میری آمد کی اطلاع ملنے کی وجہ سے ہی گیا ہو گا"۔

عبدالعزیز نے کہا "دیکھو بیٹا، تم جس آدمی کے کسی بڑے جرم کے گواہ ہو۔ اس کے متعلق تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیئے"۔

"چچا جان، آپ میری فکر نہ کریں"۔

جب وہ قائم دین کے قریب پہنچے تو اس نے اپنا گھوڑا روک لیا اور عبدالعزیز اور بلقیس نے اپنے گھوڑے ذرا تیز کر دیئے۔ قائم دین پریشانی کے عالم میں کبھی سامنے اور کبھی پیچھے دیکھ رہا تھا۔ یوسف نے "السلام علیکم" کہہ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور بولا: "میں آپ کا حال پوچھنے گیا تھا"۔

قائم دین بولا "جی میں آپ کا پتہ کرنے گیا تھا۔ مجھے کل شام کو کسی نے بتایا تھا کہ آپ آئے ہوئے ہیں —— آپ ہمارے گھر گئے تھے؟"

"جی ہاں، ہم نے آپ کے مشہور پیر کو کے شاہ اور اس کے ساتھ دو خوفناک آدمیوں کو بھی دیکھا تھا —— کہاں سے آتے ہیں وہ لوگ؟"

"جی، پیر جی کے پاس حاجت مند لوگ بڑی دور دور سے آتے ہیں"۔

"بھئی میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تم اپنے پیر جی سے لوگوں کی حاجت پوری کرواتے کرواتے کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔ آج کل زمانہ بہت خطرناک ہے"۔

"آپ عالم بی بی سے نہیں ملے"۔

"وہ بھی باہر نکلی تھیں اور ہمیں روکنے کی کوشش کی تھی، لیکن مہمانوں کو جلدی تھی اس لئے ہم رُک نہ سکے"۔

قائم دین نے کہا۔ "اگر آپ اس سے پوچھ لیتے تو وہ آپ کی تسلی کر دیتی کہ حویلی میں صرف ایسے آدمی کو ٹھہرنے کی اجازت ملتی ہے۔ جن کے متعلق عالم بی بی کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اچھے لوگ ہیں —— آپ کے مہمان کون ہیں؟"

"یہ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ اور ایک بہت بااثر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

میں گھر آرہا تھا۔ تو سیر کے بہانے یہ بھی میرے ساتھ تیار ہو گئے۔ بیگم صاحبہ کو پردیسی درخت دیکھنے کا شوق تھا۔"

قائم دین نے کہا۔ "جی، دولت مندوں کے شوق بھی نرالے ہوتے ہیں۔ ہم پردیسی درختوں سے اتنا قریب رہتے ہیں، لیکن عالم بی بی نے کبھی مجھے نہیں کہا کہ میں پردیسی درختوں کو قریب جاکر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ چاہے تو صبح شام وہاں جاسکتی ہے۔ چراغ بی بی ایک مرتبہ میرے ساتھ وہاں سے گزری تھی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اُس نے بھی ان درختوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا ہوگا۔"

یوسف نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ جو چیز گھر میں ہوتی ہے۔ اس کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ جس قسم کے آدمی آج ہم نے دیکھے ہیں۔ ویسے اور کتنے تمہارے پیر کے پاس آیا کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اگر کوئی چوری، ڈاکے یا قتل کی واردات میں پھنس گیا۔ تو تم اسے کیسے چھڑاؤ گے؟ اور تمہارے پیر صاحب کا کیا حال ہوگا؟"

"دیکھو یوسف، درویش لوگوں کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ لیکن آج سے میں اس بات کا خیال ضرور رکھوں گا۔ کہ ہماری حویلی کے اندر پیر صاحب کے جو مرید ٹھہریں ان کے متعلق ہمیں پورا یقین ہو کہ وہ خطرناک نہیں ہیں۔"

"اچھا اب میں جاتا ہوں۔ میرے ساتھی گاؤں پہنچ کر پریشان ہوں گے۔"

یوسف گھوڑا بھگاتا ہوا گاؤں پہنچا تو عبدالعزیز اور بلقیس گھوڑوں سے اتر کر اس کا انتظار کر رہے تھے۔

پیراں دتہ چوکیدار نے یوسف کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "صاحب جی، سردار بیلا سنگھ آپ کے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد بٹیروں کا ایک ٹوکرا پہنچا گیا تھا اور یہ کہہ گیا تھا کہ جب انسپکٹر صاحب کی واپسی ہو تو وہ صرف دو دن پہلے مجھے بتا دیں، تاکہ میں ایک بڑا ٹوکرہ ان کی کار پر لدوانے کا انتظام کر چھوڑوں۔ بہادر سنگھ بھی

آیا تھا۔ اور وہ یہ کہہ کر واپس چلا گیا تھا۔ کہ میں دو بجے کے بعد پھر آؤں گا۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ انسپکٹر صاحب بھی آپ کے ساتھ آئے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا۔ کہ پرسوں آپ کو اور آپ کے مہمانوں کو میرے گھر جانا پڑے گا۔ چونکہ اس کی بہن کی شادی ہے۔"

"اچھا، اس کے آتے ہی مجھے اطلاع دینا۔"

دوپہر کے کھانے پر بٹیروں کا سالن تھا اور پلاؤ میں بھی بٹیر تھے۔ عبدالعزیز نے کہا۔ "کیوں یوسف، اب سردار بیلا سنگھ سے معذرت نہ کر لی جائے۔ مجھے یہ کچھ زیادتی سی محسوس ہوتی ہے۔"

"چچا جان، معذرت تو میں کر لوں گا۔ لیکن ایک زیادتی آپ کو برداشت کرنی پڑے گی اس نے بٹیروں کا ایک ٹوکرا آپ کی موٹر پر لدوا کر لاہور بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس معاملے میں میں ان کی دل شکنی نہیں کر سکوں گا۔ ایک اور بات جو مجھے یہاں پہنچنے پر معلوم ہوئی ہے کہ، بہادر سنگھ یہاں سے ہو کر گیا ہے۔ وہ دوبارہ آئے گا۔ اور آپ کے سامنے مسئلہ پیش کرے گا، کہ پرسوں اس کی بہن کی شادی ہے۔ جس پر آپ کو اس کے گھر جانا پڑے گا خواہ آپ ایک گھنٹہ کے لئے ہی جائیں۔ وہ اور اس کے رشتہ دار بہت ضد کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ بہادر سنگھ کو دیکھ کر آپ اس کی دل شکنی نہیں کر سکیں گے ان کے گاؤں کا راستہ بہت اچھا ہے۔ آپ یہاں سے نہر تک پہنچیں گے اور نہر کی پٹڑی پر چار، پانچ میل کا سفر طے کرنے کے بعد ان کے گاؤں پہنچ جائیں گے۔ اگر آپا جی بھی آپ کا ساتھ دے سکیں، تو ان کو بڑی خوشی ہوگی۔"

غلام نبی کی بیوی نے کہا۔ "یوسف، تمہارے چچا سے تو وہ بیس دن پہلے ہی وعدہ لے گیا تھا۔ کہ ہم دونوں وہاں آئیں گے۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "بھئی تمہیں ضرور جانا چاہیئے۔ عبدالعزیز صاحب کی بیگم صاحبہ

کے ساتھ ہمارے گھر سے کسی عورت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یوسف کی دادی سفر کے قابل ہوتیں تو میں ان سے بھی کہتا۔"

چراغ بی بی کا خیال تھا کہ اس معاملے میں اسے بھی کوئی اہمیت دی جائے گی۔ لیکن جب عبدالرحیم نے بھی اس کے متعلق کچھ نہ کہا تو اسے بڑی شدت سے محسوس ہوا۔ کہ وہ ابھی تک اس خاندان میں ایک اجنبی ہے۔ اور اسے عالم بی بی کی نصیحتیں یاد آنے لگیں۔ عبدالرحیم اور عبدالعزیز کھانا کھانے کے بعد نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے۔ عبدالرحیم نماز پڑھنے کے بعد گھر چلا گیا۔ یوسف اور عبدالعزیز مہمان خانے میں بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد بہادر سنگھ اپنی سائیکل پکڑے اندر داخل ہوا اور اسے ایک درخت کے ساتھ کھڑا کر کے برآمدے کی طرف بڑھا۔ یوسف کمرے سے باہر نکلا اور بہادر سنگھ اس کے ساتھ بغلگیر ہو گیا۔ پھر اس نے عبدالعزیز کو سیلوٹ کرنے کے بعد کہا: "چاچا جی! آپ کے آنے کی بہت خوشی ہوئی۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا تھا۔ کہ آپ یوسف کے ساتھ آ رہے ہیں۔ تو میری حالت یہ تھی کہ اگر پوری تنخواہ میری جیب میں ہوتی تو میں خبر دینے والے کو انعام دیتا لیکن اس وقت میری جیب میں صرف ایک روپیہ تھا۔"

یوسف نے کہا۔ "اور وہ تم نے پیراں دتہ کو دے دیا ہوگا۔"

"جی، پیراں دتہ نے آپ کو بتا دیا ہوگا کہ میری خوشی کی خاص وجہ کیا تھی۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بھئی ہمیں تمہاری بہن کی شادی کی اطلاع مل گئی ہے اور پرسوں ہم ضرور آئیں گے۔ لیکن زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"چاچا جی، مجھے معلوم ہے کہ آپ کا وقت کتنا قیمتی ہے۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ آپ کا وقت بچانے کے لئے بارات کو ذرا جلد رخصت کر دیا جائے۔"

"نہیں بھئی، اتنی جلدی بھی نہیں ہوگی ہمیں۔ ہم یوسف کے دوست کی خوشی میں پورا

حصہ لینے کی کوشش کریں گے۔ بہرحال ہمیں شام سے پہلے پہلے واپس آ جانا چاہیئے۔"

"جناب، یہ تو آپ کی بہت زیادہ عنایت ہوگی۔ ہمیں اطمینان سے باتیں کرنے کا وقت بھی مل جائے گا۔ کیونکہ بارات تین بجے تک واپس جا چکی ہوگی۔ ہم یہ سمجھیں گے کہ میری بہن بہت خوش قسمت ہے۔ جس کی شادی پر ایسے دیوتا لوگ آئے۔"

یوسف نے کہا۔ "اچھا بہادر سنگھ یہ بتاؤ۔ کہ ہم وہاں پہنچ کر تمہارے متعلق بھی کوئی خوشی کی خبر سنیں گے یا نہیں۔"

"یار، بھگوان کے لئے چاچا جی کے سامنے تو ایسی باتیں نہ کرو۔"

"تو اس کا مطلب ہے۔ کہ وہ خبر صحیح ہے۔"

"یار مجھے کچھ معلوم نہیں" بہادر سنگھ یہ کہہ کر چل پڑا۔

یوسف نے دروازے تک اس کا پیچھا کرتے ہوئے کہا۔ "بہادر سنگھ، میری طرف منہ کرو۔"

بہادر سنگھ نے مڑ کر یوسف کی طرف دیکھا۔ اور اپنا اوپر کا ہونٹ ہاتھ سے دبا کر دانتوں سے نیچے کر لیا۔

"یار، تمہیں واقعی کچھ معلوم نہیں؟"

بہادر سنگھ کی کوشش کے باوجود اس کے بالائی دانت باہر نکل آئے۔ یوسف نے کہا: "یار تم مجھے مسکراتے ہوئے بڑے اچھے لگتے ہو۔ مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ کہ جب راستے میں سردار بیلا سنگھ ملے تھے۔ تو میں نے ان سے پوچھ نہ لیا۔ ورنہ میں تمہارے قہقہے سنتا۔"

"بھائی صاحب، اگر یہ بات ہے تو آپ کو کچھ نہ کچھ معلوم ہوگا اور اگر آپ نہیں پوچھیں گے تو اور کون پوچھے گا۔"

یوسف نے کہا: "بہادر سنگھ، میں صرف اس لئے نہیں پوچھوں گا کہ تم میرے دوست ہو۔ بلکہ اس لئے بھی پوچھوں گا۔ کہ اجیت کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔"

"یار اس کا مطلب ہے کہ میری طرح وہ بھی بہت خوش قسمت ہے۔"

"اچھا ہم پرسوں گیارہ بجے کے بعد کسی وقت پہنچ جائیں گے اور ہمارے لئے وہاں کسی تردد کی ضرورت نہیں۔"

آم کے باغ میں بارات کھاٹوں اور دریوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف کوئی بیس کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ جن پر دولھا اور اس کے خاندان کے چند معززین بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ پولیس کے چند افسر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ نہر کی پٹڑی سے ایک کار نمودار ہوئی اور تین چار کھیت جن میں راستہ بنا دیا گیا تھا عبور کرنے کے بعد پہلے بہادر سنگھ کی حویلی کے سامنے رُکی۔ وہاں گاؤں کی عورتیں کھڑی تھیں اور انہوں نے بلقیس اور یوسف کی چچی کو کار سے اترتے ہی اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔ یوسف کی چچی نے کہا: "بھئی ایک چیز موٹر میں رہ گئی ہے۔ وہ مجھے نکال لینے دو۔"

یوسف نے ڈگی کھولی اور ایک گٹھڑی نکال کر چچی کو تھماتے ہوئے کہا "چچی جان، انہیں یہ کہہ دیں۔ کہ ایک جوڑا ہماری طرف سے ہے۔ اور دوسرا جوڑا جو زیادہ قیمتی ہے۔ وہ انسپکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ لائی ہیں۔"

یوسف، عبدالعزیز اور اس کا چچا غلام نبی باغ میں پہنچے تو حاضرین نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ بہادر سنگھ نے دولہا کے ساتھ بیٹھتے ہوئے سفید ریش سکھ سے عبدالعزیز کا تعارف کرواتے ہوئے کہا: "جناب یہ ہمارے انسپکٹر عبدالعزیز صاحب ہیں — اور انسپکٹر صاحب، یہ سردار جگت سنگھ جی ہیں — دولہا کے والد۔"

عبدالعزیز نے جگت سنگھ سے مصافحہ کیا۔ اور اس کے بعد باری باری چند

اور لوگوں سے مصافحہ کرنے کے بعد دوسری صف میں کچھ دیر سردار بیلا سنگھ سے باتیں کرتے رہے، بہادر سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا، "چاچا جی، وہ آپ تینوں کو آگے بلا رہے ہیں۔ آپ دولہا کے بائیں ہاتھ خالی کرسیوں پر آجائیں۔"

سردار جگت سنگھ چند ثانیے غور سے یوسف کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے اٹھ کر یوسف کے دونوں بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "کاکا جی! آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟"

یوسف نے اس سے بغلگیر ہو کر کہا۔ "سردار جی، میں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

بہادر سنگھ نے پوچھا "سردار جی، آپ یوسف صاحب کو جانتے ہیں؟"

"بیٹا، میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کی وجہ سے میں مرتے مرتے بچا تھا ہم ایک لمبے سفر میں اکٹھے تھے۔ اور میرا تجربہ یہ ہے۔ کہ ہم سفر کی سینکڑوں باتیں بھول سکتے ہیں۔ لیکن ایک بہادر ساتھی کو کبھی نہیں بھول سکتے — بیٹا، سناؤ، اُس ننھی شہزادی اور اس کی نانی جی کا کیا حال ہے؟"

"سردار جی، وہ بہت خوش ہیں اور آپ کو نہیں بھولیں۔"

جگت سنگھ، عبدالعزیز سے مخاطب ہوا "انسپکٹر صاحب! یہ وہ شیر ہے۔ جس کے ساتھ ہم نے ایک خوف ناک طوفان میں دریائے سندھ عبور کیا تھا۔ جب بھی میں بیس میل چوڑے علاقے میں کشتی پر سفر کے لئے سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گرمی سے ہمارا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اور بدتمیز ملاح سواریوں کو چھپر کے اندر گھس کر بیٹھنے پر مجبور کر رہے تھے۔ پھر ایک ملاح سے کوئی گستاخی ہو گئی اور اِس شیر نے اس کو ایک تھپڑ مار کے کشتی سے نیچے پھینک دیا۔"

عبدالعزیز مسکرایا۔ "سردار جی، جس شہزادی کے متعلق آپ پوچھ رہے تھے۔ وہ میری بھتیجی ہے اور جس کے ساتھ ملاح گستاخی سے پیش آیا تھا وہ اس کی نانی تھی، لیکن جب آپ بہادر سنگھ

سے یہ سنیں گے کہ اس شیر نے یہاں پہنچ کر کیا کیا تھا، تو آپ بہت خوش ہوں گے۔"

"جی میں بہت کچھ سُن چکا ہوں اور آپ حیران ہوں گے کہ جب یوسف نے یہ کہا تھا کہ ہمارا گاؤں فلاں ریلوے سٹیشن کے قریب ہے تو میں نے فوراً یہ کہہ دیا تھا کہ تم عبدالرحیم کے بیٹے ہو۔"

یوسف نے کہا۔"سردار جی، یہ دولہا بھائی وہی تو نہیں جو آپ کو کشتی پر چھوڑنے آئے تھے؟"

"نہیں بیٹا! یہ اس کا چھوٹا بھائی بچن سنگھ ہے اور میرے پاس دریا کے کنارے رہتا ہے۔ بھگت سنگھ نے بھی دو ماہ کی چھٹی لی ہے۔ اور وہ واپس جانے تک گاؤں میں ہی رہے گا۔ ہمارا گاؤں یہاں سے زیادہ دور نہیں اور تمہارے گھر میں تو ہمیشہ اچھے گھوڑے ہوتے ہیں۔ کسی دن تم سیر کے بہانے آ جانا ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔"

"سردار جی، آپ بھی آئیں ناں! کبھی ہمارے گاؤں میں۔"

"بیٹا، شاید میں بھی کسی دن آ جاؤں۔ لیکن اب ذرا بوڑھا ہوں ناں۔ اس لئے چلنے پھرنے سے گھبراتا ہوں۔ اپنے پتاجی کو میرا سلام کہنا۔ میں جب کبھی اس طرف اپنے رشتہ داروں کے پاس آتا تھا تو تمہارے دادا چودھری نور محمد کو سلام کرنے ضرور جایا کرتا تھا —— کیسے کیسے لوگ چلے گئے اس دنیا سے۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ بہادر سنگھ اور اس کے باپ کو یہ سمجھ آ گئی ہے کہ اس علاقے میں دوستی کے قابل کون ہے۔"

بہادر سنگھ بولا۔"اس خاندان کے ساتھ سردار بیلا سنگھ کی بھی بڑی دوستی ہے۔"

"بیٹا مجھے معلوم ہے۔ تمہارے باپو سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے۔ تو وہ سب سے زیادہ سردار بیلا سنگھ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ سردار بیلا سنگھ جی! اگر کسی دن شکار کے بہانے ہمارے گاؤں کی طرف آ جاؤ تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔ بھگت سنگھ بیٹا! بہادر سنگھ تو ضرور آیا کرے گا، لیکن تمہیں اس کے دوست سے بھی یہ وعدہ لینا چاہیئے۔ کہ وہ اگر ہمارے پیار کی خاطر نہیں تو اپنی بہن سے ملنے کے لئے کبھی وہاں آ جایا کرے۔"

بہادر سنگھ نے کہا،"جی جب یوسف صاحب کو یہ خط ملے گا کہ ایک بہن اس کے لئے اداس ہے۔ تو یہ ضرور آئیں گے۔"

جب بارات کھانے کے لئے اٹھنے لگی۔ تو بہادر سنگھ نے آ کر یوسف سے کہا:

"جناب آپ کے کھانے کا انتظام ایک مسلمان میراں بخش کے ہاں کروا رکھا ہے۔ اس لئے آپ یہیں تشریف رکھیں۔ ان کے گھر کے آدمی کھانا لے کر یہیں پہنچ جائیں گے"

یوسف نے فوراً کہا:"بہادر سنگھ ہم نے یہاں پہنچتے ہی تمہیں بتا دیا تھا۔ کہ ہم کھانا کھا کر گھر سے نکلے ہیں۔ یہ موٹی سی بات تمہارے دماغ میں کیوں نہیں آئی۔"

"بھائی صاحب، دماغ میں تو یہ بات آ گئی تھی۔ میں نے باپو کو بھی بتا دیا تھا، لیکن بات یہ ہوئی ہے کہ ہم نے مسلمان مہمانوں کے کھانے کا انتظام گاؤں کے ایک بڑے مسلمان زمیندار چودھری میراں بخش کے ہاں کروا رکھا ہے۔ اب خیال تھا کہ آپ دو لقمے کھا لیتے تو ہماری عزت رہ جاتی۔ ورنہ چائے یا دودھ کے ساتھ کچھ مٹھائی آپ کو ضرور کھانی پڑے گی۔"

عبدالعزیز نے کہا،"بھئی ہم نے چائے یا دودھ سے کب انکار کیا ہے۔ لیکن چائے کی بجائے ٹھنڈا دودھ بہتر رہے گا۔ مٹھائی کی ضرورت تو نہیں، لیکن شاید کوئی کھا لے۔"

"پھر آپ یہیں تشریف رکھیں۔ اور ٹھنڈا دودھ جی بھر کر پئیں۔ اس کے کچھ دیر بعد آپ کے لئے چائے آ جائے گی۔"

یوسف نے کہا۔"بھئی چائے ہم گھر جا کر پئیں گے۔ تم یہاں دودھ پہنچانے کا کام کسی کے سپرد کر دو اور مہمانوں کا خیال رکھو۔"

ساڑھے تین بجے بارات رخصت ہو چکی تھی اور یوسف، اس کا چچا غلام نبی، گاؤں کے معززین کے ساتھ باغ میں بیٹھ گئے۔ یوسف بہادر کو اٹھا کر ایک طرف لے گیا۔ اور اس کے کان میں کہنے لگا۔"بہادر سنگھ، ابھی تک تمہارے باپ اور بیلا سنگھ

کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے کہ نہیں؟"

بہادر سنگھ نے کہا: "یار مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میری قسمت کچھ اچھی نہیں۔"

"بھئی وہ کیسے؟"

"یار وہ یہاں آئی ہوئی ہے۔"

"کون ــــ؟"

"جی وہی۔ اُجیت کور۔ ہم نے ان سب کو بلایا تھا۔ سردار بیلا سنگھ اور اجیت کور صبح صبح پہنچ گئے تھے، لیکن ماں کسی وجہ سے نہیں آسکی۔ انہوں نے بہن کے لئے تحفے بھیج دیئے تھے۔"

"بھئی میں یہ پوچھتا ہوں کہ اس میں بدقسمتی کی بات کیا ہے؟"

"بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اجیت کور کی یہاں موجودگی میں منگنی کی بات تو نہیں ہوسکتی۔"

"ارے کیوں نہیں ہوسکتی۔ اس سے بہتر موقع اور کون سا ہوسکتا ہے۔"

"یار تم کو معلوم نہیں۔ سردار بیلا سنگھ سے بات کرتے ہوئے سب ڈرتے ہیں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ جو اس سے بات کرے گا وہ اس کا شکرگزار ہوگا۔ اب وہ خود تو یہ نہیں کہے گا۔ کہ مجھے اجیت کے لئے بہادر سنگھ پسند آگیا ہے۔"

بہادر سنگھ نے کہا۔ "یوسف جی! آپ کی بات اور ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں، لیکن اور کوئی کہنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

"دیکھو بہادر سنگھ! میں پہلے تمہارے باپ سے یہ بات کروں گا۔"

"یوسف جی! ابھی بات کرلیں۔ میں ابھی جاکر ان کے کان میں کہتا ہوں کہ آپ ان سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"

ایک منٹ بعد بہادر سنگھ کا باپ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا یوسف کے قریب

پہنچا۔ یوسف نے اسے بات کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا:

"سردار جی، جب کوئی کام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ تو آپ لوگ سوچ میں پڑجاتے ہیں۔ سردار بیلا سنگھ کو لڑکی کے رشتے کے متعلق کہنے کا اس سے بہتر موقع کیا تھا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ آپ سوچ میں پڑے رہے؟"

"یار، میں اس لئے سوچ میں پڑا رہا کہ میری طرح وہ بھی تو ایک اکھڑ آدمی ہے نا؟"

"یوسف بولا۔ "چاچا جی۔ وہ دل کا بڑا صاف ہے۔ آئیے، میرے ساتھ آئیے، ابھی بات ہوجاتی ہے۔" یوسف نے یہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا۔ سردار بیلا سنگھ کے قریب لے گیا۔ اور پھر اسے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا "چچا بیلا سنگھ! سردار صاحب آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"

بیلا سنگھ جلدی سے اٹھ کر ان کے قریب پہنچا اور یوسف نے ذرا ایک طرف ہٹ کر کہا۔ "سردار جی، آپ کو معلوم ہے۔ کہ بہادر سنگھ میرا دوست ہے اور اجیت کور کو میں اپنی بہنوں کی طرح سمجھتا ہوں۔ آپ کے درمیان ایک ضروری بات جو آپ کی اولاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے نہیں ہوسکی کہ دونوں کو خوف ہے کہ اگر میں نے پہل کردی۔ تو شاید دوسرا میرا سر پھوڑنے پر آمادہ ہوجائے۔ میں بیچ میں آگیا ہوں اور آپ دونوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دو منٹ کے لئے اطمینان سے بات کرلیں تاکہ میں معزز مہمانوں سے یہ کہوں کہ وہ جانے سے پہلے بہادر سنگھ اور اجیت کے والدین کو ان کے نئے رشتے کی مبارکباد دیں۔ بس میرا کام اتنا تھا۔ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے۔ تو آپ دونوں سے معافی مانگتا ہوں۔ اور اگر میں نے غلطی نہیں کی، تو آپ ان سب کے سامنے ایک دوسرے کے گلے لگ جائیں۔"

بیلا سنگھ نے بہادر سنگھ کے باپ کی طرف دیکھا، مسکرایا اور پھر ہنستا ہوا اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ اور بولا۔ "سردار جی، میں تو لڑکی والا ہوں، لیکن آپ کے لئے تو بات کرنا

کوئی مشکل نہ تھا۔"

"بھائی صاحب، میں جس قدر آپ سے پیار کرتا تھا، اسی قدر ڈرتا بھی تھا۔ اب ہم کوئی اور بات کرنے کی بجائے یہ کیوں نہ مان لیں کہ عبدالرحیم کا بیٹا ہم سے زیادہ سمجھدار ہے ہم بہت جلد تمہارے گھر آئیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جی۔ اگر یہ کام پرسوں ہو جائے تو میرے لئے خوشی کی بات یہ ہوگی کہ میرے مہمان بھی منگنی کی رسم میں حصہ لے سکیں گے۔"

بہادر سنگھ کے باپ نے کہا۔ "بیٹا ٹھیک ہے۔ انسپکٹر صاحب کی وجہ سے ہم پولیس کے بعض اور افسروں کو بھی بُلا سکیں گے۔"

بیلا سنگھ نے کہا۔ "یوسف بیٹا، تمہارے لئے اجیت کور کو اپنی چچی اور انسپکٹر صاحب کی بیگم کے ساتھ کار پر بٹھا کر اس کے گھر تک پہنچا دینا مشکل تو نہیں ہوگا۔ وہ جس گھوڑی پر آئی تھی۔ اس پر تمہارا چچا چلا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے جی۔ ہم بہن اجیت کور کو گھر پہنچا دیں گے۔"

یوسف نے ہاتھ کے اشارے سے بہادر سنگھ کو بلایا اور کہا۔ "یار بھاگ کر جاؤ اور کسی لڑکی سے کہو کہ وہ انسپکٹر صاحب کی بیگم اور میری چچی سے کہے کہ موٹر جانے کے لئے تیار ہے اور سردار بیلا سنگھ نے کہا ہے کہ اجیت کور بھی گھوڑے کی بجائے ہمارے ساتھ موٹر پر جائے گی۔"

بہادر سنگھ خوشی اور حیرت کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ کبھی یوسف اور کبھی بیلا سنگھ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بیلا سنگھ نے کہا۔ "جاؤ بیٹا، دیر نہ کرو۔"

بیلا سنگھ کے منہ سے 'بیٹا' کا لفظ سن کر بہادر سنگھ یہ محسوس کر رہا تھا۔ کہ اس کی زندگی میں کوئی بہت بڑا انقلاب آچکا ہے۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتا ہُوا گھر کے صحن میں داخل ہُوا اور سامنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھی ہوئی خواتین میں سے ایک

معمّر عورت کو دیکھ کر بولا، "ماسی جی! ذرا میری بات سنیئے۔"

معمر عورت اٹھ کر آگے بڑھی تو اس نے کہا "ماسی جی، آپ انسپکٹر صاحب کی بیگم یا یوسف کی چچی میں سے کسی ایک کو بُلا لائیں۔"

"بیٹا ابھی بلاتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف کی چچی دروازے کے قریب پہنچی، بہادر سنگھ نے سر جھکاتے ہوئے کہا، "چاچی جی، انسپکٹر صاحب تیار ہیں۔ آپ جلدی آئیں اور سردار بیلا سنگھ کی بیٹی کو بھی ساتھ لیتی آئیں۔ کیونکہ وہ گاؤں تک آپ کے ساتھ جائے گی۔ اور چاچا غلام نبی موٹر کی بجائے گھوڑے پر جائیں گے، لیکن چاچی جی آپ جلدی کریں۔ وہ کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد خواتین موٹر پر سوار ہو رہی تھیں۔ بیلا سنگھ کہہ رہا تھا۔ "اجیت بیٹی! میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ اپنی ماں سے کہنا کہ جو کام انہوں نے کہا تھا وہ ہو گیا ہے۔"

جب موٹر چل پڑی تو یوسف نے مڑ کر دیکھے بغیر کام کی نوعیت سمجھاتے ہوئے بلقیس سے انگریزی میں کہا۔ "آپ میرا نام لئے بغیر اس نوجوان لڑکی کو مبارک باد دے سکتی ہیں۔ کہ اس کی منگنی کی بات پکی ہو گئی ہے اور یہ لوگ پرسوں وہاں آئیں گے۔" بلقیس اجیت کور کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔ "بیٹی تمہیں معلوم ہے تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو کیا کام کہا تھا؟"

"جی، یہ میں آپ کو ماں سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ شاید انہوں نے یہ کہا ہو گا کہ شہر سے کوئی چیز لیتے آئیں۔"

یوسف بولا۔ "اجیت کو اگر کوئی بات معلوم ہوتی تو یہ یہاں نہ آتی۔ آپ اسے اپنی بیٹی سمجھیں اور اس سے کھل کر بات کریں۔"

اجیت بولی۔ "بھابی جی اگر کوئی اچھی بات ہے تو آپ کیوں نہیں بتا دیتے۔"

یوسف نے کہا۔"بھئی بات تو کوئی بُری نہیں، لیکن بھائی ہر بات بتا بھی تو نہیں سکتے ناں"۔

"اجیت کور کا چہرہ اچانک حیا سے سرخ ہوگیا۔ اور اس نے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے کہا۔"میں کچھ نہیں پوچھتی کسی سے"۔

بلقیس بولی۔"ارے! بیٹی کوئی اچھی بات ہو۔ تو کم از کم میں تمہیں مبارک باد تو دے سکتی ہوں"۔

"چاچی جی، جب آپ بات کرتی ہیں۔ تو آپ کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ تو میں کیسے آپ کو منع کر سکتی ہوں۔ آپ جو کہیں گی اس سے مجھے خوشی ہوگی"۔

بلقیس نے کہا۔"بیٹا شہر میں پہنچ کر موٹر کپڑے کی کسی اچھی دکان پر روک لینا"۔

یوسف نے کچھ دیر بعد ایک دکان پر پہنچ کر موٹر روکی۔ اور وہ اتر پڑے۔ بلقیس نے کہا۔"بیٹی! میں یہاں سے کچھ کپڑے لینا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں۔ کہ ان کے رنگ تم پسند کرو"۔

"چاچی جی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میری پسند کی کوئی چیز آپ کو پسند آجائے"۔

"ارے بیٹی، تم عام لڑکی نہیں ہو۔ جو چادریں تم نے دی تھیں۔ انہیں میں بار بار کھول کر دیکھا کرتی ہوں۔ اور بیل بوٹوں کے لئے جو رنگ تم نے پسند کئے ہیں مجھے انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا تھا"۔

یوسف نے دکان دار سے جو انہیں دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ کہا"سیٹھ صاحب! بیگم صاحبہ ہماری مہمان ہیں انہیں ایسے کپڑے نکال کر دکھاؤ۔ جو لاہور میں جا کر بھی یہ کسی کو فخر سے دکھا سکیں"۔

بلقیس نے کہا۔"ہمیں دو جوڑے ریشمی اور ایک گرم چاہیئے اور جو تمہارے پاس بہترین کپڑا ہو وہی نکال کے دکھاؤ۔ اس کے ساتھ دو پٹے اور ایک گرم چادر بھی دے

دیجئے ___ یوسف! یہاں کوئی جوتوں کی اچھی دکان ہے؟"

دکاندار بولا:"جناب یہاں سے تھوڑی دور آگے آپ کو جوتوں کی دکان مل جائیگی"۔

تھوڑی دیر بعد وہ کپڑوں کی گٹھڑی کار پر رکھوا کر جوتوں کی دکان پر پہنچ چکے تھے بلقیس نے کہا۔"بیٹی اجیت! تم اٹھو اور یہاں سے اچھا جوتا پہن کر دیکھو۔ آؤ میں تمہارے لئے خود پسند کرتی ہوں"۔

وہ دکان پر گئیں اور دس منٹ بعد اجیت کور جو ہاتھ میں ایک سنہری جوتی تھامے ہوئے تھی۔ واپس آکر کار میں بیٹھ گئی اور کہنے لگی"چاچی جی، میرا پاؤں ذرا بڑا ہے۔ آپ پہن کر دیکھ لیں۔ یہ جوتا کہیں آپ کو کھلا نہ ہو"۔

بلقیس بولی"بیٹی اگر تم نے پہن کر دیکھ لیا ہے۔ تو ٹھیک ہے۔ ہم نے جو کچھ یہاں سے لیا ہے۔ وہ سب تمہارے لئے ہے۔ صرف ایک جوڑا تمہاری ماں کے لئے ہے"۔

"چاچی جی، میرے لئے اتنی چیزیں؟"

"بیٹی، وہ کام کی چیز تو ہمیں ملی نہیں۔ لیکن ہمیں جانے کی جلدی ہے نا۔ اس لئے جو کچھ یہاں سے ملا ہے وہ لے لیا ہے"۔

اجیت نے کچھ سوچ کر ذرا بلند آواز میں کہا۔"بھائی جی، اگر آپ کو معلوم تھا۔ کہ مہمان یہ سب کچھ میرے لئے لے رہے ہیں۔ تو مجھے سب کچھ پہلے بتا دینا چاہیئے تھا"۔

یوسف کچھ دیر خاموش رہا اور جب گاڑی ریلوے لائن عبور کر کے کچے راستے پر مڑی۔ تو وہ بولا۔"اجیت چڑیل کیا شور مچا رکھا ہے تم نے۔ یہ مہمان میرے چچا اور چچی ہیں اگر تمہاری منگنی کے دن میری ماں زندہ ہوتی اور وہ تمہارے لئے تحفے لاتی تو کیا تم انکار کر دیتیں"۔

"ویر جی، وہ اگر میری جھولی مٹی سے بھی بھر دیتیں تو بھی میں یہی سمجھتی کہ یہ سونا ہے"۔

"اچھا تو پھر خاموش رہو اور یہ سمجھو کہ ایسے تمام معاملات میں چچی بلقیس میری ماں کی

جگہ ہیں۔"

اجیت کور نے کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائی اور چوم کر اپنی آنکھوں سے لگالی۔ پھر اس نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "چاچی جی! پتہ نہیں کیوں آپ کو پہلی بار دیکھ کر ہی مجھے یہ محسوس ہوا تھا کہ بھائی یوسف کی ماں پھر اس دنیا میں آگئی ہیں۔"

"بیٹی حوصلہ سے کام لو۔ اب میں تمہیں ہنستے ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ پرسوں ہم نے تمہاری منگنی کی رسم میں حصہ لینے کے لئے آنا ہے۔"

"اتنی جلدی چچی جان؟"

"ہاں بیٹی ہم زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے ناں۔ اس لئے تمہارے بھائی نے یہ سوچا ہے کہ ہماری موجودگی میں ہی یہ نیک کام ہو جاتے۔"

اجیت کور نے جھک کر اپنا سر بلقیس کی گود میں رکھ دیا۔ اور وہ پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

رات کھانے کے بعد عبدالرحیم، ان کے بھائی، چچا اور مہمان باتیں کر رہے تھے۔ کہ عبدالرحیم نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا: "بیٹا! غلام نبی کا پتہ کرو۔ وہ گھر آکر سو تو نہیں گیا۔"

"ابا جان، اگر چچا جی آگئے ہوتے تو سیدھے یہاں آتے۔ بہر صورت میں جاکر پتہ کرتا ہوں۔"

یوسف اٹھ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا: "ابا جی! وہ ابھی تک نہیں آئے شاید راستے میں کہیں رک گئے ہوں۔ میں نے باہر کہہ دیا ہے کہ جب وہ آئیں۔ تو انہیں سیدھا یہاں بھیج دیں۔"

عبدالرحیم کے ایک عمر رسیدہ چچا نثار محمد نے کہا۔ "بھئی عبدالرحیم، تم اپنے بھائی کو ابھی تک بچہ ہی سمجھتے ہو۔"

"چاچا جی! چھوٹا بھائی بچہ ہی تو ہونا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بھئی، اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ اتنے پریشان ہوں گے تو ہم انہیں موٹر پر ہی بٹھا لاتے۔"

باہر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور یوسف نے کہا۔ "ابا جان، وہ آرہے ہیں۔"

پانچ منٹ بعد غلام نبی ان کے سامنے کھڑا عبدالرحیم کو بتا رہا تھا:

"بھائی جان، مجھے واپسی پر بہلا سنگھ کے ساتھ کچھ دیر شہر میں رکنا پڑا۔ وہاں اس نے حلوائی کو مٹھائی تیار کرنے کے لئے کہنا تھا۔"

"مٹھائی اس نے شام کے وقت کیوں تیار کر ڈالی تھی؟"

"جی، یہ مٹھائی اس نے پرسوں لڑکی کی منگنی کے لئے تیار کرنے کے لئے کہا تھا۔ کل وہ خود آپ کو دعوت دینے کیلئے آئے گا۔ اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ اپنے بھائی جان کو پرسوں کہیں اور نہ جانے دینا۔ انسپکٹر صاحب اور بیگم صاحبہ کو تو اس نے خود کہہ دیا تھا۔ اور وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ وہ اس کے گھر تحفے بھی چھوڑ آئے ہیں۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "یوسف بیٹا، تمہیں ہماری طرف سے کوئی اچھا تحفہ خریدنے کے لئے شہر جانا پڑے گا۔"

"بہت اچھا، ابا جی، اگر ہمارے شہر سے کوئی کام کی چیز نہ ملی تو میں چچی جان کے ساتھ بٹالہ سے ہو آؤں گا۔"

بیلا سنگھ کی موت

رات کے گیارہ بجے بیلا سنگھ کے گاؤں کی طرف سے لوگوں کی چیخ پکار کے ساتھ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ کبھی کبھی اس شور میں عورتوں کی آہ و بکا کے ساتھ شراب سے بدمست آدمیوں کی بڑکیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ چوکیدار نے آواز دی۔ "لوگو! جاگو! بیلا سنگھ کے گاؤں میں ڈاکو گھس گئے ہیں۔" یوسف اپنا گھوڑا لے کر گلی سے باہر نکلا۔ تو گاؤں کے چند آدمی وہاں کھڑے تھے۔ اس نے ٹارچ کی روشنی ان پر ڈالتے ہوئے کہا: "اپنی بندوقیں اٹھالو۔ جن کے پاس بندوقیں نہیں ہیں وہ دوسرے ہتھیار اٹھالیں۔ اور اندھیرے میں تمہاری ٹارچیں بھی کام آئیں گی۔ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر سردار بیلا سنگھ کے گھر کی طرف سے اُن کے گاؤں میں داخل ہونا چاہیئے۔ کسی کو راستے میں دیکھو تو اسے للکارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارا پہلا فرض یہ ہے۔ کہ ٹارچ کی روشنی ڈال کر اسے پہچان لیا جائے۔ اگر کسی کے چہرے پر نقاب ہو۔ تو تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ اسے گھیر کر پکڑ لیا جائے یا ایسی ضرب لگائی جائے کہ وہ بھاگ نہ سکے ——— بھلو، تم سیدھا تھانے کا رخ کرو۔ وہاں چھوٹے بڑے افسروں کو معلوم ہے کہ انسپکٹر عبدالعزیز صاحب ہمارے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہیں تھانے دار کے کانوں تک یہ بات پہنچانے میں دقت پیش نہیں آئے گی۔ کہ بیلا سنگھ کے گاؤں میں بڑے پیمانے پر کوئی واردات ہو رہی ہے۔"

یوسف کے پیچھے بارہ آدمی چل دیئے۔ وہ جھیل سے کچھ فاصلے پر گھنے درختوں کے

جھنڈ کے قریب پہنچے تو یوسف نے کہا۔ "یہاں سے گھوڑا آگے نہیں جا سکتا۔ اس لئے میں ان درختوں سے باہر باہر آگے چلوں گا۔ تم درختوں میں چھپتے ہوئے آگے بڑھو۔"

اچانک ایک درخت کی اوٹ سے ٹارچ کی روشنی دکھائی دی اور ساتھ ہی ایک دردناک آواز سنائی دی۔

"ویر جی! میں اجیت کور ہوں۔ آگے جا کر آپ ہمارے گھر میں لاشوں کے سوا کچھ نہیں دیکھیں گے۔ باپو نے لیٹے لیٹے مجھے آواز دی تھی 'بیٹی، مجھے بہت پیاس لگی ہے۔ ایک بالٹی اپنے کنوئیں کا تازہ پانی لے آؤ'، میں باہر کی حویلی میں کنوئیں کی منڈیر پر کھڑی پانی نکال رہی تھی۔ کہ میں نے انہیں اس چھت سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا، جو بھگوان سنگھ کے مکان کی چھت سے ملتی ہے۔ پھر میں نے یہ دیکھا کہ چند آدمی دیوار پھاند کر اندر کود رہے ہیں۔ باہر کی حویلی میں بڈھا سنگھ اور گنگا سنگھ سو رہے تھے۔ میں نے پہلے باہر کی حویلی اور گھر کے درمیان دروازے کو کنڈی لگائی۔ اور پھر بڈھا سنگھ اور گنگا سنگھ کو جگا دیا۔ گنگا سنگھ بولا، تم نے جن لوگوں کو پچھلے مکان کی چھت سے ہماری چھت پر اترتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ بھگوان سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ اگر باہر سے بھی کچھ آدمی دیوار پھاند کر مکان کے صحن میں داخل ہو چکے ہیں۔ تو میں اپنے تمام کتے کھول دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کتنا ظلم ہے۔ کہ یہاں جو کتے ہوتے تھے۔ وہ بھی سردار جی نے باہر کی حویلی میں بھجوا دیئے ہیں۔" میں چاہتی تھی کہ دہائی دے کر باپو کو خبردار کر دوں، لیکن مجھے اندر سے ماتا جی کی چیخ سنائی دی اور ساتھ ہی مجھے یہ محسوس ہوا کہ باپو کو انہوں نے مار ڈالا ہے۔ وہ چیخیں مارتے ہوئے اس کی لاش پر لاٹھیاں برسا رہے تھے۔ بڈھا سنگھ ڈیوڑھی کی چھت پر چڑھ کر دہائی دینے لگا۔ تو گنگا سنگھ نے مجھے پکڑ کر باہر نکالتے ہوئے کہا۔ "اجیت، تم اب حویلی سے باہر پرالی کے ڈھیر کے نیچے چھپ کر اپنی جان بچا سکتی ہو۔ میں کتے کھولنے اور اپنے باقی آدمیوں کو جگانے جا رہا ہوں۔"

میں پرالی کے ڈھیر میں چھپ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بھونکتے ہوئے کُتے مکان کے گرد آ پہنچے۔ وہ چند آدمی چھت پر چڑھ کر بڈھا سنگھ کی لاش پر لاٹھیاں برسا رہے تھے اور شراب کے نشے میں بھگوان سنگھ کی چیخیں سب سے بلند تھیں۔ وہ چلّا رہا تھا، بیلا سنگھ کی لڑکی کو تلاش کرو۔ اسے زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ لیکن آن کی آن میں کتے حملہ کر چکے تھے۔ اور ہمارا گھر تباہ کرنے والے چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ گاؤں کے کچھ لوگ گھروں سے باہر نکلے تو بھگوان سنگھ کا چھوٹا بھائی کہر سنگھ ابھی تک میرے باپو کی لاش پر لاٹھیاں برسا رہا تھا۔ دو کتے اندر داخل ہوئے اور انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ گرا اور اُس کے ساتھ ہی ایک کتے نے اس کا گلا دبوچ لیا۔ گاؤں کے آدمیوں نے جن میں سے چھ، سات عیسائی تھے، کسی نے اسے چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ ہمارے چار کتے پرالی کے اس ڈھیر کے پاس آکر بھونک رہے تھے۔ جہاں مَیں چھپی ہوئی تھی۔ بھگوان سنگھ اپنے ساتھیوں کو گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ "بدمعاشو! ادھر آکر دیکھو یہاں کوئی چھپا ہوا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر پرالی کے ڈھیر پر ایک جگہ برچھی کی نوک ماری اور کتے بیک وقت اس پر ٹوٹ پڑے۔ بھگوان سنگھ چیختا ہوا بھاگا۔ اور اس نے جھیل میں چھلانگ لگادی۔ کتوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، لیکن زیادہ گہرے پانی میں پہنچ کر وہ واپس آ گئے۔ اور بھگوان سنگھ تیرتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف غائب ہو گیا —— ویرجی میں نے سب کچھ دیکھا ہے اور اس کے باوجود میں زندہ ہوں۔ شاید اس لئے زندہ ہوں۔ کہ یتیم بہن کے سر پر ہاتھ رکھنے والا بھائی موجود ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ میں آپ کے پاس جا رہی ہوں تو یہ عیسائی میرے ساتھ چل پڑے۔"

ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "میاں جی! سردار بیلا سنگھ کے ہم پر بڑے احسان ہیں۔ وہ غریب لوگوں کے باپ تھے۔"

یوسف نے پوچھا۔ "جو لوگ باہر سے آئے تھے۔ تم میں سے کوئی انہیں پہچانتا ہے؟"

"جی نہیں۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سردار بیلا سنگھ کا بھی کوئی دشمن ہو سکتا ہے بھگوان سنگھ کے ساتھ ان کی نہیں بنتی تھی۔ اس لئے نہیں بنتی تھی کہ سردار بیلا سنگھ کی زمین اس گاؤں میں سب سے زیادہ تھی اور بھگوان سنگھ بڑی مدت سے یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ بڑی قیمت دے کر بھی اس سے زمین نہیں خرید سکتا۔ بھگوان سنگھ کو زیادہ آگ اس دن لگی تھی جب بیلا سنگھ نے اپنے دادا کے پرانے نوکر کو اپنا ایک کھیت مفت دے دیا تھا۔ اس دشمنی میں سیٹھ دینا ناتھ کا بھی ہاتھ تھا۔ کہر سنگھ مرتے مرتے بچا ہے۔ شاید اسے یہ سمجھ آگئی ہو کہ برائی کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ جب یہ دونوں بھائی پکڑے جائیں گے تو ان کے ساتھیوں کا بھی پتہ چل جائے گا۔"

یوسف نے اجیت کور کے سر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میری بہن! کسی انسان کے پاس تمہارے زخموں کا علاج نہیں۔ ہم صرف یہ دعا مانگ سکتے ہیں کہ خدا تمہیں یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دے۔ مَیں تمہیں یہ اطمینان بھی دلا سکتا ہوں کہ تمہارے والدین کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی کہ ان ظالموں کے لئے خدا کی زمین تنگ ہو چکی ہے۔ اب تم اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور سیدھی ہمارے گھر جاؤ۔ دو آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے۔ مجھے یہاں پولیس کے انتظار کے علاوہ ایک اور کام بھی کرنا ہے۔ گھر آ کر اگر میں یہ سنوں کہ میری بہن بہادر ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

اجیت کور سسکیاں لیتی ہوئی گھوڑے پر سوار ہو گئی اور دو آدمی اس کے ساتھ چل پڑے۔ چند قدم چلنے کے بعد اجیت کور نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ویرجی! ہماری دونوں گھوڑیاں گھر میں موجود ہیں۔ آپ کو ضرورت پڑے تو آپ ان سے کام لے سکتے ہیں۔ آپ کا یہ گھوڑا بھی جلدی واپس آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اجیت تم جاؤ۔"

پھر وہ پیراں دتہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ "پیراں دتہ! تم اس گاؤں کے آدمیوں

کے ساتھ جاؤ اور سردار بیلا سنگھ کی حویلی سے چھوٹی گھوڑی لے کر فوراً میاں عبدالکریم کے
گاؤں پہنچو اور وہاں ہردیال سنگھ کے بیٹے جگجیت سنگھ کو اپنے پیچھے بٹھا کر یہاں لے آؤ۔
تم نے سیدھا ہردیال سنگھ کے گھر جانا ہے اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ تم کس کام
سے آئے ہو۔ ہردیال سنگھ کو یہ تاکید کرنا کہ پیرکو کے شاہ اور اس کے دو مریدوں کا خیال
رکھے اور یہ بھی بتائے کہ گذشتہ آٹھ پہر میں وہ کتنا عرصہ حویلی کے اندر اور کتنا عرصہ حویلی کے
باہر رہے ہیں۔ اگر ہردیال سنگھ حویلی میں ہو، تو اس کے گھر جا کر اسے وہاں بلا لینا۔
گنگا سنگھ کہاں ہے؟"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔"جی! میں یہیں پر ہوں۔"

یوسف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"پولیس تھوڑی دیر تک پہنچ
جائے گی، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے بھگوان سنگھ اور اس کے ساتھی پکڑ لئے
جائیں۔ تم کتے لے کر نکل پڑو۔ میرے تمام آدمی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ یہاں سے لوگ
تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہیں۔ ان کو بھی بلا لو۔ وہ قاتل جو شراب سے مدہوش تھے۔
زیادہ دور نہیں بھاگ سکیں گے۔"

"جناب، وہ جھیل کے پار کسی کھیت میں پڑا ہوا ہو گا اور کتے اسے بہت جلد تلاش
کر لیں گے۔ کتوں نے دوسرے آدمیوں کا بھی پیچھا کیا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کے کپڑے
کا کوئی ٹکڑا مل گیا۔ تو اسے تلاش کرنا بھی مشکل نہیں ہو گا۔"

"یہ مجھے معلوم تھا۔ کہ بیلا سنگھ کے ساتھ بھگوان سنگھ کی نہیں بنتی، لیکن یہ تو کوئی سوچ بھی
نہیں سکتا تھا۔ کہ بھگوان سنگھ اس قدر درندہ بن جائے گا۔ اجیت کور کہتی تھی۔ کہ انہوں نے
گھر سے کوئی چیز بھی نہیں اٹھائی۔"

گنگا سنگھ نے جواب دیا۔"جی، یہ تو ظاہر ہے کہ بھگوان سنگھ اور اس کا بھائی قتل کے ارادے
سے آئے تھے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کے ساتھ چور بھی تھے۔ جب ہم اندر گئے تھے

تو بی بی اجیت کور اپنی ماں اور باپ کا خون دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ جس کتے نے
کرم سنگھ کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ اسے میں نے بڑی مشکل سے پیچھے ہٹایا تھا۔ ٹارچ کی روشنی
میں میں صرف اتنا دیکھ سکا تھا کہ کسی نے قیمتی سامان والے بڑے صندوق کا تالا توڑنے کی
کوشش کی تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ اجیت کور کی ماں کی ڈنڈیاں اور کڑے غائب تھے،
لیکن ہم جلدی باہر نکل آئے تھے۔ اس لئے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

یوسف نے کہا۔"میرا خیال ہے کہ تم لوگ یوں ہی ادھر ادھر بھاگنے کی بجائے سونگھنے
والے کتوں کے پیچھے پیچھے چلو۔ تو چوروں کا سراغ مل جائے گا۔ لیکن پہلی بات یہ ہے۔ کہ
آس پاس کے کھیتوں میں بھگوان سنگھ کو اچھی طرح تلاش کر لینا۔ تم میں سے جو سردار بیلا سنگھ
کے اجڑے ہوئے گھر پر پہرہ دینا چاہتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ آ جائیں۔"

نصف گھنٹے بعد کار کا ہارن سنائی دیا اور یوسف باہر نکل آیا۔ انسپکٹر عبدالعزیز کار
چلا رہے تھے اور یوسف کے گھر کے پانچ آدمی بندوقوں سے مسلح ان کے ساتھ تھے
یوسف نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور کہا:

"چچا جی، میں نے گاؤں سے نکلتے ہی بھلو کو تھانے کی طرف بھگا دیا تھا۔ اور اسے
یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ وہ آپ کا ذکر کر دے۔ عام حالات میں پولیس کو اب تک آ جانا
چاہیئے تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"بیٹا عام حالات میں پولیس وقت پر نہیں آیا کرتی۔ اگر تمہیں
یہاں کوئی خاص کام نہیں تو پولیس اسٹیشن تک میرے ساتھ چلو۔"

"چچا جان مجھے امید ہے کہ ہم پولیس کی آمد تک قاتلوں کے سرغنہ کو پکڑ لیں گے اور شاید
تھوڑی دیر تک ہمیں ان کے چند اور بیرونی مددگاروں کا بھی پتہ لگ جائے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"ہم نے اس لڑکی سے بڑی دردناک باتیں سنی ہیں۔ اور میرا خیال ہے
کہ تھانے دار سے ملنے کے بعد میں پولیس کے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر سے بھی ہو آؤں گا پیرزندہ

ہمارے پیچھے تمہارا گھوڑا واپس لا رہا ہے۔ لیکن تمہیں روشنی سے پہلے ادھر ادھر نہیں جانا چاہیئے۔ میں تمہارے آدمیوں کو یہاں چھوڑ جاتا ہوں۔"

یوسف نے بلند آواز میں کہا۔ "پیراں دتہ! تم میری گھوڑی لے کر تھانے پہنچ جاؤ۔ میں انسپکٹر صاحب کے ساتھ آ رہا ہوں۔"

"بیٹا، وہ کس لیئے؟"

"چچا جان، وہ اس لئے کہ میں اس وقت آپ کا وہاں تنہا جانا پسند نہیں کرتا۔ میں موٹر چلاتا ہوں۔ آپ اپنا ریوالور سنبھال کر بیٹھ جائیں۔"

ایک منٹ بعد کار خاصی رفتار سے شہر کا رخ کر رہی تھی یوسف کہہ رہا تھا "چچا جان یہ کیس جس قدر دردناک ہے۔ اسی قدر اس کی تحقیقات دلچسپ ہوگی۔"

عبدالعزیز نے پوچھا "بیٹا تمہارے ذہن میں کوئی بات آئی ہے؟"

"جی ہاں، چند باتیں میرے ذہن میں آ رہی ہیں۔ صبح تک میں آپ کو بتا سکوں گا۔ کہ میرے بعض خدشات کس حد تک درست اور کس حد تک غلط تھے۔"

عبدالعزیز نے کچھ سوچ کر کہا۔ "بیٹا میرا خیال ہے کہ مجھے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر نہیں جانا پڑے گا۔ میں تھانے کے ٹیلی فون سے ہی کسی ذمہ دار افسر سے بات کر لوں گا اور پھر تمہارے ساتھ ہی واپس آ جاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جی، تھانے پہنچ کر ہم نے ایک اہم کام کرنا ہے۔ بہادر سنگھ اور اس کے رشتہ داروں کو اس واقعہ کی اطلاع دینا ضروری ہے کہ اجیت کور ہمارے گھر میں محفوظ ہے۔ لیکن بیلا سنگھ کا گھر غیر آباد نہیں رہنا چاہیئے۔ تھانے دار سے کہہ کر آپ بہادر سنگھ کے پاس کوئی آدمی بھجوا دیں۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "مجھے ایک بات کا خدشہ ہے کہ یہ ہندو تھانے دار بنسی داس نیا آیا ہے۔ اور اگر دینا ناتھ کی قماش کے لوگ اس قتل میں ملوث ثابت ہوئے تو وہ انصاف

کے تقاضے پورے نہیں کر سکے گا۔ اس علاقے میں متعصب ہندوؤں کے دباؤ کے باوجود ثابت قدم رہنے کے لئے بڑے اچھے کردار کی ضرورت ہے ——— میں تھانے جا کر پتہ کروں گا۔ ممکن ہے کہ کسی جان پہچان والے ڈی ایس پی یا ایس پی سے میری بات ہو جائے۔ تمہیں مطمئن رہنا چاہیئے۔ یہ نیا تھانیدار شکل سے کسی اچھے گھر کا معلوم ہوتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی امید ہے۔ کہ وہ اتنا ضرور جانتا ہوگا۔ کہ اگر اس نے کوئی زیادتی کی۔ تو اس کے اثرات تھانے کی حدود تک نہیں رہیں گے۔"

جب ان کی کار تھانے کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔ تو پریم سنگھ اور چند سپاہی وردیاں پہنے اور رائفلیں اٹھائے گھوڑوں کے قریب کھڑے تھے۔ انسپکٹر عبدالعزیز کار سے اترے، تو پریم سنگھ نے آگے بڑھ کر سیلوٹ کیا۔

انسپکٹر نے کہا۔ "بھئی آپ نے بہت دیر لگائی۔ فون پر ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر میں کسی بڑے افسر کو بیلا سنگھ کے قتل کی اطلاع دی گئی ہے؟"

پریم سنگھ نے جواب دیا "جی ہم تو بھلّر کے یہاں پہنچتے ہی تیار ہو گئے تھے۔ اب تھانے دار صاحب کا انتظار ہے۔ وہ آ کر پہلے انسپکٹر یا ڈی ایس پی صاحب کو فون کریں گے اور پھر اُن کی ہدایت کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔"

"ڈی ایس پی کون ہے؟"

"جی وہ سردار بچن سنگھ ہے۔ اور آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "وہ ایک اچھا افسر ہے۔ اور میرے ساتھ کام کر چکا ہے۔"

پریم سنگھ نے کہا۔ "مہاراج، میں تھانے دار صاحب کو یہ بتا دوں کہ آپ تشریف لائے ہیں؟"

عبدالعزیز نے کہا: "تم دو کام کرو۔ ایک تو یہ کہ بہادر سنگھ کے گاؤں میں کسی سائیکل سوار کو بھیج دو۔ جو اسے یا اس کے باپ کو یہ خبر پہنچا دے کہ بیلا سنگھ قتل ہو گیا ہے اور

میری اور یوسف کی رائے یہ ہے کہ وہ سیدھا وہاں جانے کی بجائے پہلے ہمارے گاؤں آئے۔ ہم نے بیلا سنگھ کی لڑکی کو خطرے سے بچانے کے لئے وہاں پہنچا دیا ہے۔ اور اگر تھانے دار صاحب بہت گہری نیند نہ سوتے ہوں تو انہیں میرے متعلق اطلاع پہنچا دیں۔"

پریم سنگھ نے کہا۔ "مہاراج یہاں دو آدمیوں کے پاس سائیکل ہے۔ میں ان دونوں کو وہاں بھیج دیتا ہوں۔"

"بھئی ایک کی بجائے دو کا جانا بہتر ہوگا آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ وہ سردار صاحب کی بیوی اور نوکر بڈھا سنگھ کے قتل کا بھی بتا دیں۔ تاکہ انہیں یہ احساس ہو جائے کہ سردار بیلا سنگھ کے گھر کو دوبارہ آباد کرنے کے لئے یہاں ان کے کئی رشتہ داروں کو جمع ہونا پڑے گا۔"

تھانے دار انسپکٹر عبدالعزیز کی آمد کی اطلاع ملتے ہی آ گیا اور اس نے کہا۔ "جناب آپ نے بڑی تکلیف کی۔ ارادہ میرا بھی یہی تھا کہ میں یہاں سے بیلا سنگھ کے گاؤں جانے کی بجائے پہلے آپ کو سلام کروں گا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بھئی ارادہ تو میرا یہ تھا کہ سیدھا ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر جاؤں۔ لیکن پھر سوچا کہ یہیں سے ہیڈ کوارٹر فون کر لیتا ہوں۔ شاید کوئی افسر میرا واقف نکل آئے۔"

بنسی داس نے کہا۔ "جناب جب آپ کا آدمی آیا تھا۔ اور مجھے یہ اطلاع ملی تھی۔ کہ آپ بیلا سنگھ کے گاؤں کے پاس ہی دوسرے گاؤں میں ٹھہرے ہوتے ہیں۔ تو میں نے اسی وقت ڈی ایس پی بچن سنگھ صاحب سے فون پر بات کی تھی۔ اور جب آپ کا ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ جو وہاں تم سے پہلے جاتے وہ انہیں میرا سلام کہے۔ میں صبح ایس پی صاحب سے ملنے کے بعد سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔ اور تمہیں تھانے میں میرا انتظار کرنا چاہیئے۔ اے ایس آئی پریم سنگھ صبح ہوتے ہی جائے واردات پر پہنچ جائے گا۔ اور اگر آپ ضروری سمجھیں تو اسے اس وقت بھی بھیجا جا سکتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بھئی وہ چند کانسٹیبل لے کر تھوڑی دیر تک پہنچ جائے تو اچھا ہوگا۔ کیونکہ لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجنا ضروری ہے۔ آپ کو اس مقصد کے لئے ایک ٹرک کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔ ٹرک بیلا سنگھ کے گھر تک جا سکتا ہے۔ یہاں لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ جو قاتل شراب کے نشے میں مدہوش ہیں۔ انہیں گاؤں کے لوگ صبح تک پکڑ لیں گے۔ یوسف صاحب چند مشکوک آدمیوں کی دیکھ بھال کے لئے فوراً جانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اجازت دیجئے۔"

یوسف نے پیراں دتہ کو آواز دی اور وہ گھوڑی کی لگام پکڑ کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ یوسف نے کہا۔ "پیراں دتہ! تم گھوڑی کو سیدھا گاؤں لے جاؤ اور پھر اپنے گھر جا کر آرام کرو۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔"

نصف گھنٹہ بعد جب انسپکٹر عبدالعزیز اور یوسف کار پر بیلا سنگھ کے مکان کے پاس پہنچے تو وہاں عورتوں اور مردوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ اور اس ہجوم کے درمیان خالی جگہ پر بھگوان سنگھ اور اس کا ماموں زاد ہردیپ سنگھ جس کا گھر وہاں سے تین میل دور تھا لیٹے ہوئے تھے اور کتے ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔

کار کی روشنی میں لوگ اِدھر اُدھر ہٹ گئے اور گنگا سنگھ نے آگے بڑھ کر اطلاع دی کہ آپ کے جاتے ہی کتوں نے انہیں یہاں سے تھوڑی دور کماد کے کھیت میں تلاش کر لیا تھا۔ یہ دونوں شراب سے مدہوش ہیں۔ کہر سنگھ اسی جگہ اندر پڑا ہوا ہے۔ شہر کے راستے پر کھائی کے کنارے ایک آدمی کا ایک جوتا ملا ہے۔ اُمید ہے کہ صبح ہوتے ہی ہم اسے بھی تلاش کر لیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "اگر تم اسے تلاش نہ کر سکے تو ان آدمیوں میں سے جس کو پہلے ہوش آئے گا پولیس اس سے اُگلوا لے گی۔ کہ وہ جوتا چھوڑ کر بھاگنے والا کون ہے۔ اب میں گاؤں جا رہا ہوں۔ تمہیں بہت چوکس رہنا چاہیئے۔ اور مجرموں کی تلاش جاری رکھنی چاہیئے

ہیں گاؤں سے کچھ اور آدمی یہاں بھیج دوں گا۔"

اگلی صبح قتل ہونے والوں کی لاشیں ایک ٹرک پر ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر روانہ کی جا چکی تھیں۔ بیلا سنگھ کے مکان سے باہر شیشم کے درختوں کی چھاؤں میں علاقے کے سرکردہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ شیشم کے یہ درخت بیلا سنگھ کے گھر کی شمالی سمت سے لے کر جھیل کے جنوب مشرق کے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہیں گھنی چھاؤں میں پولیس نے ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ یوسف، اس کے والد، غلام نبی اور خاندان کے چند اور آدمی ——— بہادر سنگھ، اس کا والد اور ان کے چند رشتہ دار نمودار ہوئے۔ عبدالعزیز ان کے پیچھے پیچھے ہردیال سنگھ اور جگجیت سنگھ سے باتیں کرتا آرہا تھا۔ اے ایس آئی نے بہادر سنگھ سے بغلگیر ہو کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بُری طرح سسکیاں لے رہا تھا۔ جب عبدالعزیز قریب پہنچا تو پریم سنگھ اور سپاہیوں نے اسے سیلوٹ کیا۔ اور اسے کشادہ چارپائی پر بٹھا دیا۔ عبدالعزیز نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا:

"بیٹا، اس پیر کوکے شاہ کے متعلق تمہاری ہر بات درست ثابت ہوئی ہے۔ جگجیت نے مجھے بتایا ہے کہ وہ تینوں کل صبح اُٹھتے ہی حویلی سے باہر نکل گئے تھے۔ جگجیت نے دینا ناتھ کے گھر تک ان کا پیچھا کیا تھا۔ کوئی نصف گھنٹہ وہ دینا ناتھ کی حویلی میں رہے تھے۔ حویلی سے نکل کر کوکے شاہ گاؤں کی گلیوں میں سے جنوب کی طرف نکل گیا تھا۔ دوسرے دو آدمی کچھ دیر کرپا رام حلوائی کی دکان پر بیٹھے رہے۔ وہاں سے انہوں نے مٹھائی بھی خریدی تھی۔ اور پھر اٹھ کر شہر کی طرف چل پڑے تھے۔ چونکہ جگجیت کے خیال کے مطابق اس کا علاقہ یہاں سے ختم ہو جاتا تھا۔ اس لئے وہ واپس مڑا اور پردیسی درختوں کے قریب ایک جوہڑ میں گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے میں مشغول ہو گیا۔ ایک گھنٹہ بعد اس نے دیکھا کہ کوکے شاہ کے دونوں چیلے جنہیں اس وقت تک شہر میں ہونا

چاہیئے تھا۔ پردیسی درختوں کی طرف جانے والے راستے پر کھڑے سائیں کوکے شاہ سے باتیں کر رہے تھے۔ اس لئے وہ قریب سے ان کی باتیں سننے کے لئے جوہڑ سے نکلا اور کھیتوں کے اوپر سے ہوتا ہوا اس جگہ کے قریب پہنچا۔ جہاں اس نے انہیں باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن وہ وہاں سے ذرا دور ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں سے وہ کسی جگہ چھپ کر ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ وہ اب آہستہ آہستہ بیلا سنگھ کے گاؤں کی طرف جا رہے تھے اور جگجیت یہ بھی کہتا ہے کہ تین اور آدمی جو ان کے ساتھ مل گئے تھے ان میں سے ایک بھگوان سنگھ تھا۔ جسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں ——— یوسف میں سوچتا ہوں کہ تم کل اگر اپنے گاؤں میں ہوتے تو شاید اتنا بڑا حادثہ پیش نہ آتا۔ اس لڑکے کی بھاگ دوڑ سے تم بہت سارے نتائج اخذ کر لیتے۔ ہردیال سنگھ بھی اس کی اکثر باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ایک ہی بات رہ گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک پولیس کانسٹیبل کو بھیج کر قائم دین کو یہاں بلوا لیا جائے۔ وہ یہاں کا ماحول دیکھتے ہی بہت سی باتیں اُگلنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

دو منٹ بعد پولیس کا ایک کانسٹیبل یوسف کے گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ عبدالکریم کے گاؤں کی طرف بھاگ رہا تھا اور یوسف عبدالعزیز سے کہہ رہا تھا "چچا جان مجھے پرسوں جگجیت سنگھ کی باتیں سن کر یہ احساس ہوا تھا۔ کہ دینا ناتھ پھر کسی اہم واردات کا مرکزی کردار بننے والا ہے۔"

عبدالعزیز نے پریم سنگھ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "بھئی ڈی۔ ایس۔ پی بچن سنگھ کب آئیں گے؟"

"جناب، وہ آ ہی رہے ہوں گے۔ ابھی دس منٹ پہلے تھانے سے یہ اطلاع آئی تھی کہ وہ پہنچ گئے ہیں۔ اور چند منٹ کے اندر اندر چل پڑیں گے۔"

سردار بچن سنگھ تھانے دار کی راہنمائی میں موٹر سائیکل سے اترتے ہی سیدھا عبدالعزیز

کی طرف بڑھا اور اس سے بغلگیر ہو گیا اور بولا: "جناب یہ بھگوان کی خاص کرپا ہے کہ جب بھی اس تھانے کو کوئی الجھن پیش آئی ہے تو آپ اور مسٹر یوسف موجود ہوتے ہیں۔"

"بھئی یوسف کا تو گاؤں یہاں ہے۔ میں اتفاق سے یہاں آگیا تھا۔ اور بہادر سنگھ کی بہن کی شادی کی وجہ سے یہاں رُکنا پڑا۔ اب یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ کل کا دن ہم نے ہنسی خوشی گزارا۔ رات بھی ہم یوسف کے گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کہ اچانک ایسا محسوس ہوا کہ بیلا سنگھ کے گاؤں میں طوفان آگیا ہے۔ وہ شریف اور بہادر آدمی تھا کل ہی جب ہم بہادر سنگھ کے گاؤں سے روانہ ہو رہے تھے۔ تو اس کی اکلوتی بیٹی کی منگنی کا فیصلہ ہوا تھا۔ اور جو لڑکا اس نے پسند کیا تھا۔ وہ یہی بہادر سنگھ ہے۔ جسے میرے زمانے میں ڈاکوؤں کی گرفتاری پہ ترقی ملی تھی۔"

"جی اس کے متعلق میں سن چکا ہوں۔ میں نے سابقہ ریکارڈ سے مسٹر یوسف کی رپورٹ دیکھی ہے اور میں نے رپورٹ پڑھ کر یہ محسوس کیا تھا۔ کہ اس نوجوان کو پولیس کا کوئی بہت بڑا افسر ہونا چاہیئے۔"

عبدالعزیز نے کہا: "یہ نوجوان ہم میں سے تو کسی کی سنتا نہیں آپ بات کر کے دیکھ لیجیئے۔"

بچن سنگھ نے یوسف سے مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "بھئی معاف کرنا، میرا خیال تھا کہ آپ فوجی لباس میں ہوں گے۔"

یوسف مسکرایا "گرمی ہے سردار جی۔"

"یار گرمی تو مجھے بھی بہت تنگ کرتی ہے۔ لیکن وردی بھی تو ضروری ہوتی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "سردار جی میں ابھی پڑھتا ہوں اور طالب علم کی کوئی وردی نہیں ہوتی۔ میں صرف اپنی سہولت دیکھا کرتا ہوں۔"

قائم دین ذرا ہٹ کر بیری کے درخت کی چھاؤں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک کانسٹیبل اس کے سر پہ کھڑا پوچھ رہا تھا۔ "تمہیں معلوم ہے تھانے دار صاحب نے تمہیں کیوں

"جی ان کا حکم ملا میں آگیا۔"

"تمہیں یہ معلوم ہے کہ انہوں نے حکم کیوں بھیجا تھا؟"

"جی یہ مجھے معلوم نہیں۔"

"دیکھو، میری بات سنو جب ایک آدمی قتل کے مقدمہ میں پھنس رہا ہو تو اسے بڑے ہوش سے بات کرنا چاہیئے۔"

قائم دین کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ کانسٹیبل نے پوچھا:

"تم نے کسی کو پھانسی پہ لٹکے ہوئے دیکھا ہے؟"

"بالکل نہیں جناب۔ میں نے تو جیل خانہ بھی نہیں دیکھا"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اب سب کچھ دیکھو گے۔ تمہارے گاؤں کے کچھ لوگ شاید یہاں آئے ہوئے ہوں۔ اگر تم اپنے گھر کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہو۔ تو ابھی موقع ہے۔"

قائم دین نے اٹھ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی اور پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "جی ہمارے گاؤں کا ایک آدمی اور اس کا لڑکا اس طرف بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا نام ہردیال سنگھ اور اس کے لڑکے کا نام جگجیت سنگھ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اُن سے بات کر آؤں۔"

"تم بیٹھے رہو۔ وہ یہیں پہنچ جائیں گے۔"

کانسٹیبل لمبے لمبے قدم اُٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور دوسرے کانسٹیبل کو اشارے سے بُلا کر کچھ سمجھانے کے بعد واپس آگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہردیال سنگھ اور جگجیت سنگھ بھاگتے ہوئے قائم دین کی طرف آ رہے تھے۔

قائم دین نے کہا۔ "سردار ہردیال سنگھ میرے لیئے آپ کو تکلیف کرنی پڑے گی! آپ بھاگ کر جائیں اور میری بیوی کو اطلاع دے دیں کہ مجھے قتل کے الزام میں پکڑا جا رہا ہے۔"

کانسٹیبل نے کہا "بھئی ہر الزام کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ تمہاری بیوی یہ کیسے سمجھے گی۔ کہ تم پر شبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"جی میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ مجھ پر شبہ کیوں کیا جا رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا کوئی ساتھی قاتلوں کا دوست ہو۔ یا تمہارے پاس کوئی ایسے آدمی دیکھے گئے ہوں۔ جن پر شبہ کیا جا سکتا ہو۔"

"جناب، جو آدمی میرے پاس رہتے تھے۔ ان میں سے تو ایک بہت ہی بزرگ ہے۔ دور دور تک لوگ اس کے مرید ہیں اور کچھ عرصہ سے اُس کے دو مرید وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن کل صبح ہوتے ہی وہ کہیں چلے گئے تھے۔"

کانسٹیبل نے کہا "بھئی ہماری اطلاعات کچھ اور ہیں۔ کل کافی دن چڑھے تک انہیں دوسرے گاؤں اور پردیسی درختوں کے آس پاس دیکھا گیا ہے۔ وہ قاتلوں کے سرغنہ بھگوان سنگھ کے ساتھ پھرتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ اب تم نے یہ سوچنا ہے۔ کہ تمہارے حق میں وہ باتیں کیا ہیں جو تمہیں قاتلوں کے ساتھ پھنسانے سے بچا سکتی ہیں۔ یا وہ کون سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے تم پھنس سکتے ہو۔ تم سے زیادہ ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جو تمہارے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ پیر کوکے شاہ اور اس کے دو ساتھی جو تمہارے پاس رہتے تھے۔ ان کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔ اور تمہارے تعلقات ان سے کیا تھے؟"

"جناب میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ عالم بی بی، سائیں کوکے شاہ جیسے لوگ کالا پیر بھی کہتے ہیں، کی مریدنی ہے اور اگر بیوی کا پیر گھر میں آ جائے تو خاوند کو بھی اس کا ادب کرنا پڑتا ہے۔"

"اچھا قائم دین تم اس کے متعلق یہ جانتے ہو کہ وہ دوائیاں بھی بنایا کرتا تھا؟"

"جی ہاں! دوائیاں لینے تو لوگ اس کے پاس دور دور سے آتے ہیں۔"

"تم بھی کبھی گئے ہو اس کے پاس دوائی لینے کے لئے؟"

"جی، میں کبھی دوائی لینے نہیں گیا، لیکن جب کبھی ان کے گاؤں سے گزر ہوتا تھا، تو میں انہیں سلام ضرور کیا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے پھل یا مٹھائی بھی لے جاتا تھا۔"

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی بڑی دیر سے بیمار ہے۔"

"نہیں، جی یہ بات تو نہیں۔ ویسے عورتوں کو کوئی نہ کوئی تکلیف ہو جاتی ہے اور وہ علاج کے لئے ایسے لوگوں کی طرف جاتی ہیں۔ جن پر اُن کا اعتقاد ہو۔ عالم بی بی کا کوکے شاہ پر اتنا اعتقاد ہے۔ کہ اگر وہ بخار یا کسی اور تکلیف میں ہو اور سائیں جی جاتے جاتے اسے پھونک مار جائیں تو وہ اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ کبھی کبھی وہ ایک چھوٹی سی پڑیا بھیج دیتے ہیں۔ اس سے بھی اس کی صحت بالکل ٹھیک ہو جاتی ہے۔"

"اچھا ٹھہرو میں ابھی واپس آ کر تم سے اور باتیں کروں گا۔ سردیال سنگھ تم اب اپنے بیٹے کے ساتھ چھٹی کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اب خود جانا پڑے گا۔"

کانسٹیبل تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا شیشم کے درختوں کی طرف بڑھا اور وہاں کچھ دیر پریم سنگھ کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ پریم سنگھ نے ہاتھ کے اشارے سے یوسف کو بلایا۔ اور یوسف نے کھاٹ سے اٹھ کر بیری کے درخت کی طرف دیکھنے کے بعد سامنے کیکر کے درخت کا رخ کرتے ہوئے پریم سنگھ اور کانسٹیبل کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ دونوں کیکر کی چھاؤں میں اس کے پاس پہنچ گئے۔ یوسف نے کہا "سردار پریم سنگھ آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ ہمارا قائم دین کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔"

پریم سنگھ نے کہا "جی مجھے وہ کوئی ہوشیار آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن میں بے احتیاطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ جو سوالات آپ نے قائم دین سے پوچھنے کے لئے کہا تھا۔ وہ اس سے پوچھ لئے گئے ہیں۔ یہ بہتر ہو گا کہ آپ خود ہی کانسٹیبل سے مفصل رپورٹ سن لیں۔"

یوسف نے کہا "میں رپورٹ سننے کی بجائے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جواب دیتے جائیں۔"

کوئی دس منٹ کی گفتگو کے بعد یوسف نے کانسٹیبل سے کہا "بھئی تم کافی سمجھ دار معلوم ہوتے ہو۔ اب اس سے چند اور سوال پوچھنے ہیں۔ نمبر ایک، باہر سے آنے والے مریضوں کو جو دوائیاں وہ یہاں سے دیا کرتا ہے۔ اُن میں سے کوئی یہاں بھی تیار ہوتی ہے۔ نمبر دو، جو دوائیاں تیار ہوتی ہیں۔ ان میں کون سا زہر استعمال کیا جاتا ہے۔ نمبر تین، جو زہر خطرناک ہوتے ہیں۔ انہیں صحت کے لئے مفید بنانے کا کیا طریقہ ہے۔ نمبر چار، کیا کبھی قائم دین یا اس کی بیوی بھی سائیں کو کے شاہ کے حکم پر زہر خریدنے گئی ہے اور اگر گئی ہے۔ تو وہ کس جگہ اور کس دکاندار کے پاس گئی ہے ـــــ اب تم جاؤ اور قائم دین کے ساتھ اس کے گھر کا رُخ کرو۔ اور راستے میں اس سے یہ سوالات پوچھتے جاؤ۔ گھر پہنچ کر قائم دین کو اپنی بیوی کے ساتھ اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع دو۔ اور جب وہ چیختی چلاتی تمہارے پاس آئے تو تم اسے یہ مشورہ دو کہ وہ کو کے شاہ اور اس کے ساتھیوں کا پتہ دے کر اپنے خاوند کو بچا سکتی ہے اور شاید خود بھی ایک بڑی تکلیف سے بچ سکتی ہے۔ وہ یہاں پہنچنے کی ضد کرے تو اسے ڈانٹ دینا اور یہ سمجھا دینا کہ وہاں پولیس کے بڑے بڑے افسر آئے ہوئے ہیں اور تم جاتے ہی گرفتار ہو جاؤ گی ـــــ دیکھو! اگر وہ ہمارے متعلق کچھ پوچھے تو یہ کہہ دینا کہ ہم اسے بچانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اگر پولیس پر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ قاتلوں کو گرفتاری سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے تو ہم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اور اگر پولیس کو اطمینان ہو گیا۔ کہ تم مجرموں کی پردہ پوشی نہیں کر رہی ہو تو ہو سکتا ہے کہ قائم دین کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ ایک بات جو تمہیں خاص طور پر دیکھنی چاہیئے۔ وہ کو کے شاہ کی لیبارٹری ہے۔ یہاں وہ ادویات تیار کرتا ہے۔ اگر کوئی ادویات یا ان کا خام مال مل جائے تو اسے اپنے قبضے میں لے لو اور قائم دین کی بیوی کے اُس

بکس کی تلاشی بھی لو۔ جہاں وہ اپنے پیر کے تبرکات رکھا کرتی ہے۔ وہاں اگر کوئی دوائی مل جائے تو وہ بھی ضبط کر لینا۔ کیونکہ یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ جرائم پیشہ پیر زہر کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر ضرورت محسوس کرو۔ تو یہاں سے ایک اور آدمی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔"

ایس آئی پریم سنگھ نے کہا۔ "یوسف صاحب جس مسئلے پر اس قدر سنجیدگی سے بات کریں وہ بہت اہم ہوتا ہے۔ لیکن اگر تمہیں کوئی دوائی ملے تو بھگوان کے لئے اسے چکھ کر نہ دیکھ لینا کہ یہ زہر ہے کہ نہیں۔"

"جی آپ فکر نہ کریں۔ اگر ضرورت پڑ جائے تو یہ چھوٹا سا کام گاؤں کے آوارہ کتوں سے لیا جا سکتا ہے۔"

پریم سنگھ نے کہا۔ "تم یوسف صاحب کو اچھی طرح جانتے ہو؟"

"جی، انہوں نے ارجن سنگھ ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کو پکڑا تھا۔"

"واہ، تم نے صرف یہی سنا ہے اِن کے متعلق۔ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے مشورے پر عمل کرنے سے مجھے اور بہادر سنگھ کو فوری ترقی ملی تھی۔"

"جی ہاں، میں نے یہ بھی سُنا ہے۔"

"تو پھر وقت ضائع نہ کرو۔ یہاں سے بھاگو اور اگر تم نے یوسف صاحب کے حکم کے مطابق کوئی تسلی بخش کام کیا تو تمہیں بہت فائدہ پہنچے گا۔ میں تمہارے ساتھ ایک اور ہوشیار کانسٹیبل بھیج دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر پریم سنگھ کانسٹیبل کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم بھاگ کر جاؤ اور معراج دین کو بلا لاؤ۔" سکھ کانسٹیبل نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور اپنے مسلمان ساتھی کو بُلا لایا۔ پریم سنگھ نے کہا۔ "معراج دین تم گیان سنگھ کے ساتھ ایک اہم مہم پر جا رہے ہو۔ گیان سنگھ کو تمام باتیں سمجھا دی گئی ہیں اور وہ تمہیں سمجھا دے گا۔ ملزم قائم دین سے کام لینے کے لئے تمہیں سمجھ داری کا ثبوت دینا پڑے گا۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ ٹرک جو پوسٹ مارٹم کے لئے لاشیں لے کر گیا تھا۔ واپس آگیا

اور بیلا سنگھ کے رشتہ دار لاشوں کو کھاٹوں پر ڈال کر مرگھٹ کی طرف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد وہاں بیلا سنگھ، اس کی بیوی اور بوڑھے نوکر کی چتاؤں کے شعلے نظر آ رہے تھے اور وہ ٹرک جو لاشوں کو لے کر واپس آیا تھا۔ اب بھگوان سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو طبی معائنہ کے لئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر لے جا رہا تھا۔ دو مسلح کانسٹیبل زخمیوں کی نگرانی کر رہے تھے اور ایک زخمی ہردیپ سنگھ کو کسی حد تک ہوش آ چکا تھا۔

پانچ منٹ بعد یوسف اور پریم سنگھ، بیلا سنگھ کی بیرونی حویلی کے کشادہ برآمدے میں بھگوان سنگھ اور ہردیپ سنگھ کو لیٹا ہوا دیکھ رہے تھے۔ یوسف نے ایک آدمی سے پوچھا: "کہر سنگھ کا کیا حال ہے؟"

ایک کانسٹیبل نے جواب دیا: "جی وہ اندر کی حویلی کے برآمدے میں پڑا ہوا ہے اور کبھی کبھی اسے ہوش آتا ہے۔ لیکن وہ بھگوان سنگھ، ہردیپ سنگھ اور کالے پیر کو آوازیں دے کر پھر بیہوش ہو جاتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ شور مچا رہا تھا، میرے سب ساتھی مارے گئے ہیں۔ بھگوان سنگھ بھی مارا گیا ہے۔ اور میں بھی مر رہا ہوں۔"

یوسف اور پریم سنگھ وہاں سے اس طرف چل پڑے جہاں پولیس کے افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ راستے میں یوسف نے کہا: "میرا خیال ہے۔ کہ اب انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے۔"

پریم سنگھ نے کہا: "جی میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ آس پاس کے لوگ جو یہاں آئے تھے۔ ہردیپ سنگھ کے متعلق خاص طور پر یہ کہتے تھے کہ وہ شراب کے نشے میں دھت ہوئے بغیر ایسی واردات میں حصہ نہیں لے سکتا۔ گاؤں کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے بیلا سنگھ کو چند لاٹھیاں ماری تھیں۔ لیکن زیادہ لوگ یہ گواہی دیتے ہیں کہ جب بھگوان سنگھ اور کہر سنگھ بڑکیں مار رہے تھے تو وہ یہ دہائی دے رہا تھا۔" او کہر سنگھ! عورت کو مارتے

ہو شرم کرو، میں اس پاپ میں حصہ نہیں لے سکتا، میں جا رہا ہوں۔" بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے چھت کے اوپر سے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بھگوان سنگھ کو بھی گالیاں دے رہا تھا۔ چند عیسائیوں نے اسے بیلا سنگھ کی حویلی سے نکل کر کھیتوں کا رخ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

یوسف نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ اگر یہی وہ آدمی ہے۔ جو اپنا ایک جوتا بطور نشانی چھوڑ کر بھاگا تھا تو اس سے بہت کچھ اگلوایا جا سکتا ہے۔ میں ان دو آدمیوں کے متعلق معلوم کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں۔ جو سائیں کولے شاہ کے پاس آئے ہوئے تھے۔"

"جناب! ذرا بہادر سنگھ سنبھل جائے۔ تو ہم سچ اگلوانے کا کام اس کے سپرد کر دیں گے۔"

تھانیدار بنسی داس تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور بولا "یوسف صاحب آپ ہماری طرف آ رہے تھے اور ڈی ایس پی صاحب آپ کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے، لیکن آپ چلتے چلتے رک کر باتیں کرنے لگ گئے۔ اب ڈی ایس پی صاحب نے مجھے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا ہے۔ اور آپ سے علیحدگی میں کوئی بات کرنے کے لئے ایک چارپائی ذرا دور رکھوا دی ہے۔"

یوسف نے پریم سنگھ سے کہا: "سردار جی آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یوسف وہاں سے چل دیا۔ ایک منٹ بعد وہ بچن سنگھ اور عبدالعزیز کے سامنے کھڑا تھا۔ بچن سنگھ نے کہا: "ہم تو آپ کے درشن کو ترس گئے تھے۔"

یوسف نے کہا: "سردار جی آپ چچا جی سے باتیں کر رہے تھے۔ اس لئے میں نے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف رہنا زیادہ مناسب سمجھا۔"

بچن سنگھ نے عبدالعزیز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" جناب آپ کی طرح یوسف صاحب کے چھوٹے چھوٹے کام بھی بہت اہم ہوتے ہیں۔ جب مجھے فون پر یہ اطلاع ملی تھی۔ کہ آپ ان کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تو میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ یہ اس تھانے کی خوش قسمتی ہے۔ اور جب میں نے یہ سنا کہ۔ یہاں پولیس کی آمد سے پہلے ہی قاتلوں کا سرغنہ اور اس کے دو ساتھی پکڑے جا چکے ہیں۔ تو مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی۔ اور اب اگر یوسف صاحب کوئی اور اچھی خبر سنا سکیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

یوسف نے جواب دیا۔" سردار جی، اچھی خبر یہ ہے۔ کہ گرفتار ہونے والوں میں سے ایک ایسا بھی ہے جس سے آپ کو حیرت انگیز باتیں معلوم ہوں گی۔ اگر آپ نے ارجن سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق پوری فائل دیکھی ہے۔ تو اس کیس کی بھی ایک دلچسپ بات یہ ہے۔ کہ ایک معتبر آدمی جو پچھلی مرتبہ گرفتار ہونے سے بچ گیا تھا۔ شاید اس کیس میں نہ بچ سکے۔ میں ایک ایسی صورتِ حال اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔ جب ہر مجرم اس کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اور ان پناہ گاہوں کی طرف اشارہ کرے گا۔ جہاں دوسرے قاتل چھپے ہوتے ہیں۔"

تین گھنٹے بعد قائم دین کو ساتھ لے جانے والے کانسٹیبل واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ گاؤں کے دو آدمی گٹھڑیاں اٹھائے ہوئے تھے اور قائم دین کے سر پر ٹین کا بکس تھا۔ پریم سنگھ اور بنسی داس نے ان کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد اسے ڈی ایس پی کے سامنے پیش کر دیا۔

"بھئی ان گٹھڑیوں اور اس صندوق میں کیا ہے؟"

کانسٹیبل نے جواب دیا۔" جناب یہ وہی سامان ہے جسے ضبط کرنے کے متعلق ہمیں حکم دیا گیا تھا۔"

پریم سنگھ نے جواب دیا۔" سر یہ کچھ تیار کی ہوئی دوائیاں ہیں۔ جو کوکے شاہ لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ اور باقی وہ خام مال ہے۔ جس سے دوائیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اس جرائم پیشہ پیر پر یہ شک کیا جاتا ہے کہ وہ دوائیوں میں زہر ملا کر بھی فروخت کرتا ہے۔"

بچن سنگھ نے پوچھا۔" اس کا کچھ سراغ ملا ہے؟"

"جی وہ کل صبح سے غائب ہے اور اس کے ساتھ دو اور آدمی بھی تھے جو چند دنوں سے اس کے پاس رہتے تھے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔" سردار جی میں نے ان تینوں کو دیکھا ہے اور تینوں جرائم پیشہ معلوم ہوتے تھے۔"

پریم سنگھ نے کہا۔" جناب اس جرائم پیشہ حکیم سائیں کوکے شاہ کا گاؤں تو ضلع امرتسر میں ہے۔ باقی دو آدمی جو چند دن سے اس کے پاس آتے ہوتے تھے وہ اجنبی تھے۔ اور کوکے شاہ کی گرفتاری سے پہلے شاید ان کا سراغ نہ مل سکے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔" میں نے اپنے کیمرے سے ان کی تصویریں لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب تک نیگیٹو (Negative) کسی تجربہ کار فوٹوگرافر سے صاف ہو کر نہیں آتے یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ اگر گورداس پور میں کوئی اچھا فوٹوگرافر موجود ہو تو یہ کام وہاں سے کروایا جا سکتا ہے۔ ورنہ میں لاہور سے کسی قابلِ اعتماد فوٹوگرافر سے یہ کام کروا لوں گا۔"

بچن سنگھ نے کہا۔" جناب یہ کام آپ لاہور سے ہی کروائیں۔ جن لوگوں کی صورتیں دیکھ کر ہی آپ ان کی تصویریں لینے پر آمادہ ہو گئے تھے وہ یقیناً جرائم پیشہ ہوں گے —— تھانیدار صاحب! یہ سامان ہیڈ کوارٹر بھیج دیجیے۔ تاکہ وہاں سے لیبارٹری کو بھیجا جا سکے۔ اب آپ لوگ اپنا کام کریں۔ میں یوسف صاحب سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

بنسی داس نے کہا۔" جناب فی الحال یہاں ہمارا کام تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اگر آپ

پسند فرمائیں۔ تو تھانے میں آپ کے قیام کا انتظام کر دیا جائے۔"

یوسف نے کہا "جناب اِن کے آرام کا انتظام ہمارے مہمان خانے میں بھی ہو سکتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "ہاں، سردار جی۔ کیا یہ اچھا نہیں ہو گا۔ کہ آپ کل تک میرے ساتھ رہیں۔ میں صبح ہوتے ہی آپ کو اپنی موٹر پر گورداس پور چھوڑ آؤں گا۔"

بچن سنگھ نے کہا۔ "نہیں جناب میرا تھانے میں ٹھہرنے کا بھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں بنسی داس کے ساتھ موٹر سائیکل پر شہر تک جاؤں گا اور وہاں سے گاڑی یا بس پر گورداس پور پہنچ جاؤں گا۔ وہاں بہت سا کام میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ آپ اگر یہاں چند دِن ٹھہریں تو بنسی داس اور اس کا سٹاف آپ کی موجودگی سے بہت فائدہ اٹھا سکے گا۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "نہیں بھائی، میں پرسوں ہر صورت میں چلا جاؤں گا۔ اور یہاں سے روانہ ہونے تک میں پوری توجہ سے اس کیس پر کام کروں گا۔"

"اور یوسف صاحب تو یہیں رہیں گے نا؟"

"نہیں وہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں آپ سے بہادر سنگھ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک قابلِ اعتماد افسر ہے۔ اور جب تک وہ اے۔ ایس۔ آئی نہیں بن جاتا۔ اسے اسی تھانے میں رہنا چاہیئے۔ حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ بیلا سنگھ کی لڑکی کے لیئے فوری طور پر ایک محافظ کی ضرورت ہے۔ میں کوشش کروں گا۔ کہ اس کی شادی میں تاخیر نہ ہو اور مجھے اُمید ہے کہ جب میں بہادر سنگھ کے باپ سے بات کروں گا۔ تو وہ اور بیلا سنگھ کے باقی رشتہ دار میری اس تجویز کی حمایت کریں گے۔ سردار صاحب آپ ایک بات کا ذمہ لیں، کہ اس مسئلہ میں آپ پوری دلچسپی لیں گے۔ جن زخمیوں کو علاج اور معائنہ کے لیئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر بھیجا گیا ہے۔ ان کی تحقیقات کا کام کسی تجربہ کار افسر کے سپرد کر دیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ انہیں ہوش میں آتے ہی ایک دوسرے سے

الگ کر دیا جائے۔ اور ہردیپ سنگھ پر خاص توجہ دی جائے۔ کیونکہ وہ ان تینوں سے زیادہ ڈرپوک معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے سچ اگلوانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی پولیس کے جال میں ایک بڑی مچھلی کے پھنس جانے کی توقع ہے اور اس کے متعلق پریم سنگھ کی معلومات کافی ہیں۔ اگر قاتلوں کے گروہ کے تمام آدمی پکڑے گئے تو ایک لڑکے کی کارگزاری پولیس سے بڑے انعام کی حقدار ہو گی۔ جو افسر ارجن سنگھ ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری میں حصہ لے چکے ہیں۔ وہ آپ کو یہ بتا سکیں گے۔ کہ وہ لڑکا کون ہے۔ میں اس وقت اس کا نام لے کر اس کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ مناسب وقت پر بہادر سنگھ یا پریم سنگھ اس ہونہار لڑکے کو آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اگر [illegible]اسب سمجھیں تو اس کی تعلیم کا انتظام ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر میں کروا دیں۔"

بچن سنگھ نے کہا۔ "عبدالعزیز صاحب شاید آپ کو اس بات پر یقین نہ آئے، کہ [illegible]ن صاحب نے ڈاکوؤں کے متعلق جو دلچسپ رپورٹ لکھی تھی۔ وہ میں نے اتنی بار پڑھی ہے کہ اب زبانی یاد ہو گئی ہے۔ اس لیئے میں اس لڑکے اور اس کے بہادر باپ کو جانتا ہوں۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "یار یہ عجیب بات ہے۔ اگر آپ اتنا کچھ جانتے تھے۔ تو اتنی دیر انجان بن کر مجھ سے کیوں چھپاتے رہے؟"

"یار بات یہ ہے کہ آپ کی باتیں سُن کر میں خوش ہو رہا تھا۔ میں چند دن بعد پھر یہاں آؤں گا۔ اور ان تمام لوگوں سے ملوں گا۔ جنہوں نے ڈاکوؤں کی گرفتاری میں حصہ لیا تھا۔ میں پردیسی درخت بھی دیکھوں گا۔ اور پھر جامن کے اس درخت کو جا کر سلام کروں گا جس کی وجہ سے ارجن سنگھ جیسا خطرناک ڈاکو اور قاتل گرفتار ہوا تھا۔"

پریم سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "سر ایک مسئلہ باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قائم دین کا کیا کیا جائے؟"

کرتا ہے۔ اگر گوکے شاہ اور اس کے ساتھیوں نے غائب ہونے سے پہلے اپنے جرم
کی قیمت وصول نہیں کرلی تھی۔ تو وہ ضرور اس کے پاس آئیں گے۔ میں لاہور پہنچتے ہی
ان کی تصویریں تھانے میں بھجوادوں گا۔ اگر دینا ناتھ جیسے لوگوں کو اچانک ان کی تصویریں
دکھا کر اس کا ردِعمل دیکھا جاتے تو یہ معلوم ہو جاتے گا کہ وہ کس حد تک ان کے موجودہ
ٹھکانے سے واقف ہیں۔ دینا ناتھ کے نوکروں کو بھی وہ تصویریں دکھا کر بہت کچھ معلوم کیا
جاسکتا ہے۔ بہادر سنگھ! اگر تم شادی کے بعد سردار بیلا سنگھ کے گھر کو آباد رکھو تو مجھے بڑی
خوشی ہوگی۔ اجیت کور کے لئے ایک پستول کے لائسنس کے متعلق ڈی ایس پی سے بات
ہوچکی ہے۔ پریم سنگھ کو یہ یاد دلا دینا کہ اجیت کور کی طرف سے لائسنس کی درخواست لکھ کر
اور اس کے دستخط کرواکر فوری طور پر آگے بھیجنا اس کی ذمہ داری ہے۔ پھر پستول خریدنے
کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اس کا انتظام ہو چکا ہے۔ میں سردار بیلا سنگھ کے رشتہ داروں
کو یہ مشورہ دے چکا ہوں کہ آپ اگر پسند کریں، تو یہیں بیلا سنگھ کی حویلی میں رہ سکتے ہو
اس قتل سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ قاتل بیلا سنگھ کی جائیداد سے بہت جلتے
تھے اور انہیں شہہ دینے والا کوئی ایسا آدمی تھا جسے اس قتل سے کسی فائدہ کی امید تھی۔
وہ دینا ناتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب دینا ناتھ
پر ہاتھ ڈالا جائے گا تو بہت سی باتیں صاف ہو جائیں گی۔ اب میں تمہیں وہ کاغذ دے
جاتا ہوں۔ اس کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اور یہ تو شاید تمہیں معلوم ہی
ہوگا، کہ تمہاری ماں جی اور اجیت کور ہمارے ساتھ جائیں گی۔ ہم ان کو گاؤں اتار دیں گے۔"

"تو بھائی صاحب آپ جلدی سے وہ کاغذ لاکر دے دیں۔ میرا یہاں ٹھہرنا مناسب
نہیں ہے۔ لوگ خیال کریں گے۔"

"کیا خیال کریں گے لوگ؟" کوشش کے باوجود بہادر سنگھ کے چہرے پر مسکراہٹ
آگئی۔

"یار لوگ یہی خیال کریں گے۔ کہ میں اجیت کور کے لئے آتا ہوں۔"

"تو اس میں غلط بات کون سی ہے؟ بھئی بہادر سنگھ لوگوں کی پرواہ نہ کیا کرو۔ تمہیں
اس بات کی خوشی ہونی چاہیئے کہ اجیتو بے وقوف نہیں ہے ——— اچھا میں
دو منٹ میں تمہارے کاغذ لے کر آتا ہوں۔"

یوسف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ بہادر سنگھ کو کاغذات
دے رہا تھا۔ بہادر سنگھ نے کاغذ لیتے ہوتے کہا۔ "یوسف جی! میں یہ اتنا پڑھوں گا، کہ
زبانی یاد ہو جاتے۔ آپ چچا عبدالعزیز صاحب اور چچی کو میرا سلام کہہ دیں۔ اب میں سیدھا
تھانے جاؤں گا اور پریم سنگھ کو علیحدہ بٹھا کر آپ کی ہدایات سناؤں گا۔"

"اچھا بھئی تم جاؤ ہم نے جلدی یہاں سے روانہ ہونا ہے۔" یوسف نے اس سے
بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد یوسف موٹر چلا رہا تھا اور عبدالعزیز اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی
سیٹ پر بلقیس، اجیت کور، بہادر سنگھ کی ماں اور بہن بیٹھی ہوئی تھی۔ بلقیس نے ایک بار
پھر اجیت کور کے مستقبل کا قصہ چھیڑ دیا اور بہادر سنگھ کی ماں سے کہا۔ "بہن مجھے معلوم
نہیں کہ دنیا کو یہ بات کیسی لگے گی۔ لیکن آپ کو وہ سب لوگ جو تھوڑی بہت عقل رکھتے
ہیں، یہی کہیں گے کہ اس بات میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔"

بہادر سنگھ کی ماں بولی۔ "بی بی جی، یوسف، اجیتو کا منہ بولا بھائی ہے اور بہادر سنگھ
اسے اپنا بہترین دوست سمجھتا ہے۔ اس لئے یوسف جو فیصلہ کرے گا۔ وہ غلط نہیں ہوگا
جب وہ اجیتو کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے رخصت کرے گا۔ تو کسی کو اس کی چیخیں سنائی
نہیں دیں گی۔ اور بہن! میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ مجھے اس کی ماں کی موت کے بعد ایک
دوہری ذمہ داری ادا کرنی پڑے گی۔ ماں کی بھی اور پھر ساس کی بھی۔ اور بہادر سنگھ کے
باپ کے لئے یہ بہو سے زیادہ ایک بیٹی ہوگی۔"

بچن سنگھ نے کہا۔"اس سوال کا جواب تمہیں یوسف صاحب سے پوچھنا چاہیئے"۔

یوسف آگے بڑھ کر بولا۔"سردار صاحب اس کیس میں قائم دین بڑے مجرموں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ایک اہم گواہ ہے۔ اس لئے پولیس کی حفاظت میں ہے۔ آپ چاہیں تو اسے تھانے میں رکھیں۔ یا یہ بہتر ہوگا کہ اسے گھر بھیج دیا جائے اور ایک کانسٹیبل اس کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جائے"۔

غروب آفتاب کے وقت پولیس کی پارٹی گاؤں سے روانہ ہو چکی تھی اور تھوڑی دیر بعد بہادر سنگھ اور اس کے تمام رشتہ دار میاں عبدالرحیم کے گاؤں کی طرف جا چکے تھے جہاں مہمان خانے میں اُن کے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد اجیت کور، بہادر سنگھ کی ماں اور بہن، وہیں مکان کے ایک کشادہ کمرے میں بلقیس کے ساتھ ٹھہر گئی تھیں اور باقی لوگ بیلا سنگھ کے گھر آ گئے تھے۔ بلقیس کے اصرار پر یہ خواتین ایک دن اور یوسف کے گھر مہمان رہیں۔

تیسرے روز گاؤں کے لوگ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلے۔ تو یوسف کو اچانک بہادر سنگھ بائیں طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ اور عبدالرحیم اور عبدالعزیز باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ بہادر سنگھ نے سائیکل سے اترتے ہوئے یوسف سے کہا۔"یار میں آج بہت سویا ہوں۔ بھگوان کا شکر ہے کہ آپ چلے نہیں گئے"۔

"بھئی میں تمہیں ملے بغیر کیسے جا سکتا تھا۔ رات کچھ کام کرنے کا موقع ملا تھا اور میں نے چند صفحات لکھ لئے تھے ان میں تمہارے لئے اور پریم سنگھ کے لئے چند تجاویز ہیں۔ وہ اچھی طرح پڑھ لینا۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ جب ہردیپ سنگھ وعدہ معاف گواہ بن کر اس جرم کے ساتھ دینا ناتھ کا تعلق ثابت کر دے تو اسے فوراً گرفتار کر لینا چاہیئے۔ لیکن اس سے پہلے تم کو اس کے گھر کی سختی سے نگرانی کرنی چاہیئے۔ وہ لوگوں کو روپیہ دے کر جرم کروایا

بلقیس نے اجیت کور کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا:"بیٹی سچ سچ بتاؤ۔ تم میری باتوں سے ناراض تو نہیں ہو"۔

اجیت کور نے جواب دینے کی بجائے اپنا سر اس کے کندھے سے لگا دیا۔

بلقیس نے کہا۔"مجھے معلوم تھا کہ تم ایک سمجھدار بیٹی ہو۔ اب اگر تم غصہ میں نہ آجاؤ تو میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں۔ کہ کیا میں تمہاری شادی پر آؤں؟"

اجیت کور نے اس کا بازو پکڑ کر دبایا بلقیس نے ایک ثانیئے کے توقف کے بعد پھر پوچھا۔"بیٹی میں نے پوچھا ہے۔ کہ میں آؤں تمہاری شادی پر؟"

اجیت کور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"بیٹی میں ضرور آؤں گی۔ اور تمہارے چچا بھی آئیں گے اور تمہارا یوسف بھائی بھی آئے گا۔ میں یہ چاہوں گی۔ کہ یوسف کے خاندان کے سب اچھے لوگ اس پیاری سی بیٹی کو ڈولی میں بٹھانے آئیں اور تمام بزرگ تمہیں اپنی نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں"۔

اجیت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

"بیٹی! ہم اس بات کا انتظام کر کے جا رہے ہیں کہ ہمیں وقت پر اطلاع مل جائے۔ یوسف کہتا تھا کہ اجیت کور بہت بہادر ہے۔ لیکن اب حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ تمہارے پاس پستول ہونا چاہیئے۔ ڈی۔ ایس۔ پی بچن سنگھ کو تمہارے چچا نے کہہ دیا ہے اور وہ پستول دلوانے میں پوری مدد کریں گے"۔

عبدالعزیز نے کہا۔"بیٹی مجھے اس بات کا بڑا دکھ ہے۔ کہ میں نے اسلحہ کے لائسنس کے لئے تمہارے باپ کی سفارش کی تھی۔ لیکن وہ اپنی لاٹھی اور کتوں کو کافی سمجھتے تھے۔ اور جس رات یہ مصیبت آئی تھی۔ ان کے کتے بھی ان سے دور تھے۔ اب بیٹی میں اس بات کا پورا انتظام کر کے جا رہا ہوں کہ اے ایس آئی پریم سنگھ خود تمہارے پاس آئے۔ اور

اسلحہ کے لئے درخواست پر تمہارے دستخط یا انگوٹھا لگوا کر آگے بھیج دے ۔۔۔ تم دستخط کر لیتی ہو نا بیٹی ؟"

"جی، جب میں چھوٹی تھی تو پہلے ایک گیانی جی اور اس کے بعد کارخانے کے ایک بابو کی بیوی سے پڑھا کرتی تھی۔"

بلقیس نے کہا۔ "تو بیٹی اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اردو میں ہمارا خط پڑھ سکو گی اور اس کا جواب بھی دے سکو گی۔"

اجیت کور نے اسے اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا۔ "چاچی جی یہ تو میری خوش قسمتی ہے"۔

بلقیس نے کہا۔ "اچھا بیٹی جب تمہیں لائسنس مل جائے گا۔ تو ایک چھوٹا سا خوبصورت پستول میری طرف سے شادی کا تحفہ ہوگا ۔۔۔ بیٹی تم ایک بہادر باپ کی بیٹی ہو۔ اور اس دنیا میں بہادر بن کر ہی زندہ رہ سکتی ہو۔ ہم جاتے جاتے تھانے میں بھی کہتے جائیں گے۔ کہ تمہیں فوری طور پر لائسنس دلانے کی کوشش کی جائے۔"

موٹر اجیت کور کے گھر کے سامنے رکی۔ پہلے بہادر سنگھ کی ماں اتر کر بلقیس سے گلے ملی اور اسے بہت سی دعائیں دیں اور پھر اجیت اس کے ساتھ چمٹ کر کہہ رہی تھی۔ "چاچی جی، مجھے بھول نہ جائیں۔ اور چاچا جی کو بھی یاد دلاتی رہیں۔ کہ ان کی بیٹی ان کی راہ دیکھا کرتی ہے"۔

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹی ہم تمہارے لئے دعائیں کیا کریں گے۔"

اجیت اپنے آنسو پونچھتی ہوئی یوسف کی طرف متوجہ ہوئی: "ویرجی! میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں لینا چاہتی۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ آپ کا ہاتھ کبھی اپنی یتیم بہن کے سر سے دور نہیں ہوگا۔"

یوسف نے اس کے سر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اجیت کور، بہن! اگر

میں لاہور پہنچ کر یہ سنوں کہ ہمیں رخصت کرنے کے بعد کسی نے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تو ہمیں بہت اطمینان ہوگا۔"

"ویرجی، میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب مجھے روتا ہوا کوئی نہیں دیکھے گا۔"

یوسف نے کہا: "اجیت! تم اب ہمارے سامنے اپنے گھر کے اندر چلی جاؤ ۔۔۔ چاچی جی آپ بھی اس کے ساتھ جائیں۔"

بہادر سنگھ کی ماں اجیت کور کا ہاتھ پکڑ کر حویلی کے دروازے کی طرف لے گئی۔ جہاں چند خواتین ان کے استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ ایک عمر رسیدہ آدمی جو کار سے چند قدم دور مردوں کے درمیان کھڑا تھا۔ آگے بڑھا اور اس نے یوسف سے بغلگیر ہونے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا: "کاکا جی میں ان لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ کہ اچھے لوگوں کے تمام کام اچھے ہوتے ہیں۔ جب سردار بیلا سنگھ کی موت کی خبر ہمارے گاؤں میں پہنچی تھی تو میں راوی کے کنارے اپنے پرانے گاؤں گیا ہوا تھا۔ اب عام طور پر وہیں رہتا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے یہاں آکر حالات سنے تو میں یہ سوچ رہا تھا۔ کہ بھگوان نے کتنی نیکیاں تمہاری قسمت میں رکھ چھوڑی ہیں۔ اگر مجھے کوئی تمہارا ذکر کئے بغیر یہ واقعات بتاتا تو بھی مجھے یقین ہو جاتا کہ یہ ہمارے کاکا جی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

یہ سردار جگت سنگھ تھا۔

یوسف نے کہا۔ "سردار جی میں نے پہلی دفعہ یہ نام آپ کے منہ سے سنا تھا۔ اور آپ کے منہ سے یہ نام مجھے اچھا لگتا ہے۔ بھگت سنگھ نہیں آیا؟"

جگت سنگھ نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ بھگت سنگھ آگے آجاؤ۔ اس دنیا میں دیوتاؤں کے درشن بار بار نہیں ہوتے۔"

بھگت سنگھ آگے بڑھا اور اس نے یوسف کو ہاتھ باندھ کر پرنام کیا۔ جگت سنگھ نے آگے بڑھ کر عبدالعزیز کو سلام کرتے ہوئے کہا: "جناب مجھے افسوس ہے کہ میں نے

آپ کی کار روک رکھی ہے۔"

عبدالعزیز نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔"سردار جی، کوئی بات نہیں۔ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ مجھے اچھے لوگوں سے مل کر خوشی نہیں ہوتی۔"

"جناب، یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔"

یوسف نے کار کے قریب آ کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔"چچی جان، یہ وہی سردار جی ہیں جن کے ساتھ نسرین اور ماں جی نے سفر کیا تھا۔"

اور جگت سنگھ وہیں سے بولا۔"کاکا جی! بی بی جی کو میرا سلام کہہ دیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ میں چھوٹی شہزادی کو بہت یاد کرتا ہوں ——

—— آپ کے یہاں آنے سے لوگوں کو بڑا حوصلہ ہوا ہے۔ اور میں یوسف صاحب کی اس سوچ پر بہت خوش ہوں کہ وہ بیلا سنگھ کے گھر کو آباد دیکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جب آپ دوبارہ یہاں آئیں گے۔ تو آپ بہت خوش ہوں گے۔ بہادر سنگھ کا باپ اپنے گاؤں سے چند اچھے کسان یہاں لانے کے لئے گیا ہے۔ سردار بیلا سنگھ جی، اپنی کھیتی باڑی کی طرف ذرا کم توجہ دیا کرتے تھے۔ اب ہم سب اس کی زمین پر توجہ دیا کریں گے، لیکن میری درخواست ہے کہ کبھی کبھی آپ بھی اس گاؤں سے ہو جایا کریں۔ جہاں اچھے لوگوں کا سایہ پڑتا ہے وہاں سے بدی ختم ہو جاتی ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"سردار جی جب تک حالات تسلی بخش نہیں ہو جاتے آپ کو زیادہ وقت یہاں گزارنا چاہیئے۔ کیونکہ مجھے آپ، اجیت بیٹی اور بہادر سنگھ کے خاندانوں میں سب سے زیادہ بزرگ دکھائی دیتے ہیں۔"

"مہاراج آپ کو یہ شکایت نہیں ملے گی کہ میں نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔"

عبدالعزیز اس کے ساتھ مصافحہ کر کے کار میں بیٹھ گیا اور یوسف نے ہاتھ کے اشارے سے آس پاس کھڑے لوگوں کو سلام کر کے کار اسٹارٹ کر دی۔ اس پر بیلا سنگھ کی موت اور اجیت

کی بے چار   اتنا گہرا اثر تھا کہ اس نے راستے میں کسی سے بات نہ کی۔ امرتسر سے آگے عبدالعزیز نے کہا۔"یوسف بیٹا، میرا خیال ہے کہ بلقیس اپنی زندگی میں اتنی دیر خاموش نہیں رہی ہو گی یہ تھک گئی ہو گی۔ مجھے بھی تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے، تم اگر گھر پہنچ کر آرام کی ضرورت محسوس کرو تو سیدھے عبدالکریم صاحب کے گھر جاؤ۔ ہم شام کو وہاں آ جائیں گے۔ لیکن یہ بہتر ہو گا کہ تم اس سے پہلے تمام حالات سے انہیں خبردار کر دو۔"

"بہت اچھا، چچا جان، میں منظور کو ملنے کے بعد فوراً وہاں جاؤں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ عبدالکریم صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ چچی جان کو ضرور لا تیے، غم دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ ایسے واقعات جو انہوں نے دیکھے ہیں اور جن سے انہیں تکلیف پہنچ   دوسروں کو سنا دیں۔"

امینہ کی شادی

سات بجے کے قریب یوسف عبدالکریم کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ تو امینہ نے برآمدے سے نکل کر اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوتے کہا:

"بھائی جان! آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی پبلشر نے آپ کو تسلی بخش جواب نہیں دیا۔"

"ہاں، بات تو کچھ اسی قسم کی ہے، لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔"

میاں عبدالکریم اور رشیدہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اور میاں عبدالکریم نے یوسف سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے گلے لگا لیا۔

دو منٹ بعد وہ ساتھ والے کمرے میں چائے کی میز پر بیٹھ گئے تو علی اکبر آنکھیں ملتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا کہ بھائی جان آگئے ہیں۔"

یوسف نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا "بھئی غلطی میری ہے کہ میں نے آتے ہی تمہیں آواز نہیں دی۔"

علی اکبر مسکرایا "بھائی جان! میں بہت غصے میں تھا، لیکن آپ کو دیکھ کر ہمیشہ میرا غصہ دُور ہو جاتا ہے۔"

"بھائی، اس کے لئے تو میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ اب تم یہاں بیٹھ کر دودھ کا ایک گلاس پیو۔ کچھ کھاؤ اور پھر اپنے کمرے میں کتاب لے کر بیٹھ جاؤ۔ تمہارے ابو اور امی

سے ضروری باتیں کرنے کے بعد اگر مجھے وقت ملا تو تمہیں کوئی نئی کہانی سناؤں گا۔ لیکن تھوڑی دیر تک شاید دوسرے مہمان آجائیں اس لئے کہانی کی بات کل پر چھوڑ دیں۔"

علی اکبر نے جواب دیا "لیکن کل والی کہانی بہت لمبی ہونی چاہیئے اور میں آپ کو کوئی اور کام نہیں کرنے دوں گا۔"

"بھائی، میں یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ میں تمہیں ناراض نہیں کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد علی اکبر ٹھنڈے دودھ کا ایک گلاس پینے اور دو تین بسکٹ کھانے کے بعد "السلام علیکم" کہہ کر چلا گیا۔ اور وہ چائے سے فارغ ہو کر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

یوسف نے سفر کے واقعات سنانے شروع کئے۔ اور کچھ دیر وہ ہنستے اور مسکراتے رہے۔ پھر اس نے عبدالعزیز اور بلقیس کے ساتھ صبح کی سیر اور پردیسی درختوں کا ذکر کیا۔ تو بھی وہ مسکرا رہے تھے، لیکن جب اس نے عبدالکریم کے گاؤں اور اس کے گھر کا ذکر کیا تو ان کے چہروں سے مسکراہٹیں غائب ہو گئیں۔

یوسف کہہ رہا تھا: "چراغ بی بی کی ماں وہاں تھی اور پیر کوکے شاہ بھی حویلی کے ایک کمرے میں ڈیرہ ڈالے ہوتے تھا۔ دو خوفناک آدمی جن کے متعلق ہمیں یہ ثبوت مل چکا ہے کہ وہ سیٹھ دینا ناتھ سے ملا کرتے ہیں۔ نہ معلوم کب سے آپ کی حویلی میں رہتے ہیں۔ یہ حالات دیکھتے ہی مجھے شک ہوا تھا کہ علاقے میں کوئی بڑی واردات ہونے والی ہے۔ اور میں نے گاؤں کے کافی آدمیوں کو خبردار کر دیا تھا۔

سردار بیلا سنگھ، انسپکٹر صاحب کے وہاں جانے پر اتنا خوش تھا کہ سڑک سے آگے وہ علاقے کے آدمی جمع کر کے ہمارے گاؤں تک کا راستہ ٹھیک کروانے میں مدد دے چکا تھا۔ پہلے دن ہی اس نے ہماری دعوت کے لئے بٹیروں کا ایک ٹوکرا بھر کر ہمارے گھر بھیج دیا تھا۔ اور وہ کہتا تھا کہ "میری زندگی میں اتنا بٹیر اس علاقے میں کبھی نہیں آیا۔ جب تک آپ یوسف کے گھر مہمان ہیں۔ آپ کو دونوں وقت بٹیر ملتے رہیں گے۔"

چچا جی نے کہا "سردار جی! ہم نے آپ کی ایک مہمانی قبول کی ہے۔ دوسری قبول نہیں کریں گے"۔

وہ بولا "آپ کی مرضی، لیکن میں ایک درخواست ضرور کروں گا اور وہ یہ ہے کہ واپسی پر آپ کے عزیزوں اور دوستوں کے لئے ایک ٹوکرا آپ کی کار میں رکھوا دیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ کم از کم بھابھی جی یہ سوغات لے جانے سے انکار نہیں کریں گی"۔

چچا جی نے کہا "بھائی! میں تمہاری دل شکنی نہیں کروں گا۔ وہ ٹوکرا ہم اپنی کار پہ لے جانے کی بجائے، میاں صاحب کے کسی نوکر کے ہاتھ لاہور بھیج دیں گے"۔

یوسف نے کچھ سوچ کر دوبارہ گفتگو شروع کی "چچا جی! آپ بہادر سنگھ کو بھول تو نہیں گئے؟ وہ مسکرانے کے بعد اپنا ہونٹ اپنے ہاتھ سے اپنے دانتوں کے نیچے کیا کرتا تھا"۔

"یار، میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں"۔

"تو پھر آپ بیلا سنگھ کی لڑکی اجیت کور کو بھی جانتے ہوں گے"۔

امینہ بولی "بھائی جان! میں نے اسے آپ کے گھر دیکھا تھا۔ ڈاکے کے بعد جب ہم آپ کے گھر آئے تو وہ اکثر وہاں آیا کرتی تھی۔ اور آپ کے گھر کی تمام عورتیں اسے پیار کرتی تھیں۔ وہ خوب صورت بھی تھی اور بارعب بھی۔ آپ اس کے متعلق کوئی بری خبر تو نہیں لائے، بھائی جان!"

"امینہ! میں ایک خبر لے کر نہیں آیا۔ بہادر سنگھ اور اجیت کور کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ یہ رشتہ دونوں کے باپ پسند کرتے تھے، لیکن ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ جب ہم گاؤں پہنچے تو تیسرے دن چند میل دور بہادر سنگھ کے گاؤں میں اس کی بہن کی شادی تھی۔ وہ آیا اور اصرار کر کے چچا، چچی اور مجھ سے وعدہ لے لیا۔ چچا عبدالعزیز سے وہ پہلے وعدہ لے چکا تھا۔ ہم کار پر بہادر سنگھ کے گاؤں پہنچ گئے۔ کیوں کہ وہ نہر کے کنارے تھا۔ سردار بیلا سنگھ اور اس کی بیٹی بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ میں نے موقع دیکھ کر سردار بیلا سنگھ اور بہادر سنگھ کے باپ دونوں سے بات کی اور بہادر سنگھ کی بہن کی ڈولی روانہ ہونے کے چند منٹ بعد بہادر سنگھ اور اجیت کور کے رشتے کا فیصلہ ہو گیا۔ اجیت کور، اپنے باپ کی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر شادی پر آئی تھی، اس لئے ہم نے اسے اپنے ساتھ کار میں بٹھا لیا اور چچا سے کہا کہ آپ اس کی سواری پر سردار بیلا سنگھ کے ساتھ آ جائیں۔

راستے میں شہر سے چچی جان نے ایک دوکان سے اس کے لئے شادی کے کپڑے، جوتے اور کچھ اور تحائف خریدے اور ہم راستے میں اسے اس کے گھر چھوڑ کر گاؤں آ گئے۔ کافی رات گزرنے کے بعد ہم سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ بیلا سنگھ کے گاؤں سے شور سنائی دیا۔ میں چند آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیلا سنگھ، اس کی بیوی اور اس کا ایک نوکر قتل ہو چکے ہیں۔ اجیت کور نے ہماری آوازیں سنیں تو وہ پرالی کے ڈھیر سے نکل کر باہر آ گئی"۔

وہ دم بخود ہو کر یہ واقعہ سن رہے تھے۔ رشیدہ آنسو بہا رہی تھی اور امینہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

جب یوسف نے تمام واقعات سنا دیئے تو عبدالکریم نے بڑی مشکل سے اپنا غم و غصہ ضبط کرتے ہوئے رشیدہ سے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا اب تم کیوں رو رہی ہو؟ —— عالم بی بی! مجھے شروع سے ہی قابل نفرت نظر آتی تھی۔ اس کا باپ بھی جرائم پیشہ معلوم ہوتا تھا۔ تم کہتی تھیں کہ قائم دین ایک سادہ دل آدمی ہے، لیکن میں اسے ہمیشہ ایک بے وقوف سمجھتا رہا۔ خدا جانے اس میں اللہ کا کیا بھید ہے کہ جو مصیبت ہم پر ان کی وجہ سے آئی تھی وہ بیچارے بیلا سنگھ کے گھر پر آئی ہے"۔

رشیدہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "بیلا سنگھ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے مجھے اس کا بڑا دکھ ہے۔ مجھے اجیت سے بہت ہمدردی ہے۔ اتنی بھولی بھالی اور اتنی خوب صورت لڑکی اور اس کے ساتھ یہ ہوا ہے۔ لیکن چراغ بی بی کی ماں کا اس واقعہ سے کیا تعلق ہے؟"